مع اصلاحات و اضافات اور اشکالات کے جوابات

یاد کرو اللہ کو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے رہے ہو
بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ذکر کرو۔ (القرآن)

ذکرِ اجتماعی و جہری
شریعت کے آئینہ میں

غرس الاشجار لاثمار الجہر بالاذکار

افادات
حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتہم
خادم الحدیث النبوی و رئیس دار الافتاء دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ

تشریح و تعلیق
مولانا مفتی محمد الیاس صاحب
رفیق دار الافتاء دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ

زمزم پبلشرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکرِ اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں

غرس الاشجار لاثمار الجہر بالاذکار

افادات

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتہم
خادم الحدیث النبوی ورئیسِ دار الافتاء دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ

تشریح وتعلیق

محمد الیاس بن افضل شیخ عفی عنہ
معین دار الافتاء دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ

دار العلوم زکریا لینیشیا، جنوبی افریقہ

نامِ کتاب:۔ذکر اجتماعی و جہری شریعت کے آئینے میں۔
اشاعتِ اول:۔دارالمعارف دیوبند۔
اشاعتِ دوم:۔زمزم پبلشرز کراچی۔
اشاعتِ سوم:۔زمزم پبلشرز کراچی۔
(مع اصلاحات و اضافات اور اشکالات کے جوابات)۔
اشاعتِ چہارم:۔خانقاہ چشتیہ صابریہ، رحمت نگر، حیدر آباد۔
(مع اصلاحات و اضافات)۔
اشاعتِ پنجم:۔زمزم پبلشرز کراچی۔
(مع اصلاحات و اضافات و تلخیص اعتراضات و جوابات)۔

فہرست مضامین

تقریظ

از حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب حفظہ اللہ
صدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑی دولت ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ **ولذکر اللّٰہ أکبر** ﴾ اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔ (عنکبوت:۴۵)۔

قرآن مجید اور آحادیثِ نبویہ میں اس کے اَن گنت فضائل وارد ہوئے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کے شاگردِرشید نے " **الوابل الصیب** " میں ذکر کے ایک سو سے زائد دینی و دنیوی فوائد تحریر فرمائے ہیں۔

ذکر کی دو صورتیں ہیں: ذکر سری اور ذکر جہری، احادیث سے دونوں کا ثبوت ہے۔

ہمارے زمانہ میں بعض سطحی علم کے حامل جن کی نظر تمام نصوص پر نہیں یا پھر طبیعت میں ضد و ہٹ دھرمی ہے جس کی بنا پر جھٹ سے ثابت شدہ امر کو بدعت کہہ دیتے ہیں، چنانچہ ایک گروہ ذکر جہری اور اجتماعی ذکر کو بدعت کہتا ہے حالانکہ قرآن شریف اور

بے شماراحادیث سے اس کا ثبوت ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ (م۱۳۰۴ھ) نے اپنے مشہور رسالہ "**سباحة الفكر في الجهر بالذكر**" میں ذکر جہری کے ثبوت کے لیے کئی احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

بعض مفسرین نے حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں وارد آیتِ کریمہ:

﴿**إنا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشي والإشراق**﴾ (ص: ۱۸)۔ سے اجتماعی ذکر جہری پر استدلال کیا ہے۔

آیتِ کریمہ میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے پہاڑوں کواس کام پر لگادیا تھا کہ وہ شام کے وقت اورسورج کے نکلتے وقت حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کیا کریں پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے ذکرو شغل کا ایک خاص کیف پیدا ہوگیا تھا جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے مشائخ سلوک کے یہاں ذکر جہری کا معمول ہے کہ اصلاحِ باطن اور شوقِ عبادت میں یہ اکسیر ہے۔

نیز قابل ذکر یہ امر ہے کہ حضراتِ مشائخؒ ذکر جہری کا اہتمام باطنی امراض کے علاج کے طور پر کرتے ہیں۔

بالفرض ذکر جہری کا ثبوت نہ بھی ہوتا تو علاجاً اس کواختیار کرنے میں کسی قسم کا اشکال وشبہ نہ ہونا چاہئے ۔حضراتِ فقہاء نے جسمانی امراض [جن کا نقصان صرف ظاہری بدن تک محدود ہے] کے علاج ومعالجہ میں بڑی گنجائش اورتوسع سے کام لیا ہے تو بھلا روحانی امراض [جن کا نقصان روحانی ہے اور ایمان کو مضمحل کرتا ہے] میں اور زیادہ

توسع ہونا چاہئے۔

محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب زید مجدہم ومد فیوضہم شیخ الحدیث دار العلوم زکریا، تلمیذِ محدثِ کبیر حضرت محمد یوسف بنوریؒ (م۱۳۹۶ھ) کا یہ رسالہ ذکر جہری کے ثبوت میں مضبوط ماٴخذ ہے۔ موصوف کے فتاویٰ ''فتاویٰ دار العلوم زکریا'' اور دیگر علمی رسائل، اہل علم کی نگاہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

زیرِ نظر رسالہ پہلے منصۂ شہود پر آیا تھا اب چند اضافوں کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جارہا ہے، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور غلط فہمیوں کے ازالہ کا ذریعہ بنائے اور جن نیک مقاصد اور جذبات کے ساتھ لکھا گیا ہے ان تمام مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

وارد المسجد الحرام، امام البیت، مکۃ المکرّمۃ، زادہا اللہ شرافۃ وکرامۃ

۳۰/شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ

تقریظ

از حضرۃ الاستاذ مولانا شبیر احمد سالوجی حفظہ اللہ
مہتمم دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کی اصلاح وتربیت اور ہدایت و رہنمائی کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جن میں سب سے آخری اور عظیم و محبوب پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی گرامی شخصیت ہے اللہ تعالی نے آپ ﷺ پر اپنی آخری اور کامل ومکمل کتاب ''قرآن کریم'' نازل فرمائی جس کو قیامت تک کی تمام نسل انسانی کی ہدایت کا بنیادی ماخذ اور اساسی سرچشمہ قرار دیا، مذکورہ دونوں باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ بندوں کی اصلاح وہدایت کے لیے دینی علمی رہنمائی کے ساتھ عملی وتربیتی رہبری بھی ناگزیر ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح امت کو دینی رہنمائی کے لیے ''کتاب اللہ'' کی ضرورت ہے اسی طرح ''رجال اللہ'' کا وجود بھی ضروری اور مسلم ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کے بعثت کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد باری تعالی ہے: كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُوْلاً مِّنكُمْ يَتْلُوْ عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُوْنُوْا

تَعْلَمُوْنَ. (البقرہ:۱۵۱)

جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تمھیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے تمھیں پاک کرتا ہے اور کتاب (قرآن) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی باتیں سکھاتا ہے جس کو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلاَلٍ مُبِيْنٍ . (آل عمران:۱۶۴)

''بالیقین اللہ تعالی نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمایا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور خدا کی کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلاَلٍ مُبِيْنٍ . (الجمعۃ:۲)

'' وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انھی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے آیات الٰہی کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب الٰہی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھی۔''

آیات بالا کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ نبوت ورسالت کے چار فرائض اور شعبے ہیں جن کی تکمیل کے لیے آنحضرت ﷺ کی بعثت عمل میں آئی:

(۱) خلق خدا کے سامنے آیات الٰہی کی تلاوت یعنی اس کے مخارج اور تجوید کی تصحیح کے ساتھ پڑھنا پڑھانا اس کے لطف وکیف اور پیرایۂ ادا کو محفوظ کرنا۔

(۲) نفوس انسانی کا تزکیہ یعنی نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک ومعصیت

سے ان کو پاک صاف کر کے عمدہ اخلاق اور صفات حمیدہ سے ان کو آراستہ کرنا۔

(۳) تعلیم کتاب یعنی کتاب اللہ کی مراد بتانا۔

(۴) تعلیم حکمت قرآن کریم کے خالص اسرار ولطائف اور شریعت کی دقیق وعمیق علل پر مطلع کرنا۔

بعثت محمدی اور دعوت نبوی کے دائرۂ مقاصد میں تزکیۂ نفوس اور تہذیب اخلاق بڑا اہم مقام رکھتے ہیں کہ اس کو مقاصد بعثت کے بیان کی ترتیب میں کتاب وحکمت کی تعلیم سے مقدم ذکر کیا گیا ہے چنانچہ خود حدیث شریف میں حصر اور تاکید کے ساتھ اس مقصد کو درج ذیل الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

انما بعثت لأتمم مکارم الأخلاق یعنی میری بعثت ہی اس لیے ہوئی ہے کہ مکارم اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچادوں۔

یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عہد نبوت میں صحبت نبوی نے تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفوس کے باب میں ایک ایسا عظیم انقلاب برپا کیا ہے جس کی تاریخ انسانیت میں کوئی نظیر نہیں ہے آپ کی آغوش تربیت اور فیض صحبت نے آپ کے اصحاب کو اعلی اخلاق کا حسین ترین پیکر، مجسم عمل، سراپا اخلاص اور آپ کی تعلیم کا مظہر اُتم بنادیا تھا۔ جاہلیت کے برے خصائل وعادات، اطوار واوصاف اور شیطانی اثرات کا اس طرح بالکلیہ صفایا ہوگیا تھا کہ گویا وہ پہلے سے موجود ہی نہ تھے خود قرآن کریم کی شہادت ہے:

وَاعْلَمُوْا أَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الإِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُوْلٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ . (الحجرات:۷)

اور جان رکھو کہ تم میں خدا تعالی کے پیغمبر ہیں اگر بہت سی باتوں میں وہ تمھارا کہا مان لیں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن خدا نے تمھارے لیے ایمان کو عزیز بنادیا ہے اور اسکو

تمھارے دلوں میں سجادیا ہے اور کفر وگناہ اور نافرمانی سے تمھیں بیزار کردیا ہے یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں خدا کے فضل اور احسان کے باعث اور خدا جاننے والا، حکمت والا ہے۔

جلیل القدر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے انتہائی جامع اور بلیغ کلمات مین صحابہ کرام کا اس طرح تعارف فرمایا ہے:

ابر الناس قلوبا وأعمقهم علما وأقلهم تكلفا . یعنی دل کے پاک علم کے گہرے اور تکلفات سے بری ہیں۔

لیکن مشکوٰۃ نبوت سے جیسے جیسے دوری ہوتی گئی انسانی قدروں میں انحطاط آتا گیا اللہ تعالی کی ذات وصفات کی حضوری کیفیت اور خیر وشر کے عواقب کے کامل استحضار میں اضمحلال پیدا ہوتا گیا اور رفتہ رفتہ مختلف سیاسی، اخلاقی، معاشی اور ان کے علاوہ اور بہت سے اسباب وعوامل رونما ہوئے جن کے باعث بعثت نبوی کے ان مذکورہ چار مقاصد کو رو بعمل لانے کے حوالے سے امت میں ایک قسم کی تقسیم کا عمل شروع ہوا اس کے باوجود کہ امت میں ہر دور کے اندر ان چاروں شعبوں کی حامل وجامع شخصیات موجود رہیں تاہم وہ بھی اپنے مذاق وطبیعت اور وقت کے تقاضوں کے مطابق مذکورہ شعبوں میں کسی میں کم اور کسی میں زیادہ سرگرم عمل رہیں جن حضرات نے تلاوت قرآن کے شعبے کو سنبھالا وہ قراء وحفاظ کہلائے جنھوں نے تعلیم کتاب وحکمت کو اپنایا ان کو ائمہ دین، مجتہدین، فقہاء واصولیین اور محدثین کے لقب سے ملقب کیا گیا، جن بعض حضرات نے تزکیۂ نفوس اور تہذیب اخلاق کو اپنا شعار بنایا ان حضرات کو صوفیائے کرام کا نام دیا گیا غرض ہر میدان کے رجال کار نے اپنے اپنے میدانوں میں غیر معمولی محنتیں کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شعبہ ایک مستقل فن بن گیا، چنانچہ تزکیۂ نفوس کے شعبہ کے ماہرین نے بھی نفوس کی اصلاح اور تربیت کے کام کو محنت کر کے ایک فن بنادیا اور دلوں کے زنگ کی صفائی اور انسانی نفوس کو مجلی ومزکی کرنے کے لئے انھوں نے مختلف حالات میں مختلف نسخے تجویز کیے جن مین سرفہرست قرآن وسنت اور سیرت کو حرز جان بنانے کی تلقین کے ساتھ ساتھ

ذکراللہ اوراوراد ووظائف کی تعلیم تھی۔

ماضی قریب میں حضرات اکابر دیوبند بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں جنھوں نے ان چاروں شعبوں کواپنے سینے سے لگائے رکھااور آنحضرت ﷺ کی نیابت وخلافت کے طور پر امت کے سپرد ان فرائض چہارگانہ کی ادائیگی کے لیے انھوں نے تابہ مقدور سعی جمیل فرمائی گوکہ وقت کے تقاضوں، الٰہی حکمتوں، تقسیم کار کے خدائی نظام اورتوفیق ایزدی کی یاوری کی کمی بیشی کے باعث سب کے یہاں سب شعبوں میں ترکیز یکساں نہ رہی اور ایسا ہونا ناگزیر بھی تھا تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ دیگر شعبوں کی طرح تزکیۂ نفس کے شعبے میں بھی ان کی محنتیں اورکوششیں آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور براہ راست کتاب وسنت سے مستفاد اور مستنیر ہیں ان کے طریقۂ اصلاح میں کہیں بھی جادۂ مستقیم سے انحراف نہیں پایا جاتا ان کی نظر ہمیشہ اتباع رسول، پیروی سنت اورسلف صالحین کے تعامل پر رہی اسی کے جلو میں انھوں نے احسان وتزکیہ کے عمل کو جاری وساری رکھا ہے انھوں نے اللہ تعالی کی رضا وقرب اور محبت ومعرفت کے حصول، اس کی عظمت وکبریائی کا نقش دلوں میں قائم کرنے اس کی اطاعت ومحبت میں لذت وحلاوت پیدا کرنے، اسی طرح دلوں کو صیقل کرنے اوران کو سکینت ورحمت کا مورد بنانے کے لیے جو طریقہائے عمل تجویز کیے وہ سب کتاب وسنت سے مستفاد اور سلف صالحین کے تعلیم فرمودہ تھے اس سلسلہ میں انھوں نے ذکر اللہ جہری وسری اور انفرادی واجتماعی کی تلقین بھی کی سو اس کی بنیاد بھی کتاب وسنت کی پیروی اور بزرگان سلف کے اتباع پر تھی۔

خیال رہے کہ جس طرح ذکر اللہ انفرادی اور سری طور پر کرنا قرآن وحدیث سے باجماع امت ثابت ہے اسی طرح اجتماعی وجہری طور پر کرنے کا ثبوت بھی قرآن وحدیث میں واضح طور پر موجود ہے اور جہاں ذکر جہری یا ذکر اجتماعی جہری کی ممانعت وارد ہے وہ بعض موانع کے باعث ہے بنابریں ذکر جہری واجتماعی کو علی الاطلاق ممنوع

اور بدعت قرار نہیں دیا جا سکتا، بلا شبہ افضل الذکر نماز ہے لیکن بعض موانع کے باعث بعض اوقات میں نماز کی ادائیگی بھی ممنوع ہو جاتی ہے۔ شریعت میں بدعت اس فعل کو کہتے ہیں جس کا ثبوت کتاب وسنت، اجماع امت یا قیاس مجتہد سے نہ ہو اور اس کو عبادت سمجھ کر اور دین کا حصہ قرار دے کر انجام دیا جائے، حتی کہ مجتہد فیہ امور کو بھی بدعت نہیں کہا جا سکتا نہ ان پر نکیر کرنا درست ہے چہ جائے کہ کسی ایسے امر کو بدعت اور قابل نکیر قرار دیا جائے جس کے ثبوت کے لئے کتاب وسنت میں متعدد دلائل موجود ہوں اور علماء ربانیین ہر دور میں ان پر عمل کرتے رہے ہوں۔ خاص کر ایسے دور اور حالات میں جب کہ امت تشتت اور پراگندی کا شکار ہے ہر طرف کفر والحاد، ذہنی انتشار، فکری انارکی، حرص وہوس اور خدا بے زاری کی گرم بازاری ہے مادہ پرستانہ مزاج تشکیل پا رہا ہے اور انسانی اقدار رو بہ زوال ہیں ایسے پرفتن دور میں ایسا طریقہ علاج جو لوگوں کی نمازوں میں خشوع وخضوع اور دعا میں تضرع وابتہال پیدا کرتا ہو ان کو محاسبہ نفوس کا عادی اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت میں اضافے کا باعث ہو، نیز صفائی معاملات، صدق وامانت حقوق العباد کی ادائیگی کے اہتمام اور نفس پر کنٹرول رکھنے میں معاون ثابت ہو دوسری طرف لوگوں کو رذائل سے دور کرتا ہو ان کو حسد و کبر بغض وعداوت حب جاہ وحب مال اور دوسرے اخلاق ذمیمہ کے ازالہ میں مددگار ہو-- کو کیسے بدعت کہا جا سکتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ فضائل سے آراستگی اور رذائل سے دوری عین مطلوب شریعت ہے لہٰذا ان کے ذرائع ووسائل بشرطے کہ وہ منہی عنہ نہ ہو وہ بھی عین مطلوب اور مستحسن ہوں گے۔ بلا شبہ سد ذرائع اور جلب مصالح پر دفع مفاسد کو مقدم رکھنے کے طور پر امر مباح کو قابل نکیر وملامت قرار دیا جائے گا لیکن جس چیز کا نہ صرف کتاب وسنت میں ثبوت ہو بلکہ اس کی ترغیب بھی وارد ہو تو پھر کیسے اس کو بدعت کہہ سکتے ہیں اگر کوئی شخص مجتہد ہونے کا مدعی ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے عمل اور فتوی میں وہ راستہ اختیار کرے جو اس کی نظر میں حق ہو اور جس کا وہ فیما بینہ وبین اللہ جواب دہ ہو لیکن اس کو پوری امت تو

کیا کسی دوسرے کے اجتہادی موقف کے قائل پر ملامت کرنے سے احتیاط لازم ہے۔

اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے حضرت، استاذ الاساتذہ علامہ رضاء الحق صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث دار العلوم زکریا و مفتی اعظم جنوبی افریقہ سابق استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو کہ جن کی فقہی بصیرت، علمی تبحر اور جملہ اسلامی عقلی و نقلی متداول علوم میں مہارت مسلم ہے۔ انھوں نے زیر نظر کتاب میں مذکورہ بالا مسئلہ کی تنقیح فرمادی ہے اور کتاب وسنت اور علمائے سلف کے تعامل کی روشنی میں ذکر سری وانفرادی کی طرح ذکر جہری واجتماعی کے جواز بلکہ استحباب کو مدلل ومبرہن فرمادیا ہے اور جو حضرات اس کے بدعت ہونے کے قائل تھے ان کے دلائل کا علمی جائزہ لے کر ایسا معقول، ٹھوس اور تسلی بخش جواب مرحمت فرمایا کہ کسی طالب صادق اور متلاشیِ حق کو تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہیں رہ گیا ہے خاص کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف جو قول منسوب ہے اس کا جائزہ لائق دید اور قابل داد ہے۔ فجزاہ اللہ تعالی خیراً۔

برادرم مفتی محمد الیاس شیخ سلمہ اللہ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے انتہائی محنت، جانفشانی اور اخلاص کے ساتھ حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کے افادات وفرمودات کو مرتب کیا اور مزید تشریح وتعلیق کا کام کر کے ان کی افادیت میں اضافہ کیا، اسی طرح دارالافتاء کے طلبہ بھی قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے مفتی الیاس صاحب کے سپرد کی گئی ذمے داری میں ان کا پورے طور پر ہاتھ بٹایا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا سایہ تادیر سلامت رکھے اور ان کے علوم وفیوض سے مستفید ہونے کے بیش از بیش مواقع عنایت فرمائے، اور جملہ معاونین کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

ذکر جہری و اجتماعی پر تعارف و تبصرے

ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی کا تبصرہ:

زیرِ نظر کتاب میں ذکر اجتماعی اور جہری کو شرعی دلائل کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے اور اس موضوع سے متعلق فقہی عبارتیں، اکابر علمائے دیوبند کے فتاویٰ اور دیگر تحریریں بھی جمع کی گئی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ذکر کی دونوں صورتیں (سری اور جہری) جائز اور احادیث سے ثابت ہیں، البتہ احوال و اشخاص کے اعتبار سے ان کی فضیلت میں فرق ہو جاتا ہے کہ بعض احوال و اشخاص کے لیے ذکر جہری اور بعض کے لیے ذکر سری زیادہ مفید ہوتا ہے، پھر فوائد و اثرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے تصوف کے سلاسل اربعہ نے اپنے مزاج و مذاق کے مطابق ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہے، چنانچہ چشتی حضرات کے ہاں ذکر جہری اور نقشبندی حضرات کے ہاں ذکر سری افضل ہے اور اسی کو انہوں نے اقرب الی السنہ قرار دیا ہے۔ صاحبِ کتاب چوں کہ چشتی سلسلہ کے بزرگ ہیں، اس لیے انہوں نے زیرِ نظر کتاب میں دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ ذکر جہری کے جواز میں اختلاف نہیں بلکہ بعض صورتوں میں علماء نے اسے اولیٰ قرار دیا ہے۔ (ماہنامہ ''الفاروق''، کراچی، جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ موافق: مئی ۲۰۱۱ء)۔

ماہنامہ ''بینات'' کا تبصرہ:

اس زیرِ تبصرہ کتاب میں چند اہم عنوانات یہ ہیں:

۱......انبیاء علیہم السلام اور ذکر اجتماعی اور جہری۔۲: ذکر جہری کا ثبوت قرآن واحادیث کی روشنی میں۔۳: مساجد میں ذکر جہری فقہائے کرام کی عبارات کی روشنی میں۔۴ ذکر جہری کی ایک جھلک اکابرین کی خانقاہوں میں۔۵: ذکر جہری پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

ان چند اہم عنوانات کے تحت سارا علمی مواد اس کتاب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ کتاب ہر اعتبار سے قابل قدر اور بہت ہی اہم مضامین پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ ذکر سے شغل وشغف رکھنے والے باتوفیق احباب اس کتاب کی قدر افزائی فرمائیں گے۔

(ماہنامہ ''بینات'' جامعہ علوم الاسلامیہ کراچی، صفر المظفر ۱۴۳۳ھ)۔

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد:

ذکر جہری کے بارے میں یہ رسالہ بہت سارے احباب کی فرمائش بلکہ اصرار پر لکھا گیا، بعض حضرات اس دینی تنزل اور مادیت کے عروج کے زمانے میں بھی ذکر جہری اور حلقات ذکر کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے دوسری طرف ہمارے اکابر ومشائخ طریقت ذکر کے حلقے اور مجالس کا اہتمام فرماتے رہے خصوصاً حضرت شیخ الحدیث برکتہ العصر مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالی اور ان کے خلفاء اس کا بہت ہی اہتمام فرماتے ہیں بلکہ سلسلہ چشتیہ کے کاروان کے مسافر ذکر کے عموماً اور ذکر جہری کے خصوصاً عاشق زار ہیں۔ ظاہر ہے ہم تو اپنے اکابر کے خزانے کو اپنے سینوں سے لگانے اور ان کی میراث کو اپنے دلوں کے خزانوں میں محفوظ کرنے کے دیوانے ہیں، اس لئے احباب کی فرمائش کے علاوہ خود اپنے دل کی تمنا بھی یہ تھی کہ اس مسئلہ پر کچھ لکھا جائے ذکر کے سلسلہ میں بے شمار رسائل اردو وعربی میں ملتے ہیں لیکن پھر بھی معترضین حضرات کے اعتراضات کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ تحریر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بندہ فقیر چونکہ تدریس وافتاء اور مہمانوں کی آمد ورفت اور دوسرے مشاغل کی وجہ سے بے حد مصروف تھا اس وجہ سے اس مسئلہ کے متعلق اپنے تخصص فی الافتاء کے طلبہ کو اعتراضات کی روشنی میں ہدایات اور کچھ حوالے بتلاتا رہا اور وہ حوالے نکالتے اور مزید

حوالوں کا اضافہ کرتے تھے تا آنکہ اس سلسلہ کا مواد جمع ہوا بعد ازین ان مواد کو مولانا مفتی محمد الیاس شیخ رفیق دارالافتاء دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ نے مرتب فرمایا اور رسالہ کے گلے میں تعلیق و تحقیق کا ہار ڈالا۔

اس میں شک نہیں کہ ذکر بالجہر میں **ایقاظ الغافلین** غافلوں کو بیدار کرنا، **تعلیم السامعین** سننے والوں کو تعلیم دینا، **اظہار الدین** دین کا اظہار، **ایصال البرکۃ الی المستمعین** غور سے سننے والوں کو برکت پہنچانا، **طلب اقتداء الذاھلین** ذکر بھولنے والوں کو ذکر کرنے کی ترغیب دینا وغیرہ فوائد ہیں۔

اس میں بھی شک نہیں کہ ذکر جس کیفیت سے بھی ہو وہ تصوف میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے اور تصوف کے مقاصد میں سے ایک مقصد اعلی ہے۔ شریعت میں ذکر کی اتنی اہمیت ہے کہ حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام پر تین رات دن بات چیت کی پابندی لگائی گئی تھی۔ یا بات چیت نہیں کر سکتے تھے لیکن ذکر اس سے مستثنیٰ تھا۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں: **قال رب اجعل لی آیۃ ، قال آیتک أن لا تکلم الناس ثلاثۃ أیام الا رمزا ، واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی والابکار** .(۱)

ترجمہ: حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار میرے واسطے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے۔ اللہ تعالی نے فرمایا تمھاری نشانی یہی ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کرسکو گے بجز اشارے کے اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کیجئے اور صبح وشام تسبیح کیجئے۔ نیز ذکر کی اتنی اہمیت ہے کہ حالت جہاد میں جب آدمی پر اپنی جان بچانے اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی فکر سوار ہوتی ہے اس وقت کے لئے اللہ تعالی فرماتے ہیں: **اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا** . (۲) جب تم دشمن کا مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالی کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو۔ کثیر نصف سے

---

(۱) سورہ آل عمران ، الآیۃ : ٤١۔

(۲) سورۃ الأنفال ، الآیۃ : ٥٥۔

زیادہ کو کہتے ہیں۔نصف سے زیادہ وقت خرچ کرنے والے مکثرین ہیں۔

راہ تصوف پر چلنے اور اس شاہراہ کو اختیار کرنے کے بہت فوائد ہیں:

(۱) ذکر کی کثرت، کیونکہ جب تک کسی چیز کی پریکٹس اور عادت نہ بنالی جائے اس وقت تک اس کام کا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔اور اس کو بار بار کرنے سے انسان کے لئے وہ کام عادت کی طرح ہو جاتا ہے۔اگر کوئی دوڑنے اور تیرنے اور محنت ومزدوری کا عادی نہ ہوتو یہ کام نہایت مشکل ہیں۔عادت بن جانے کے بعد یہ کام بہت آسان ہو جاتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالی کی محبت ،جس کا ذکر دن رات کیا جائے اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) احسانی کیفیت،اشغال پر پابندی کی برکت سے "**ان تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك**"(۱) کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۴) اتباع سنت،اشغال کا مقصد سنت نبوی کی اتباع کا شوق اور اس کو سینے سے لگانا ہے۔

(۵) آخرت کی رغبت یا فکر آخرت ،اشغال واعمال کی برکت سے آخرت کا تصور ومراقبہ غالب آجاتا ہے۔

(۶) جذبہ دعوت ، جب آدمی اصل مقصد کو پہچان لیتا ہے تو پھر اس امانت کو دوسروں تک پہنچانے کا جذبہ دل میں موجزن ہوتا ہے۔یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف زبانی ذکر کافی نہیں بلکہ پوری شریعت پر عمل کرنا مطلوب ہے۔

اہل تصوف فرماتے ہیں : **ذكر اللسان بالثناء ،وذكر العينين بالبكاء ، وذكر الاذنين بالإصغاء ، وذكر اليدين بالعطاء ، وذكر الرجلين بالمشي للدعوة فى السراء والضراء،وذكر البدن بالوفاء، وذكر البطن**

(۱) متفق عليه .مشكوٰة المصابيح ۱/۱۱۔

بتقليل الغذا ، وذكر القلب كونه بين الخوف والرجاء ، وذكر الروح بالتسليم والرضا بالقضاء .

ترجمہ: زبان کا ذکر اللہ تعالی کی تعریف بیان کرنا ہے۔اور آنکھوں کا ذکر اللہ تعالی کے خوف سے رونا ہےاور کانوں کا ذکر اطاعت کے لئے مائل ہونا ہےاور ہاتھوں کا ذکر بخشش کرنا ہےاور پیروں کا ذکر دعوت وتبلیغ کے لئے چلنا ہے آسانی اور مشقت میں اور بدن کا ذکر وفاداری کرنا ہےاور پیٹ کا ذکر کم کھانا ہےاور دل کا ذکر خوف اورامید کے درمیان رہنا ہےاور روح کا ذکر مان لینا اور قضاءوقدر پر راضی رہنا ہے۔

جب آدمی پورے دین پرعمل کرے گا تو اللہ تعالی کی رضا حاصل کرے گا اللہ تعالی فرماتے ہیں: **يا ايها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كافة ولا تتبعوا خطوات الشيطان** .(۱)

ترجمہ: اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو۔

اللہ تعالی کے ذکر کے فوائد دنیاوآخرت دونوں میں ذاکرین کو ملتے ہیں اور دونوں جہان کی خیرو برکت سے ذاکرین مالا مال ہو جاتے ہیں ۔مفسرین حضرات نے **فاذكروني اذكركم واشكروا لي ولا تكفرون** کے ذیل میں بہت اچھے جملے تحریر فرمائے ہیں،جن کو کچھ اضافوں کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔ **اذكروني بالثناء اذكركم بالعطاء ، اذكروني بالمعذرة اذكركم بالمغفرة ، اذكروني بالسوال اذكركم بالنوال ، اذكروني بالتوبة اذكركم بعفو الحوبة ، اذكروني بالمناجاة اذكركم بالنجاة ، اذكروني بالاخلاص اذكركم بالخلاص ، اذكروني بالاسحار اذكركم بالانوار ، اذكروني بالصلوات اذكركم بالصلات ، اذكروني بالمجاهدة اذكركم بالمشاهدة ،**

(۱) سورۃ البقرۃ ، آیت ۲۰۸۔

اذکرونی فی المسرۃ اذکرکم فی المضرۃ ،اذکرونی بالجَنان اذکرکم بالجِنان ، اذکرونی باللسان اذکرکم بالامتنان والاحسان، اذکرونی فی البکور اذکرکم باعطاء الحور، اذکرونی بالصالحات اذکرکم بثواب الحسنات ، اذکرونی فی المساء اذکرکم بالرضاء .اذکرونی فی الدنیا اذکرکم فی العقبی ، اذکرونی فی دار الغرور اذکرکم فی دار السرور ، اذکرونی فی السحور اذکرکم فی القبور ، اذکرونی فی الابدان اذکرکم وانتم فی الاکفان اورطلبہ کے لئے یہ کہہ سکتے ہیں اذکرونی فی دارالعلوم اذکرکم فی ساعات الفزع والھموم .

ترجمہ: تم مجھے یاد کرو تعریف سے میں تم کو یاد کروں گا بخشش سے،تم مجھے یاد کرو معافی مانگ کر میں تم کو یاد کروں گا معاف کر کے،تم مجھے یاد کرو مانگ کر میں تم کو یاد کروں گا دے کر،تم مجھے یاد کرو توبہ کر کے میں تم کو یاد کروں گا گناہ معاف کر کے،تم مجھے یاد کرو تنہائی اور عاجزی سے میں تم کو یاد کروں گا نجات دے کر،تم مجھے یاد کرو اخلاص سے میں تم کو یاد کروں گا چھٹکارا دے کر،تم مجھے یاد کرو صبح سویرے میں تم کو یاد کروں گا انوار سے،تم مجھے یاد کرو نمازوں میں میں تم کو یاد کروں گا عطیات میں،تم مجھے یاد کرو محنت ومجاہدہ کر کے میں تم کو یاد کروں گا دیدار سے،تم مجھے راحت کے وقت یاد کرو میں تم کو تکلیف کے وقت یاد کروں گا،تم مجھے یاد کرو تاریکی میں میں تم کو یاد کروں گا جنت میں،تم مجھے یاد کرو زبان سے میں تم کو یاد کروں گا منت واحسان سے،تم مجھے یاد کرو سویرے میں تم کو یاد کروں گا حور کے عطیہ سے،تم مجھے یاد کرو نیک اعمال سے میں تم کو یاد کروں گا نیکیوں کے ثواب سے،تم مجھے یاد کرو شام کو میں تم کو یاد کروں گا اپنی رضا سے،تم مجھے یاد کرو دنیا میں مین تمہیں یاد کروں گا آخرت میں تم مجھے یاد کرو دھوکے کے گھر میں میں تمھیں یاد کروں گا خوشی کے گھر میں ،تم مجھے یاد کرو صبح سویرے میں تمہیں یاد کروں گا قبروں میں،تم مجھے یاد کرو جسموں میں میں تمہیں یاد کروں گا جس وقت تم کفنوں میں ہو

لگے ،تم مجھے یاد کرو دار العلوم میں میں تم کو یاد کروں گا گھبراہٹ اور پریشانی کی گھڑیوں میں۔

غرض یہ کہ اطاعت خداوندی کے ساتھ ذکر لسانی وقلبی بہت بڑی نعمت ہے۔
علامہ ابن جوزی نے صفۃ الصفوۃ میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالی کے حالات میں ان کا قول نقل کیا ہے: **والذكر طاعة اللّٰه فمن أطاع اللّٰه فقد ذكره ومن لم يطعه فليس بذاكر وإن أكثر التسبيح وتلاوة القران.** (۱)
سعید بن جبیرؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ذکر الٰہی کے ساتھ اطاعت والی زندگی ضروری ہے ورنہ ذکر چنداں مفید نہیں ہے۔
یہ رسالہ اکابر ومشائخ رحمہم اللہ کے طریقہ ذکر کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کے لئے تحریر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالی اس کو قبول ومقبول بنادے اور بندہ فقیر اور مرتب اور دیگر معاونین کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور اکابرین کے فیوض سے ہمیں مستفیض فرمادے۔ رسالہ کا نام عربی میں " بناء القصر بفوائد الذكر بالجهر" یا " غرس الأشجار لأثمار الجهر بالأذكار" رکھا گیا ہے۔ اور اردو میں آسان نام "ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینے میں"۔

(حضرت مفتی) رضاء الحق عفا اللہ عنہ
خادم التدریس والافتاء بدار العلوم زکریا
لینیشیا، جنوبی افریقہ
۲۶ ر محرم الحرام ۱۴۲۸ھ بمطابق ۱۵ ر فروری ۲۰۰۷ء

---

(۱) صفة الصفوة ۷۸/۳۔

وجہ تالیف

الحمد لله رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلاة و السلام علی من کان نبیاً و آدم بین الماء و الطین و علی آله و أصحابه أجمعین إلی یوم الدین . أما بعد:

عصر حاضر میں مغربی تہذیب کا اثر جس تیزی سے بڑھ رہا ہے اور سرایت کر رہا ہے محتاج بیان نہیں۔ آج مسلمان جس طرح ذلت کی زندگی گزارتے ہیں وہ مغربی تہذیب کی کارفرمائی ہے، ہر جانب فحاشی وعریانی کا سیلاب موجزن ہے، ایمان کی بربادی کا سامان کھلے عام دستیاب ہے، مساجد میں لوگوں کی قلت اور شراب خانوں میں کثرت، کفر وارتداد کی ہوائیں شدت کے ساتھ چل رہی ہیں۔ ان بدترین حالات میں بھی اللہ رب العزت کا احسان وکرم ہے کہ ایسے افراد مہیا فرمائے ہیں کہ جو اللہ سے بچھڑے ہوئے بندوں کو اللہ کی یاد کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور اللہ کی یاد تازہ کراتے ہیں۔ **ارشادربانی** : اذکروا اللہ ذکرا کثیرا (۱) کی تعمیل میں اپنے اوقات صرف کئے ہوئے ہیں، غافل دلوں کو ذکر الہی کی تلقین سے آشنا کراتے ہیں اور مساجد کو ذکر اللہ کی صداؤں سے آباد کرتے ہیں، انہی حضرات کے بارے میں قرآن کریم گواہی دیتا ہے: رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله (۲) یعنی ایسے رجال ہیں کہ تجارت وخرید وفروخت بھی ان کو اللہ تعالی کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔ بڑے ہی خوش نصیب

---

(۱) سورة الاحزاب ، الآية ٤١۔

(۲) سورة النور ،الآية ٣٧۔

ہیں یہ لوگ جو باہر کی دنیا سے بے خبر ہو کر اپنے قلوب کو ذکر اللہ کی لذت بخشے ہوئے ہیں اور سکون واطمینان کی دنیا میں مست ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (۱) یعنی غور سے سنو! اللہ تعالی کی یاد ہی میں دلوں کو سکون وقرار ملتا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس ان لوگوں پر جو اس نازک اور بدترین زمانہ میں بھی مجالس ذکر کا انکار کرتے ہیں اور جن مجالس کی اللہ رب العزت تعریف فرماتے ہیں اور فرشتے جن مجالس پر رحمت اور سکینہ لیکر اترتے ہیں ان مجالس کو بدعت قرار دیتے ہیں، ان پر اعتراضات کی بارش برساتے ہیں، اور اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں علماء نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہے، آسان اور اچھی توجیہ یہ ہے کہ حضرت رضی اللہ عنہ کا انکار عد اور شمار کرنے پر تھا اور یہ ان کا اپنا مسلک تھا کہ شمار کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے، اس توجیہ کی واضح اور بے غبار دلیل مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت ہے۔

حدثنا أبو معاوية ، عن الأعمش ، عن إبراهيم قال: كان عبد الله يكره العدد ويقول: أيمن على الله حسناته؟!. (۲)

---

(۱) سورۃ الرعد ، الآیۃ ۸۔

(۲) رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ: ۵/ ۲۲۰/ ۷۷۴۹،باب من کرہ عقد التسبیح،المجلس العلمی).

وفیہ الخضر بن ابان الھاشمی ضعفہ الحاکم،وتکلم فیہ الدارقطنی، کما فی لسان المیزان ومیزان الاعتدال .

تاہم ان اعتراضات کی وجہ سے عوام وخواص میں ایک خلجان پیدا ہورہا ہے؛ اسی خلجان کو دور کرنے اور دلوں کے اشکالات کی صفائی کے لئے قرآن واحادیث اور فقہاء امت کے اقوال نیز کے فتاوی اور ان کے زریں اقوال کی روشنی میں مجالس ذکر فی المساجد اور ذکر جہری کی اہمیت میں ایک رسالہ ''ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینے میں'' کے نام سے معزز اور قابل احترام دینی بھائیوں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہم سب کے لئے نافع بنائے اور کثرت سے ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دلوں کی قساوت، وحشت اور غفلت کے ازالہ کے لئے ذکر الٰہی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بندۂ عاجز: محمد الیاس بن افضل شیخ عفی عنہ
معین دارالافتاء، دارالعلوم زکریا،
لینیشیا، جنوبی افریقہ

ذکر کے معنی اور تعریف

لغت میں ذکر کے معنی یاد کے ہیں اکثر نصیحت اور کبھی علم کے بھی ہیں۔
(ماخوذ از طریقت وشریعت-حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

ذکر کے معنی لغت میں یاد رکھنا ہے اس کا مقابل نسیان یعنی بھول جانا ہے۔

یاد رکھنا دو طرح پر ہوتا ہے:

ایک ظاہری

ایک حقیقی

ظاہری زبان سے یاد کرنے اور نام لینے کو کہتے ہیں اور حقیقی ادائے حقوق کو کہتے ہیں۔ ذکر لسانی (زبان سے یاد کرنا) ادائے حقوق کے ساتھ ہو تو سبحان اللہ درجہ اکمل ہے۔ غرض کوئی چیز دنیا وآخرت کی نہیں جو ذکر اللہ میں نہ آ گئی ہو، کیونکہ حقوق اللہ کی بہت قسمیں ہیں، جیسے: عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور حقوق الناس وغیرہ اس میں تمام احکامات شریعت آ گئے؛ گویا ذکر اللہ کا اصل مطلب ہے اللہ تعالی سے پورا تعلق پیدا کر لینا ہے اور تعلق کے معنی ہیں لگاؤ اور لگاؤ سے مراد دل کا لگاؤ ہے۔ اور دل کے لگاؤ کے معنی یہی ہیں کہ دل اس کی طرف متوجہ رہے اور دل میں اس درجہ کی یاد رہے جس کو عرف عام میں ''دل میں بس جانا'' کہتے ہیں اور غفلت عن اللہ تمام امراض کی اصل ہے جو کہ ضد ہے اس تعلق مذکور کی جو قلب کی غذا ہے اور غفلت کی ضد ہے یاد۔ تو یاد کو اختیار کرنا چاہیئے اور یاد سے اصل مراد کسی لفظ کو زبان سے رٹنا نہیں ہے، بلکہ ہر کام میں یاد رکھنا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

پس ذکر کی دو قسمیں ہیں: (۱) صورت ذکر، (۲) حقیقت ذکر جو لوگ پورے

احکام شرعیہ بجا نہیں لاتے یا صرف ذکر لسانی یا قلبی کرتے ہیں ان کو صورت ذکر تو حاصل ہے لیکن حقیقت ذکر حاصل نہیں، مگر ذکر ایسا بھی بیکار نہیں بلکہ نافع اور مفید ہے، جس کو کامل اور اعلیٰ درجہ حاصل نہ ہو وہ اسی کو غنیمت سمجھے۔(۱)

لیکن عام طور پر احادیث میں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کے فوائد وثواب مذکور ہیں وہ لسانی ذکر ہے، اگر چہ اس کے ساتھ احکام شریعت کی تابعداری بھی ضروری ہے۔

اقسام ذکر

(۱) زبانی: زبان اور تالو کی حرکت سے ذکر ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جہری

(۲) سری

(۲) نفس (سانس): ہر آنے والی سانس کے ساتھ ذکر ہوتا رہتا ہے۔

(پاس انفاس)

(۳) قلبی: ذکر قلبی زبان اور سانس کی حرکتوں سے بالاتر ہے۔

قلب ذکر میں مشغول ہوتا ہے، جب پختگی اور دوام آجاتا ہے تو خلوت، جلوت، سوتے، جاگتے ہر حال میں قلب محوِ ذکر ہوتا ہے اور ہر وقت ذکر قلبی جاری رہتا ہے۔(۲)

---

(۱) رسالہ ذکر اللہ ص ۶۵-۶۶

(۲) رسالہ ذکر اللہ ص ۶۷

ذکراللہ قرآنی آئینہ میں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا . وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (۱)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

(۲) الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (۲)

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے، خوب سمجھ لو دلوں کو اطمینان تو اللہ کے ذکر سے ہی ہوتا ہے۔

(۳) فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (۳)

ترجمہ: تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرتے رہو میری ناشکری مت کرو۔

(۴) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ . (٤)

ترجمہ: (اللہ کے محبوب بندوں کا ذکر) وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں۔

---

(۱) سورة الاحزاب ، الآية: ٤٢
(۲) سورة الرعد ، الآية : ٢٨
(۳) سورة البقرة ، الآية : ١٥٢
(٤) سورة آل عمران ، الآية : ١٩١

(۵) رِجَالٌ لا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ . (۱)

ترجمہ: (کامل ایمان والوں کی تعریف ہے) وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو نہ خرید اللہ کے ذکر سے غفلت میں ڈال سکتی ہے نہ فروخت۔

(۶) أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ . (۲)

ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی یاد کے لئے جھک جائیں۔

(۷) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلا أَوْلادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ . (۳)

ترجمہ: اے ایمان والوتم کوتمھارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جولوگ ایسا کریں گے وہی خسارہ والے ہیں۔

(۸) وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ . (٤)

ترجمہ: جوشخص رحمٰن کے ذکر سے اندھا (غافل) ہوجائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں پس وہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔

(۹) اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلاَ إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ . (٥)

ترجمہ: منافقوں کا تذکرہ ہے؛ ان پر شیطان کا تسلط ہوگیا پس اس نے ذکر اللہ سے غافل کردیا یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں خوب سمجھ لو یہ بات محقق ہے کہ شیطان کا گروہ خسارہ والا ہے۔

---

(۱) سورة النور، الآية : ٣٧

(۲) سورة الحديد ، الآية : ١٦

(۳) سورة المنافقون ، الآية : ٩

(٤) سورة الزخرف ، الآية : ٢٦

(٥) سورة المجادلة ، الآية : ١٩

(۱۰) وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلاةِ قَامُوا كَسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلا قَلِيلا . (۱)

ترجمہ : (منافقوں کی حالت کا بیان ہے) اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی سستی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو اپنا نمازی ہونا دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالی کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر یوں ہی تھوڑا سا۔

(۱۱) وَلا تَنِيَا فِي ذِكْرِي . (۲)

ترجمہ: (حضرت موسی اور حضرت ہارون علیہما السلام کو ارشاد ہے) اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔

(۱۲) وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالإِبْكَارِ . (۳)

ترجمہ: اور کثرت سے اپنے رب کو یاد کیا کیجئے اور صبح وشام تسبیح کیا کیجئے۔

(۱۳) وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ . (٤)

ترجمہ: اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

(۱۴) فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ . (٥)

ترجمہ: پھر جب جمعہ کی نماز پوری ہو چکے تو تم کو اجازت ہے تم زمین پر چلو پھرو اور خدا تعالی کی روزی تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تا کہ تم فلاح کو پہنچ جاؤ۔

(۱۵) فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا.(٦)

---

(١) سور النساء ، الآية : ١٤٢
(٢) سورة طه ، الآية : ٤٢
(٣) سورة ال عمران ، الآية : ٤١
(٤) سورة العنكبوت ، الآية :٤٥
(٥) سورة الجمعة ، الآية : ١٠
(٦) سورة البقرة ، الآية : ٢٠٠

ترجمہ: پھر جب تم حج کے اعمال پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباءواجداد کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑھ کر ہونا چاہیے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ ذکر اللہ جہرا کرنا چاہیے کیونکہ جاہلیت میں آباءواجداد کا تذکرہ فخریہ اور علانیہ کرتے تھے۔ سراً یا چھپ کر یا دل دل میں نہیں کرتے تھے۔

ان مذکورہ بالا آیات کریمہ سے ذکر اللہ کی اہمیت وفضیلت بخوبی واضح ہو جاتی ہے نیز معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے وہ ہیں جو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھڑے لیٹے، صبح وشام ذکر اللہ میں مشغول رہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ولاپرواہی سخت نقصان وخسارہ کا باعث ہے اس پر سخت وعید آئی ہے۔ اللہ رب العزت ہم تمام کو مجالس ذکر میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے اور غفلت وسستی سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

فضائل ذکر احادیث کی روشنی میں

(۱) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسو ل اللهﷺ: يقول الله تعالى :" أنا عند ظن عبدی بی و أنا معه إذا ذكرنی فإن ذكرنی فی نفسه ذكرته فی نفسی و إن ذكرنی فی ملاء ذكرته فی ملاء خير منهم و إن تقرب إلی شبرا تقربت إليه ذراعا و إن تقرب إلی ذراعا تقربت إليه باعا و إن أتانی يمشی أتيته هرولة ". (۱)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجمع یعنی فرشتوں کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) اس کا تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔

(۲) عن عبد الله بن بسر رضی الله عنه إن رجلا قال: يا رسول الله ان شرائع الإسلام قد كثرت علی فأخبرنی بشئ اتشبث به ، قال:

---

(۱) متفق عليه ، أخرجه أحمد ۲/ ۲۵۱، ۴۱۳، ۴۸۰، ۵۱۷، ۵۳۵، ۵۲۴، والبخاری ۹/ ۱۴۷، ومسلم ۸/ ۶۲، ۶۳، ۶۷، ۹۱، والترمذی ۳/ ۳۶۰، وابن ماجه ص ۳۸۲۲ من طريقين (الأعمش ، زيد بن أسلم) عن ابی صالح به ۔

" لایزال لسانک رطبا من ذکر الله " (۱)

ترجمہ: ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ احکام تو شریعت کے بہت سے ہیں ہی مجھے ایک ایسی کوئی چیز بتا دیجئے جس کو میں اپنا دستور اور اپنا مشغلہ بنالوں، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے تو ہر وقت رطب اللسان رہے۔

(۳) عن أبی الدرداء رضی الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : "ألا أنبئکم بخیر أعمالکم وأزکاها عند ملیککم وأرفعها فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذهب والورق وخیر لکم من أن تلقوا عدوکم فتضربوا أعناقهم ویضربوا أعناقکم قالوا : بلی، قال : ذکر الله " (۲)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں! جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمھارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمھارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی ہے اور سونے چاندی

---

(۱) صحیح ، أخرجه ابن أبی شیبة ۱۰/۳۰۱، ۱۳/۴۵۷، وأحمد ۴/۱۸۸-۱۹۰، وابن المبارك فی الزهد ص۹۳۵، وعبد الله بن حمید ص۵۰۹، والترمذی ۲۳۲۹، ۳۷۹۳، ۳۷۹۳، وابن ماجة ۳۷۹۳ وابن أبی عاصم فی الآحاد والمثانی ۱۳۵۶، وابن حبان ۸۱۴، والطبرانی فی الأوسط، وأبو نعیم فی الحلیة ۶/۱۱۱-۱۱۲، والبغوی فی شرح السنة ۱۲۴۵ ، والحاكم ۱/۴۹۵، والبهقی ۳/۳۷۱، وفی الشعب ۵۱۵، من طرق عن عمرو بن قیس به مطولا ومختصراً ۔

(۲) صحیح أخرجه أحمد ۵/۱۹۵، والترمذی ۳۳۷۷، وابن ماجة ۳۷۹۰، والحاكم ۱۸۶۸، والبیهقی فی الشعب ص۵۱۹ ، وابن عبد البر فی التمهید ۶/۵۸، والبغوی فی شرح السنة ۱۲۴۴ من طرق : عن عبد الله بن سعید ، عن زیاد بن أبی زیاد، مولا بن عیاش عن أبی بحریة به وأبو بحریة اسمه عبد الله بن قیس هو ثقة ، لكن اختلف فی رفعه ووقفه ، وأخرجه موقوفا مالك فی الموطأ ۱/۲۲۱ عن زیاد بن أبی زیاد أنه قال: قال أبو الدرداء...فیه انقطاع بین زیاد بن أبی زیاد وبین أبی الدرداء ، وأخرجه موقوفا ابن أبی شیبة ج۱۳/۳۰۸، وأبو نعیم فی الحلیة ۱/۲۱۹، وابن حجر فی نتائج الأفكار ۱/۹۶، من طریق عبد الحمید بن جعفر عن صالح بن أبی عریب عن كثیر بن مرة سمعت أبا الداء وإسناده حسن ۔

کواللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر ہے اور جہاد میں تم دشمنوں کوقتل کرو وہ تم کوقتل کریں اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتادیں۔ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا اللہ کا ذکر ہے۔

(۴) عن أبی سعید الخدری رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: " لیذکرن الله أقوام فی الدنیا علی الفرش الممهدة یدخلهم اللّٰه فی الدرجات العلی". (۱)

ترجمہ: حضورا کرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دنیا میں نرم نرم بستروں پر اللہ تعالی کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے حق تعالی شانہ جنت کے اعلی درجوں میں ان کو پہنچا دیتا ہے۔

(۵) عن أبی موسی رضی اللّٰه عنه قال: قال النبی ﷺ: " مثل الذی یذکر ربه والذی لا یذکر ربه مثل الحی والمیت". (۲)

ترجمہ: حضورا کرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جوشخص اللہ کا ذکر کرتا ہے او جونہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔

(٦) عن أبی موسی رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ:

---

(۱) ضعیف، أخرجه ابن حبان ۲/۱۲٤، برقم ۳۹٦، وأبو یعلی ۲/۳۵۹ برقم ۱۱۱۰ من طریقین عن دراج أبی السمح المصری عن أبی الهیثم به، وقال الهیثمی فی المجمع ۱۰/۷۸: رواه أبو یعلی وإسناده حسن، قلت: فیه دراج وهو ضعیف فی روایته عن أبی الهیثم، قال الذهبی فی المیزان ۲/۲٤: قال أحمد أحادیثه مناکیر ولینه، وقال مرة: متروك، وقال عثمان بن سعید عن یحیی ثقة، وقد ساق ابن عدی له أحادیث، وقال عامتها لا یتابع علیها ۔

(۲) متفق علیه، أخرجه البخاری ۸/۱۰۸، ومسلم ۲/۱۸۸، من طریقتین (محمد بن العلاء، عبد الله ابن براد) عن أبی أسامة عن برید بن عبد الله عن أبی بردة به ۔

"لو أن رجلا فی حجره دراهم یقسمها وآخر یذکر الله لکان الذاکر لله أفضل". (۱)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس بہت سے روپے ہوں اور وہ ان کو تقسیم کررہا ہو اور دوسرا شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو ذکر کرنے والا افضل ہے۔

(۷) عن معاذ بن جبل رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "لیس یتحسر أهل الجنة إلا علی ساعة مرت بهم لم یذکروا الله تعالی فیها". (۲)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قلق وافسوس نہیں ہوگا بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گذرگئی ہو۔

(۸) عن أبی هریرة وأبی سعید رضی الله عنهما أنهما شهدا علی رسول الله ﷺ أنه قال: "لا یقعد قوم یذکرون الله إلا حفتهم

(۱) ضعیف، أخرجه الطبرانی فی الأوسط ۷/۳۱۸ برقم ۴۵۱۹،(مجمع البحرین)، قال: حدثنا محمد ابن علی الأحمر الناقد، ثنا عمر بن موسی الحادی، ثنا أبو هلال، ثنا جابر الوازع، عن أبی بردة به، وقال الطبرانی: لا یروی عن أبی موسی إلا بهذا الإسناد تفرد به عمر وقال الهیثمی فی مجمع الزوائد ۱۰/۷۴ رجاله وثقوه انتهی، قلت: فی إسناده عمر بن موسی قال الذهبی فی المیزان ۳/۲۰۲ برقم ۶۱۳۰ قال ابن عدی: ضعیف یسرق الحدیث ویخالف فی الأسانید۔

(۲) صحیح بالشواهد، أخرجه الطبرانی فی الکبیر ۲۰/۱۸۲، وابن السنی فی عمل الیوم واللیلة برقم ۳، والبیهقی فی شعب الایمان ۱/۳۹۲ برقم ۵۱۲ من طریقتین عن سلیمان بن عبد الرحمن، حدثنا یزید بن یحیی القرشی، حدثنا ثور بن یزید، حدثنا خالد بن معداد، عن جبیر بن نفیر به۔

الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وذكرهم الله فيمن عنده ". (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعیدؓ دونوں حضرات اس کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ارشاد فرماتے تھے کہ جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو فرشتے اس جماعت کو سب طرف سے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں (تفاخر کے طور پر) فرماتے ہیں۔

(۹) عن معاوية رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ خرج على حلقة من أصحابه فقال: ما أجلسكم؟ قالوا : جلسنا نذكر الله ونحمده على ما هدانا للإسلام ومن به علينا، قال : آلله ما أجلسكم إلا ذلك؟ قالوا: آلله ما أجلسنا إلا ذلك قال : أما إني لم أستحلفكم تهمة لكم ولكن أتاني جبرئيل فأخبرني أن الله يباهي بكم الملائكة ". (۲)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کس بات نے تم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس بات پر اس کی حمد وثنا کر رہے ہیں کہ اس نے ہم لوگوں کو اسلام کی دولت سے نوازا اللہ کا بڑا ہی احسان ہم پر ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم اسی وجہ سے بیٹھے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا اسی وجہ سے بیٹھے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کسی بدگمانی کی وجہ سے میں نے تم لوگوں کو قسم نہیں دی بلکہ

---

(۱) صحيح، أخرجه أحمد ۳/۳۳، ۴۹، ۹۲، ۹۴، وعبد بن حميد ۸۶۱، ومسلم ۸/۷۲، والترمذى ۳۳۷۸، ۳۳۸۰، وابن ماجه ۳۷۹۱ من طرق عن أبى اسحاق عن الأغر أبى مسلم به۔

(۲) صحيح، أخرجه احمد ۴/۹۲، ومسلم ۸/۷۲، والترمذى ۳۳۷۹ من طرق عن مرحوم بن عبد العزيز عن أبى نعامة السعدى عن أبى عثمان النهدى عن أبى سعيد الخدرى به۔

جبرئیل ابھی میرے پاس آئے تھے اور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ جل شانہ تم لوگوں کی وجہ سے ملائکہ پر فخر فرمارہے ہیں۔

(۱۰) عن أنس رضی الله عنه عن رسول اللهﷺ قال: ”ما من قوم اجتمعوا یذکرون الله لا یریدون بذلک إلا وجهه إلا ناداهم مناد من السماء أن قوموا مغفورا لکم قد بدلت سیئاتکم حسنات“. (١)

ترجمہ: حضوراقدسﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بھی لوگ اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمھاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

(۱۱) عن معاذ بن جبل رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ”ما عمل آدمی عملا أنجی له من عذاب القبر من ذکر الله“.(٢)

---

(١) صحیح بالشواهد، أخرجه أحمد ١٤٢/٣، قال حدثنا محمد بن بکر قال أخبرنا میمون المرئی قال حدثنا میمون بن سیاه ومیمون المرئی هو ابن موسی ویقال ابن عبد الرحمن أبوموسی البصری صدوق مدلس روی له الترمذی وابن ماجه ومیمون بن سیاه أبو بحر صدوق عابد یخطئ روی له البخاری والنسائی قاله الحافظ فی التقریب، وأخرجه أبویعلی ٤١٤١، والبزار ٣٠٦١ (کشف الاستار)، والطبرانی فی الأوسط ١٥٧٩، وابن عدی فی الکامل ٢٤٠٩ من طریق میمون بن عجلان عن میمون بن سیاه به، ومیمون ابن عجلان ترجمه البخاری فی الکبیر ٢٤٣/٧ ولم یورد فیه لاجرحا ولاتعدیلا وروی عنه أکثر من واحد ووثقه ابن حبان والهیثمی فی مجمع الزوائد ١٧٣/٨ وقال الهیثمی فی مجمع الزوائد ٧٦/١٠: رواه أحمد وأبو یعلی والبزار والطبرانی فی الأوسط وفیه میمون المرئی وثقه جماعة وفیه ضعف وبقیة رجال أحمد رجال الصحیح۔ ویشهد له حدیث أبی هریرة عند مسلم ٢٦٩٩، وأخرجه البزار ٣٠٦٢ من طریق زائدة بن أبی الرقاد عن زیاد بن النمیری عن أنس بلفظ آخر۔

(٢) حسن بالمتابعة والشواهد، أخرجه أحمد ٢٣٩/٥، قال حدثنا حجین بن مثنی قال حدثنا عبد العزیز یعنی ابن أبی سلمة عن زیاد به وإسناده منقطع فإن زیاد بن أبی زیاد ثقة روی له مسلم والترمذی وابن ماجه لم یسمع من معاذ، وأخرجه ابن أبی شیبة ٣٠٠/١٠، =

ترجمہ: حضوراقدس ﷺ کا ارشاد ہے اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں۔

(۱۲) عن أبی الدرداء رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "لیبعثن الله أقواما یوم القیامة فی وجوههم النور علی منابر اللؤ لؤ یغبطهم الناس لیسوا بأنبیاء ولا شهداء، فقال أعرابی: حلهم لنا نعرفهم قال: هم المتحابون فی الله من قبائل شتی وبلاد شتی یجتمعون علی ذکر الله یذکرونه". (۱)

ترجمہ: حضوراقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعض قوموں کا حشر اس طرح فرمائیں گے کہ ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوگا وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے وہ انبیاء اور شہداء نہیں ہونگے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کا حال بیان کردیجئے کہ ہم ان کو پہچان لیں۔ حضوراقدس ﷺ نے

== ۱۳/٤٥٥، والطبرانی فی الدعاء ١٨٥٦، وابن عبد البر فی التمهید ٦/٥٧، من طریق یحیی ابن سعید الأنصاری عن أبی الزبیر عن طاؤس عن معاذ قال: قال رسول الله ﷺ: ما عمل ابن آدم من عمل أنجی له من عذاب الله من ذکر الله، قالوا: یا رسول الله ولا الجهاد فی سبیل الله؟ قال ولا الجهاد فی سبیل الله إلا أن تضرب بسیفك حتی ینقطع ثم تضرب بسیفك حتی ینقطع ثم تضرب بسیفك حتی ینقطع۔ واقتصر الطبرانی علی أوله وطاؤس لم یسمع من معاذ ۔ ورواه الحاکم ١/٤٩٦ وعنه البیهقی فی الدعوات ٢٠، ومالك فی الموطأ ١/٢١١ عن زیاد عن معاذ موقوفا وفیه أیضا انقطاع وهذا مع کونه موقوفا فیه انقطاع بین زیاد بن أبی الزیاد وبین أبی الدرداء، وأخرجه موقوفا الحسین المروزی فی زیاداته علی زهد ابن المبارك ١٢٢٩ من طریق سفیان عن لیث بن أبی سلیم عن أبی الدرداء، وأخرجه موقوفا ابن أبی شیبة ١٣/٣٠٨، وأبو نعیم فی الحلیة ١/١٢٩، وابن حجر فی نتائج الأفکار ١/٩٦، من طریق عبد الحمید بن جعفر عن صالح بن أبی عریب عن کثیر بن مرة سمعت أبا الدرداء وسنده حسن ۔

(١) أخرجه الهیثمی فی مجمع الزوائد ١٠/٧٧ وقال: رواه الطبرانی واسناده حسن، والمنذری فی الترغیب برقم ٢٣٢٧ و٤٥٨٣۔

ارشاد فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی محبت میں مختلف جگہوں سے مختلف خاندانوں سے آ کر ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔

(۱۳) عن أنس رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال:" إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قال وما رياض الجنة ؟ قال: حلق الذكر" (۱)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت کے باغوں پر گذرو تو خوب چرو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔

(۱۴) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: "من عجز منكم عن الليل أن يكابده وبخل بالمال أن ينفقه وجبن عن العدو أن يجاهده فليكثر ذكر الله". (۲)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جو تم میں سے عاجز ہو راتوں کو محنت

---

(۱) حسن بالشواهد ، أخرجه آحمد ۳/ ۱۵۰، والترمذی ۳۵۱۰ من طريقين قالا حدثنا عبد الصمد قال حدثنا محمد بن ثابت البنانی قال حدثنی أبی به۔ ومحمد بن ثابت قال الذهبی فی الكاشف ٤٧٥٣: قال البخاری فيه نظر وقال الحافظ فی التقريب ٥٧٦٧: ضعيف ، وأخرجه أبو يعلی ٣٤٣٢، وابن عدی فی الكامل ٦/ ٢١٤٧، والبيهقی فی شعب الإيمان ٥٢٩ من طريق أبی عبيدة الحداد عن محمد بن ثابت به۔ وقال الترمذی حديث حسن غريب من هذا الوجه من حديث ثابت عن أنس وزائدة وزياد ضعيفان ۔ وفی الباب عن أبی هريرة أخرجه الترمذی ٣٥٠٩ وفيه حميد المكی وهو مجهول ۔ وعن جابر عند أبی يعلی ١٨٦٥و ٢١٣٧ والحاكم ١/ ٤٩٤و ٤٩٥، والبيهقی فی شعب الإيمان ٥٢٨ وصححه الحاكم وتعقبه الذهبی بقوله عمر مولی غفرة ضعيف ۔ وعن عبد الله بن عمرو عند الخطيب فی الفقيه والمتفقه ١/ ١٣، وإسناده ضعيف ، وعن ابن مسعود عند الخطيب ١/ ١٣، وإسناده منقطع۔

(٢) ضعيف ، أخرجه الطبرانی ١١/ ٨٤ برقم ١١٢١، والبزار ١/ ٢٨٩، (كشف) والبيهقی فی شعب الإيمان ١/ ٢٩١ برقم ٥٠٨ من طريق ابی يحيیٰ القتات عن مجاهد به ، وقال الهيثمی فی مجمع الزوائد ١٠/ ٢٨٩: رواه الطبرانی والبزار وفيه ابو يحيیٰ القتات وقد وثق وضعفه الجمهور وبقية رجال البزار رجال الصحيح ۔

کرنے سے اور بخل کی وجہ سے مال بھی نہ خرچ کیا جاتا ہو یعنی نفلی صدقات اور بزدلی کی وجہ سے جہاد میں بھی شرکت نہ کرسکتا ہو اس کو چاہیے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرے۔

(۱۵) عن أبی سعید الخدری أن رسول الله ﷺ قال:" أکثروا ذکر الله حتی یقولوا مجنون". (۱)

ترجمہ: حضوراقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔

(۱۶) عن أبی هریرةؓ قال : سمعت رسول الله ﷺ یقول: " سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لا ظل إلا ظله إمام عادل وشاب نشأ فی عبادة الله ورجل قلبه معلق بالمساجد ورجلان تحابا فی الله اجتمعا علی ذلک وتفرقا علیه ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال فقال إنی أخاف الله ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه ورجل ذکر الله خالیا ففاضت عیناه ". (۲)

---

(۱) ضعیف ، أخرجه أحمد ۳/۶۸، وابن حبان ۸۱۷، وابن السنی فی عمل الیوم واللیلة ٤ ، والحاکم ۱/٤۹۹، والبیهقی فی الشعب ۵۲٦، وابن عدی۳/۹۸۰، من طرق عن ابن وهب عن عمرو بن الحارث عن دراج أبی السمح عن أبی الهیثم به۔ وصححه الحاکم وقد سقط الحدیث من تلخیص الذهبی المطبوع والمرجح انه لا یوافقه علی التصحیح فانه یتعقبه فی غیر حدیث من الأحادیث التی یرویها بهذا الاسناد فیقول عن دراج : أنه کثیر المناکیر وقد ساق له فی میزان الاعتدال أحادیث منکرة وعد هذا منها وذکره الهیثمی فی مجمع الزوائد ۱۰/۷٦،۷۵ وقال : رواه أحمد أبو یعلی وفیه دراج وقد ضعفه جماعة وبقیة رجال أحد أسنادی أحمد ثقات وأخرجه أحمد ۳/۷۱، وأبو یعلی ۱۳۷٦، وعبد بن حمید ۹۲۵ من طریق الحسن بن موسی عن ابن لهیعة عن دراج به۔

(۲) متفق علیه ، أخرجه أحمد ۲/٤۳۹، والبخاری ۱/۱٦۸، ۲/۱۳۸، ۸/۱۲۵، ومسلم ۳/۹۳، والترمذی ۱/۲۳۹، والنسائی ۸/۲۲۲ من طریقین (یحیی بن سعید القطان ، عبد الله بن مبارك) عن عبد الله بن عمر عن خبیب بن عبد الرحمن الانصاری عن حفص بن عاصم به ۔

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ سات آدمی ہیں جن کو اللہ جل شانہ اپنی رحمت کے سایہ میں اس دن جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا ایک عادل بادشاہ، دوسرے وہ جوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت کرتا ہو، تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو، چوتھے وہ دو شخص جن میں اللہ ہی کے واسطے محبت ہو اسی پر ان کا اجتماع ہو اور اسی پر جدائی ہو، پانچویں وہ شخص جس کو کوئی حسب نسب والی حسین عورت اپنی طرف متوجہ کرے اور وہ کہہ دے کہ مجھے اللہ کا ڈر مانع ہے، چھٹے وہ شخص جو ایسے مخفی طریق سے صدقہ کرے کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو، ساتویں وہ شخص جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور آنسو بہنے لگیں۔

(۱۷) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "ينادی مناد يوم القيامة أين أولوا الألباب، قالوا: أی أولی الألباب تريد قال: الذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلى جنوبهم ويتفكرون فی خلق السماوات والأرض ربنا ما خلت هذا باطلا سبحٰنک فقنا عذاب النار، عقد لهم لواء فأتبع القوم لوائهم وقال لهم ادخلوها خٰلدين". (۱)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی ندا دے گا کہ عقلمند لوگ کہاں ہیں لوگ پوچھیں گے کہ عقلمندوں سے کون مراد ہیں جواب ملے گا وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے تھے کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے یعنی ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یا اللہ آپ نے یہ سب بے فائدہ پیدا کیا ہی نہیں ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں آپ ہم کو جہنم کے عذاب سے بچالیجئے اس کے بعد ان لوگوں کے لئے ایک جھنڈا بنایا جائے گا

---

(۱) لم أقف على بعض رجاله، أخرجه الأصبهانی فی الترغيب والترهيب ۱/۲۸۷، برقم ٦٤٠، قال أخبرنا أبو الحسن سبط أبی بكر بن ابی علی أنبا أبو بكر بن مردويه ثنا أمية بن محمد الباهلی ثنا محمد بن يحيىٰ الأزدی ثنا أبو إلياس عن أبيه عن وهب بن منبه۔

جس کے پیچھے یہ سب جائیں گے اوران سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہوجاؤ۔

(۱۸) عن عبد الرحمن بن سهل بن حنيف رضى الله عنه قال : "نزلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو فى بعض أبياته واصبر نفسک مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشى فخرج يلتمسهم فوجد قوما يذكرون الله منهم ثائر الرأس وجاف الجلد وذو الثوب الواحد فلما رآهم جلس معهم وقال الحمد لله الذى جعل فى أمتى من أمرنى أن أصبر نفسى معهم " (۱)

ترجمہ: حضوراقدس ﷺ دولت کدہ میں تھے کہ آیت **واصبر نفسک** نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے پاس پابند کیجئے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں حضوراقدس ﷺ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان لوگوں کی تلاش میں نکلے ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہے بعض لوگ ان میں بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں اور خشک کھالوں والے اور صرف ایک کپڑے والے ہیں جب حضور اقدس ﷺ نے ان کو دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا

(۱) اسناده معلول ، أخرجه الطبرى فى التفسير ۹/۲۹۳، قال حدثنا الربيع بن سليمان قال حدثنا ابن وهب قال أخبرنى أسامة بن زيد عن ابى حازم به ، قلت أسامة بن زيد هو الليثى قال الحاكم روى مسلم نسخة لابن وهب عن أسامة أكثرها شواهد أو يقرنه بآخر قال النسائى وغيره ليس بالقوى قاله الذهبى فى الكاشف ص۲۶۳، وقال الحافظ ص۳۱۷ صدوق يهم انتهى ، وعبد الرحمن بن سهل بن حنيف روى عنه ابنه عبد الله ويقال عبد الرحمن بن سهل بن حنيف ، قال الحافظ فى التعجيل ۵۵۲، عبد الله بن حنيف الأنصارى عن أبيه وعنه عبد الله بن محمد بن عقيل ليس بالمشهور ۔ قلت صحح حديثه الحاكم ولم أره فى ثقات ابن حبان وهو على شرطه انتهى وقال فى التجريد ۱/۳۱۶: أدرك المصطفى ﷺ انتهى قال ابن منده : ولد فى عهد النبى ﷺ وقال ابن الاثير : الصحيح إن عبد الله روى عن أبيه حكاه الحافظ فى الإصابة ۳/۵۰۲۔

تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ خود مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم دیا گیا۔

(۱۹) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ فيما يذكر عن ربه عز وجل: " ابن آدم اذكرنی بعد الفجر وبعد العصر ساعة أكفك فيما بينهما". (۱)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ اللہ جل جلالہ کا پاک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اے آدم کے بیٹے تو صبح کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر مجھے یاد کرلیا کر میں درمیانی حصہ میں تیری کفایت کروں گا۔

(۲۰) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: " الدنيا ملعونة وملعون ما فيها إلا ذكر الله وما والاه وعالما ومتعلما " (۲)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب معلون ہے مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیز جو اس کے قریب ہو اور عالم اور طالب علم۔

---

(۱) أخرجه أبو نعيم فی الحلية الأولياء ۲۱۳/۸، وقال غريب من حديث الحسن عن أبی هريرة لم يروه عنه الا جبير وحديث ابن اسماك لم يروه عنه الا ابن صندل وذكره السيوطی فی الدر المنثور ۶۲۰/۶، وقال أخرج أحمد عن أبی هريرة، والمناوی فی الاتحافات السنية بالأحاديث القدسية ۱۲/۱، وقال رواه مسلم فی الزهد وأبو نعيم عن أبی هريرة.

(۲) حسن بالمتابعة، أخرجه الترمذی ۲۳۲۲، وابن ماجة ۴۱۱۲، وابن ابی عاصم فی الزهد ص۵۷ برقم ۱۲۶ وابن عبد البر فی جامع بيان العلم ۲۸،۲۷/۱، والبيهقی ۱۷۰۸، والبغوی فی شرح السنة ۲۲۹/۱۴، و۲۳۰، والعقيلی فی الضعفاء ۳۲۶/۲، وابن الجوزی فی العلل ۱۳۳۰ من طرق عن عطاء بن قرة عن عبد الله بن ضمرة به، وقال الترمذی: حديث حسن غريب، وقال ابن الجوزی: تفرد به خالد بن يزيد، وقال ابن عدی: لا يتابع علی حديثه، وقال العقيلی: عبد الرحمن ضعيف۔ قلت: له متابعات فالحديث بمجموع الطرق يكون حسناً و قدوقع لفظ ابيه بعد عبد الرحمن بن ثوبان وهو خطأ۔ ويشهد له حديث ابن مسعود أخرجه لبزار

ذکر اجتماعی کا حکم احادیث کی روشنی میں

حدیث شریف میں ہے:

(۲۱) عن الاغر قال: أشهد على أبى هريرة وأبى سعيد انهما شهدا على رسول الله ﷺ أنه قال: لا يقعد قوم يذكرون الله الا حفتهم الملائكة، وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وذكرهم الله فيمن عنده" (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید دونوں حضرات اس کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ارشاد فرماتے ہوئے کہ جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو فرشتے اس جماعت کو سب طرف سے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں فخر کے طور پر فرماتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے مجالس ذکر کی فضیلت معلوم ہوئی نیز ذکر اجتماعی کا اثبات ہوتا ہے اور غالبا لوگوں کا مجلس میں بیٹھ کر ذکر کرنا جہرا ہوگا ورنہ ذکر سری کا بظاہر مجلس سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا اس سے ذکر جہری کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

---

(۱) صحيح. أخرجه مسلم ۲/۳۴۵، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وذكر الله، والترمذى ۲/۱۷۵، باب ماجاء فى القوم يجلسون ويذكرون الله مالهم من الفضل، وقال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح ـ والبغوى فى شرح السنة ۵/۱۰، وقال هذا حديث صحيح وابن ماجة فى كتاب الأدب (باب فضل الذكر ص۲۶۸، وأبو يعلى فى مسنده ۵/۴۲۷، ۴۲۸، والبيهقى فى شعب الإيمان ۲/۴۲۶، فضل فى ادامة ذكر الله عزوجل۔ وعلى هامشه إسناده: رجاله ثقات۔

(۲۲)عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: " ان للہ تبارک وتعالی ملئکۃ سیارۃ فضلا یبتغون مجالس الذکر فاذا وجدوا مجلسا فیہ ذکر قعدوا معھم وحف بعضھم بعضا باجنحتھم حتی یملئوا ما بینھم وبین السماء الدنیا فاذا تفرقوا عرجوا وصعدوا الی السماء قال فیسألھم اللہ عزوجل وھو اعلم بھم من این جئتم فیقولون جئنا من عند عبادلک فی الأرض یسبحونک ویکبرونک ویھللونک ویحمدونک". الی آخر الحدیث (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ فرشتوں کی جماعت ذکر کی ایک بہترین مجلس اور ذکر کرنے والی جماعتوں اورافراد کی تلاش میں رہتی ہے اور جہاں مل جاتی ہے ان کے پاس بیٹھتی ہے اور ان کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتی ہے اور آسمان تک فرشتے جمع ہوتے رہتے ہیں جب مجلس ختم ہو جاتی ہے تو آسمان پر جاتے ہیں اللہ جل شانہ سب کچھ جاننے کے باوجود دریافت فرماتے ہیں تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ تیرے بندوں کی فلاں جماعت کے پاس سے آئے ہیں جو تیری پاکی بیان کرتے تھے اور بڑائی بیان کرتے تھے اور لا الہ الا اللہ کے ذکر میں مشغول تھے اور تیری تعریف میں مست تھے۔

فائدہ: اس حدیث سے مجالس ذکر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور ذکر اجتماعی ثابت ہوتا ہے اور اس حدیث سے ضمناً ذکر جہری کا اثبات بھی ہوتا ہے۔

(۲۳) عن معاویۃ ان النبی ﷺ خرج علی حلقۃ من اصحابہ فقال: ما أجلسکم ؟ قالوا: جلسنا نذکر اللہ ونحمدہ فقال: انہ اتانی

---

(۱) متفق علیہ . رواہ البخاری ۲/۹٤۸، باب فضل ذکر اللہ تعالی۔ والبیھقی فی شعب الإیمان ۲/٤۲۷، فصل فی ادامۃ ذکر اللہ عزوجل۔ ومسلم ۲/۳٤٤، باب فضل مجالس الذکر۔ الترغیب والترھیب ۲/٤۰۲ فی حضور مجالس الذکر والترمذی ۲/۲۰۰۔ واحمد فی مسندہ ۲/۲۵۔

جبریل فاخبرنی ان الله یباهی بکم الملائکة". مختصرا. (۱)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کی جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کس بات نے تم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے؟ عرض کیا ہم اس مجلس میں بیٹھ کر اللہ جل شانہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی حمد وثنا کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جبرئیل امین میرے پاس ابھی آئے تھے اور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ جل شانہ تم لوگوں کی وجہ سے ملائکہ پر فخر فرمارہے ہیں۔

(۲۴) عن أنس رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: " اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا، قالوا: یا رسول الله وما ریاض الجنة؟ قال: حلق الذکر" (۲) **وفی روایة " قال: مجالس الذکر فاغدوا وروحوا فی ذکر الله".** (۳)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت کے باغوں پر گزرو تو خوب چرو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ ذکر کے حلقے، دسری روایت میں ہے: ذکر کی مجالس پس صبح وشام اللہ تعالی کا ذکر کرو۔

فائدہ: سبحان اللہ اس حدیث شریف میں مجالس ذکر کو ریاض الجنۃ (جنت کے

---

(۱) صحیح. أخرجه مسلم ۲/۳٤٦، والترمذی ۲/۱۷٥، والنسائی ۲/۳۱۰، وأحمد فی مسنده ٤/۹۲، والبیهقی فی شعب الایمان ۲/٤۳۰، فصل فی ادامة ذکر الله عزوجل ـ والمنذری فی الترغیب والترهیب ۲/٤۰۲ فی حضور مجالس الذکر۔

(۲) حسن بالشواهد، أخرجه الترمذی ۲/۱۹۱، وقال: هذا حدیث حسن غریب من هذا الوجه من حدیث ثابت عن أنس، وفی إسناده محمد بن ثابت وهو ضعیف، لکن یقویه حدیث حاکم فی المستدرك وفی إسناده عمر بن عبدالله. والبیهقی فی شعب الایمان ۲/٤۲٥، فصل فی ادامة ذکر الله عزوجل، واحمد فی مسنده ۳/۱٥۰، عن انس بن مالك وابو نعیم حلیة الأولیاء ٦/۲٦۸ ـ

(۳) أخرجه الحاکم فی المستدرك ۱/٤۹٤، وقال: هذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاه ـ وتعقبه الذهبی فقال: عمر(بن عبد الله مولی غفرة) ضعیف۔

باغات) فرمایا گیا ہے اور ان میں شرکت کی ترغیب جناب رسول اللہ ﷺ نے خود دی ہے۔

(۲۵) عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: يقول الله: "انا عند ظن عبدی بی وانا معه حين يذكرنی فان ذكرنی فی نفسه ذكرته فی نفسی وان ذكرنی فی ملأ ذكرته فی ملأخير منهم". (۱)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بھی بہتر مجمع یعنی فرشتوں کے مجمع میں اس کا تذکرہ کرتا ہوں۔(چونکہ فرشتے معصوم اور بے گناہ ہیں)۔

فائدہ: اس حدیث سے ذکر جہری مراد ہے علامہ سیوطی نے فرمایا: **والذكر فی الملأ لا يكون الا عن جهر.** (۲) یعنی مجلس میں ذکر سے مراد ذکر جہری ہی ہوسکتا ہے پھر یہ عام ہے چاہے مسجد میں یا مسجد کے علاوہ۔ اس حدیث سے اجتماعی ذکر کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

(۲۶) عن عبد الله بن مغفلؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "ما من قوم اجتمعوا يذكرون الله عزوجل الا ناداهم مناد من السماء قوموا مغفورا لكم قد بدلت سيئاتكم حسنات" (۳)

---

(۱) متفق عليه. رواه البخاری ۲/۱۱۰۱ فی كتاب التوحيد، ومسلم ۲/۳۴۳، والترمذی ۲/۲۰۰، والنسائی، وابن ماجة ص۲۶۸، واحمد فی مسنده ۲/۴۷، والبيهقی ۲/۴۴۴، والحاكم فی المستدرك ۲/۵۳۴۔

(۲) الحاوی للفتاوی ۱/۴۶۶۔

(۳) صحيح بالشواهد. أخرجه البيهقی فی شعب الايمان ۲/۴۳۱، والطبرانی فی المعجم الأوسط ۲/۱۵۴، مطبعة دارالحرمين ۔ واحمد فی مسنده ۳/۱۴۲، والهيثمی فی =

ترجمہ: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بھی لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں ایک فرشتہ پکار کر کہتا ہے تم لوگ بخش دئے گئے اور تمھاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں اجتماعی ذکر کرنے والوں کو مجلس سے اٹھنے سے پہلے مغفرت کی بشارت دی گئی۔

(۲۷) عن عبد الله بن عمرو قال : قلت يا رسول الله ما غنيمة مجالس الذكر ؟ قال غنيمة مجالس الذكر الجنة الجنة ". (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجالس ذکر کا فائدہ اور ثمرہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجالس ذکر کا ثمرہ تو جنت ہے جنت۔

(۲۸) عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "ليبعثن الله أقواما يوم القيامة في وجوههم النور على منابر اللؤ لؤ يغبطهم الناس ليسوا بأنبياء ولا شهداء ، فقال أعرابي : حلهم لنا نعرفهم قال : هم المتحابون في الله من قبائل شتى وبلاد شتى يجتمعون على ذكر الله يذكرونه ". (۲)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعض قوموں کا

مجمع الزوائد ۱۰/۷٦ ، وقال: ورواه احمد وأبو يعلى والبزار والطبراني في الأوسط وفيه ميمون المرائي وثقه جماعة وفيه ضعف وبقية رجال احمد رجال الصحيح ، واحمد في زهده ۱/۲۰۵، و أبو نعيم في حلية الأولياء ۳/۱۰۸۔

(۱) أخرجه احمد في مسنده ۳/۱۷۷، والطبراني في مسند الشامين ۲/۲۷۳، والمنذري في الترغيب والترهيب ۲/۲٦۱، وقال : رواه احمد باسناد حسن ، والهيثمي في مجمع الزوائد ۱۰/۷۸ ، وقال : رواه احمد والطبراني واسناد احمد حسن ۔

(۲) أخرجه الهيثمي في مجمع الزوائد ۱۰/۷۷ ، وقال: رواه الطبراني واسناده حسن ، والمنذري في الترغيب والترهيب ۲/۲٦۲۔

حشر اس طرح فرمائیں گے کہ ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوگا وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے وہ انبیاء اور شہداء نہیں ہونگے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کا حال بیان کر دیجئے کہ ہم ان کو پہچان لیں ۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی محبت میں مختلف جگہوں سے مختلف خاندانوں سے آ کر ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں ۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے اجتماعی ذکر کرنے والوں کا ایک اعزاز اور مرتبہ ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنا بڑا مقام عنایت فرمایا کہ وہ موتیوں کے منبروں پر ہونگے انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے (یاد رہے یہ جزئی فضیلت ہے اس سے انبیاء اور شہداء کے مرتبہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی)

(۲۹) أخرج أحمد في الزهد ، عن ثابت قال: "كان سلمان في عصابة يذكرون الله، فمر النبي صلى الله عليه وسلم، فكفوا، فقال: ما كنتم تقولون ؟ قلنا: نذكر الله، قال: فإني رأيت الرحمة تنزل عليكم فأحببت أن أشارككم فها. ثم قال: الحمد لله الذي جعل في أمتي من أمرت أن أصبر نفسي معهم . (۱)

فائدہ: درمنثور کی اس روایت سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ اجتماعی ذکر کی مجلس پسندیدہ ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس مجلس میں شریک ہوئے اور تعریف فرمائی ۔

(۱) الدر المنثور:۵/۳۸۲، ورواه الحاكم في المستدرك:۱/۱۵۹/۴۱۹،كتاب العلم، وقال:هذا حديث صحيح ولم يخرجاه وقد احتجا بجعفر بن سليمان فأما أبو سلمة سيار بن حاتم الزاهد فإنه عابد عصره وقد أكثر أحمد بن حنبلؒ الرواية عنه، ووافقه الذهبي. وفيه: الخضر بن ابان وهو ضعيف.

مساجد میں مجالس ذکر کی فضیلت قرآن اوراحادیث کی روشنی میں

ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا . (١)

ترجمہ: اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔

تفسیر بدیع میں ہے: **ومساجد أى للمسلمين يذكر فيها اسم الله كثيرا ، أى ذكرا كثيرا أو وقتا كثيرا صفة مادحة للمسجد خصت بها دلالة على فضلها وفضل اهلها .** (٢)

فائدہ: اس تفسیر سے مساجد اور مساجد میں ذکر کرنے والوں کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

ومساجد المسلمين التى يذكر فيها اسم الله كثيرا ، لأن هذا هو المستعمل المعروف فى كلام العرب . وقال بعض العلماء : هذا ترق من الأقل إلى الأكثر إلى أن انتهى إلى المساجد وهى أكثر عمارا وأكثر عبادا وهم ذوو القصد الصحيح .(٣)

فائدہ: اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عبادت خانوں میں مسجدیں سب سے زیادہ آباد ہیں اور مساجد میں ذکر کی مجالس لگنے سے مسجدیں ہمیشہ آباد رہتی ہیں۔

ومن أظلم ممن منع مسجد الله أن يذكر فيها اسمه . (٤)

---

(١) سرة الحج ، الآية : ٤٠ ـ

(٢) تفسير بديع ٢/١٣٨ ـ

(٣) تفسير ابن كثير ٣/٢٥٠ ـ

(٤) سورة البقرة ، الآية ١١٤ ـ

ترجمہ: اوراس شخص سے بڑھ کرکون ظالم ہوسکتا ہے جواللہ تعالی کی مساجد میں اس کا نام لینے اوراس کی عبادت کرنے سے روکے اورلوگوں کومنع کرے۔

(۲۹) عن أبي سعيد رضي الله عنه عن النبي ﷺ انه قال : يقول الرب تبارك وتعالىٰ يوم القيامة:سيعلم أهل الجمع اليوم من أهل الكرم، فقيل:من أهل الكرم يا رسول الله ؟ قال مجالس الذكر في المساجد". (۱)

ترجمہ: نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالی اعلان فرمائیں گے کہ آج پورے مجمع کومعلوم ہوجائیگا کہ کرامت اورعزت والے کون لوگ ہیں؟ پوچھا گیا یارسول اللہ ﷺ عزت وکرامت والے کون ہونگے ؟ تو آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایاوہ مسجدوں میں ذکر کی مجلس لگانے والے ہیں۔

فائدہ: سبحان اللہ، اس حدیث سے تو تمام اشکالات دور ہوگئے اس لئے کہ آپ ﷺ نے صراحۃً بتلا دیا کہ مساجد میں ذکر کی مجلس لگانے والے قیامت کے دن سب سے مکرم ومعزز ہونگے لہٰذا جوحضرات اس کو بدعت کہتے ہیں اپنے گریبان میں جھانک کر خودفیصلہ کرلیں کہیں یہ حضرات آپ ﷺ کی مبارک احادیث کا مقابلہ تونہیں کرتے ؟

(۳۰) عن أبي هريرة قال : قال رسول الله ﷺ :اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قلت يارسول الله ومارياض الجنة؟ قال:المساجد قلت: وما الرتع يارسول الله قال:سبحان الله والحمد لله ولااله الا الله والله اكبر".(۲)

---

(۱) كذا في صحيح ابن حبان:۳/۳۹،ذكرمايكرم الله عزوجل وعلا من ذكر،وموارد الظمان ۵۷۶/۱ للهيثمي، وفي شعب الايمان للبيهقي:۴۳۲/۲،ومسند ابي يعلى:۳۱۳/۲،ومسند الامام احمد:۶۸/۳ رقم: ۷۶۰۰ ، والفردوس بمأثور الخطاب:۲۵۳/۵۔ وقال الهيثمي في مجمع الزوائد۷۶/۱۰: رواه احمد باسنادين واحدهما حسن وأبو يعلى كذلك .

(۲) أخرجه الترمذي:۵۳۲/۵، مطبعة دار أحياء التراث، وقال:هذا حديث حسن غريب . وذكره المنذري في الترغيب والترهيب:۲۸۴/۲، وقال: وهومع غرابته حسن الاسناد .

فائدہ: اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے مساجد کو ریاض الجنۃ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو چرنے سے تعبیر فرمایا معلوم ہوا کہ مساجد میں ذکر کرنے کی بہت فضیلت ہے۔

(۳۱) عن أبی ہریرۃ قال: قال دخل اعرابی المسجد ورسول اللہ ﷺ جالس فقال: اللہم اغفرلی ولمحمد ولا تغفر لاحد معنا فضحک رسول اللہ ﷺ وقال لقد احتظرت واسعا ثم ولی حتی اذا کان فی ناحیۃ المسجد فشج یبول فقال الاعرابی بعد ان فقہ فقام الی بابی وامی فلم یؤنب ولم یسب فقال ان ھذا المسجد لا یبال فیہ وانما بنی لذکر اللہ والصلوۃ ثم امر بسجل من ماء فافرغ علی بولہ". (١)

فائدہ: اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے مساجد کے مقصد کو بیان فرمایا کہ مسجد بنانے کا مقصد ذکر اللہ اور نماز سے ان کو آباد کرنا ہے لہٰذا مسجد کا اہم اور بنیادی مقصد ذکر اللہ ہے۔

(۳۲) عن أبی ہریرۃؓ عن النبی ﷺ قال: "ما توطن رجل مسلم المساجد للصلوۃ والذکر الا تبشبش اللہ لہ کما یتبشبش اھل الغائب بغائبھم اذا قدم علیھم". (٢)

فائدہ: اس حدیث شریف سے مساجد میں ذکر اللہ کی بڑی فضیلت معلوم ہوئی کہ جو مسلمان شخص مسجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی بہت بڑی دولت ہے۔ **ورضوان من اللہ أکبر.**

---

(٢) صحیح . متفق علیہ، رواہ البخاری ٢/ ٨٩٠ و مسلم ١/ ١٣٨، والنسائی ١/ ٢٠، وأبوداود ١/ ٥٤، وابن ماجۃ ١/ ٤٠، واحمد ٢/ ٥٠٣، والبیھقی ٢/ ٤١٣، وابن حبان ٣/ ٢٦٥، والھیثمی فی الموارد١/ ٨٤ باب طھارۃ المسجد من البول.

(٣) صحیح . رواہ ابن ماجۃ ١/ ٥٨، وابن حبان ٣٠٩، واحمد ٢/ ٣٢٨، وابن خزیمۃ ١/ ٧٢٦، رقم ١٥٠٣، وعلی ھامشہ اسنادہ صحیح ، والحاکم ١/ ٢١٣، وصححہ.

ذکرلسانی وقلبی احادیث کی روشنی میں

(٣٣) عن عمرو بن قيس الكندى عن عبد الله بن بسر رضى الله عنه أن أعرابيا قال لرسول الله ﷺ: أن شرائع الاسلام قد كثرت على فأنبئني منها بشيء اتشبت به قال: لا يزال لسانك رطبا من ذكر الله عزوجل".(١)

ترجمہ: ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ احکام تو شریعت کے بہت سے ہیں ہی مجھ کو ایک چیز ایسی بتا دیجئے جس کو میں اپنا دستور اور اپنا مشغلہ بنالوں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے ذکر سے تو ہر وقت رطب اللسان رہے۔

(٣٤) عن مالك بن يخامر عن معاذ بن جبل رضى الله عنه سمعه يقول سألت النبى ﷺ أى الأعمال أحب إلى الله عزوجل ؟ قال: أن تموت ولسانك رطب من ذكر الله عزوجل".(٢)

---

(١) صحيح . أخرجه ابن أبى شيبة ١٠/٣٠١، ١٣/٤٥٧، وأحمد ٤/١٨٨، ١٩٠، وابن المبارك فى الزهد ص٩٣٥، وعبد بن حميد ص٥٠٩، والترمذى ٤/٢٩٧ رقم ٣٣٧٥، وابن ماجة ٣٧٩٣، وابن ابى عاصم فى الآحاد والمثانى ١٣٥٦، وابن حبان ٨١٤، والطبرانى فى الأوسط ص٢٢٨٩، ١٤٦٤، وفى الشاميين ص٢٠٤٦، ٢٠٤٧، ١٨٨٣، وفى الدعاء ١٨٥٥، وأبو نعيم فى الحلية ٦/١١١، ١١٢، والبغوى فى شرح السنة ١٢٤٥، والحاكم ١/٤٩٥، وقال: صحيح الإسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبى . والبيهقى ٣/٣٧١، وفى الشعب ص٥١٥، من طرق عن عمرو بن قيس به مطولا ومختصرا، والهيثمى فى موارد الظمآن ١/٥٧٦ رقم ٢٣١٧.

(٢) اسناده حسن ، أخرجه البيهقى فى شعب الإيمان ٢/٤١٢، وابن السنى فى عمل اليوم والليلة ص٣، وابن حبان ٣/٣٩، والهيثمى فى مجمع الزوائد ١٠/٧٤، وقال: رواه الطبرانى =

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا عمل اللہ جل شانہ کو محبوب ہے آپ ﷺ نے ارشادفرمایا آپ کا انتقال ہو اس حال میں کہ آپ کی زبان اللہ جل شانہ کے ذکر سے تروتازہ ہو۔

(۳۵) عن عمر رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "تبا للذهب والفضة يتخذ أحدكم لسانا ذاكرا وقلبا شاكرا وزوجة تعين على الآخرة". (۱)

ترجمہ: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا سونے چاندی والوں کے لئے ہلاکت ہوتم اپنی زبان اللہ کو یاد کرنے والی بنالواور دل شکر گزاراور بیوی جوامورآخرت پر مددگار ہو۔

(۳۶) عن أبی ہریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ:" كلمتان خفيفتان على اللسان ثقيلتان فی الميزان حبيبتان الى الرحمن : سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم". (۲)

= بأسانيد ... ورواه البزار من غير طريقه ...، إسناده حسن، والطبرانی فی الكبير ۹۳/۲۰ رقم۱۸۱ وأيضا ۱۰٦/۲۰ رقم ۲۰۸، وذكره المنذری فی الترغيب والترهيب ۳۹۵/۲ رقم۲۲۹۱، والهيثمی فی موارد الظمآن ۵۷٦/۱ رقم ۲۳۱۸۔

(۱) إسناده حسن . أخرجه البيهقی فی شعب الإيمان ۴۸۱/۲، ۴۸۲، وكذا فی تحفة الاشراف ۱۷٦/۱۱، و مسنداحمد ۲۷۸/۵، والزهد لامام احمد ص۱۹ ، وجامع الترمذی ۱۴۰/۲، وقال الترمذی: هذا حديث حسن . وسنن ابن ماجة ص۱۳۳ ، باب أفضل النساء ، ومعجم الأوسط للطبرانی ۲۹/۳، وحلية الأولياء ۱۸۲/۱، وتخريج الأحاديث والآثار ۷۱/۲۔

(۲) متفق عليه . أخرجه البيهقی۴۸۳/۲، وبخاری ۹۴۸/۲، ۹۸۸، ۱۱۲۸، مسلم ۳۴۴/۲ باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء، والترمذی ۱۸۴/۲، وابن ماجة ۲۷۰، وكذا فی مسند احمد ۲۳۲/۲، ومصنف ابن أبی شيبة ۲۸۸/۱۰، وعمل اليوم والليلة للنسائی ص۲۴٦، وابن حبان ۴۵/۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے ہیں اور ترازو میں بہت بھاری ہیں اور رحمٰن کو بہت پیارے ہیں: **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم**"۔

(۳۷) عن سهيل بن معاذ بن أنس عن أبيه أن معاذ بن جبل سأل رسول الله ﷺ عن أفضل الإيمان، قال: تحب لله وتبغض لله وتعمل لسانك في ذكر الله''. (۱)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا افضل ایمان کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے لئے محبت رکھے اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھے اور اپنی زبان کو اللہ کی یاد میں استعمال کرے۔

(۳۸) عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: " خلتان لا يحصيهما رجل مسلم إلا دخل الجنة هما قليل ومن يعمل بهما قليل " قالوا: وما هما يا رسول الله ؟ قال: يسبح الله أحدكم في دبر صلاته عشرا ويحمده عشرا ويكبر عشرا فتلك خمسون ومائة باللسان وألف وخمس مائة في الميزان". الحديث .(۲)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا دو خصلتیں ایسی ہیں کہ مسلمان آدمی اس کو عادت نہیں بناتا ہے مگر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ دونوں عمل مختصر ہیں اور

---

(۱) أخرجه البيهقي ۲/۴۷۱، وأحمد في مسنده ۳۴۷/۵، والطبراني في المعجم الكبير ۲۰/۱۹۱، والهيثمي في مجمع الزوائد ۱/۸۹، وقال: رشدين وابن لهيعة كلاهما ضعيفان ۔

(۲) إسناده صحيح. أخرجه البيهقي في شعب الإيمان ۲/۵۱۱، وعلى هامشه: اسناده صحيح، والترمذي ۲/۱۷۸، وابن ماجة ص٦٦، وكذا في مصنف ابن أبي شيبة ۲/۲۳۳، ومسند احمد ۲/۱٦۰، وعمل اليوم والليلة للنسائي ص٦۷، وأخرجه البخاري في الأدب المفرد، ص۳۲٦ رقم ۱۲۵۲ وقال: صحيح، وعبد الرزاق في مصنفه ۲/۲۳۳، وأبو داود في الأدب ۳۰۹/۵ رقم ۵۰٦۵، وابن حبان ۲۳۴۳، وابن السني رقم ۷۳۹۔

دونوں پر عمل کرنے والے بھی کم ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ دونوں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی اللہ کی تسبیح بیان کرے دس مرتبہ اور تعریف بیان کرے دس مرتبہ اور بڑائی بیان کرے دس مرتبہ ہر نماز کے بعد پس کل ۱۵۰ ہوئے زبان پر اور ۱۵۰۰ ہوئے ترازو میں۔

(۳۹) عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما عن النبی ﷺ أنه كان يقول : "إن لكل شئ سقالة وان سقالة القلوب ذكر الله". الحديث .

(۱)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر چیز کے لئے کوئی صاف کرنے والی چمکانے والی چیز ہے؛ دلوں کی صفائی کرنے والی اور چمکانے والی چیز اللہ تعالی کا ذکر ہے۔

(۴۰) عن أبی هريرةؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: قال ربک عزوجل : "أنا مع عبدی ما ذكرنی وتحركت بی شفتاه". (۲)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں میں بندہ کے ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ مجھ کو یاد کرتا رہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ ہلتے رہیں۔

---

(۱) أخرجه البيهقی فی شعب الإيمان ۲/۴۱۹، والهيثمی فی مجمع الزوائد ۱۰/۷۷ عن جابر مرفوعا وقال : رواه الطبرانی فی الصغير والأوسط ورجالهما رجال الصحيح ، فيض القدير ۲/۵۱۱، الترغيب والترهيب ۲/۲۵۴ كتاب الذكر والدعاء ، الوابل الصيب ۱/۶۰۔

(۲) إسناده صحيح أخرجه البيهقی فی شعب الايمان ۲/۴۰۶ فصل فی إدامة ذكر الله عزوجل وعلى هامشه اسناده صحيح ، وكذا رواه البخاری ۲/۱۱۲۲، والحاكم فی المستدرك ۱/۶۷۲ وصححه، كتاب الدعاء ، وابن حبان ۳/۹۷ ذكر الله ذكر رجاء سرعة المغفرة ، والهيثمی فی موارد الظمان ۱/۵۷۶ كتاب الاذكار رقم ۲۳۱۶، وابن ماجة فی سننه ۲/۱۲۴۶، باب فضل لااله الا الله ، والطبرانی فی المجمع الأوسط ۶/۳۶۳، والامام احمد بن حنبل فی مسنده ۲/۵۴۰، مسند الشاميين ۱/۳۲۰۔

ذکرلسانی اور قلبی کے احکام

ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور دل سے بھی اور اس کے متعلق مختلف احکام ہیں بعض لفظ کے ساتھ متعلق ہیں ان میں ذکرلسانی افضل ہے باقی ذکر قلبی جس سے ہر وقت قلب میں یاد رہے اجراس پر بھی ہے مگراس میں قلب سے ذہول کا قوی اندیشہ رہتا ہے کیونکہ یہ زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتا ہے دل ادھر اُدھر چلا جاتا ہے اور ذاکر یہ سمجھتا ہے کہ میں ذکر میں مشغول ہوں اور ذکرلسانی میں یہ اندیشہ نہیں اس لئے ذکرلسانی کرنا چاہیے اور اس میں توجہ قلبی رکھنا چاہیے، اگر کچھ دیر ذکر قلبی نہ رہے گا تو لسانی تو باقی رہے گا، اور وقت ضائع نہ ہوگا اور اگر قلب سے ذکر کرے گا تو زبان خالی رہے گی اس اعتبار سے ذکر قلبی سے ذکرلسانی افضل ہے مگر اس ذکرلسانی کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ اس ذریعہ سے قلب میں مذکور کی یاد رچ بس جائے اور اللہ کی نافرمانی سے روک دے اور فرمانبرداری پر کمربستہ وچست کردے، یہی ذکر اللہ ہے۔ اور جس کو یہ چیزیں معاصی سے نہ روک سکیں اس کے لئے یہ حقیقی ذکر نہ ہوگا بلکہ ذکر کی ایک صورت ہوگی۔

ذکر کی حقیقت عدم غفلت اور فرائض دینی کی ادائیگی میں لگے رہنا اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے اس لئے دین کی نصرت اور اس کے فروغ کی جدوجہد میں مشغول رہنا ذکر کا اونچا درجہ ہے بشرطیکہ اللہ کے اوامر ونواہی کا اور مواعید کا دھیان رکھتے ہوئے اللہ کی یاد میں ہونا بھی اعلیٰ ذکر ہے۔

''اقم الصلاۃ لذکری'' قلب کی عدم غفلت یعنی ذاکر وصالح قلب کے ساتھ جب نماز پڑھے گا تو اس میں کیفیت احسان کی وجہ سے اخلاص وخشوع وخضوع حضوری سب کچھ ہوگا پھر یہ نماز اعلیٰ درجہ کا ذکر کہلائے گی۔ حاصل یہ ہے کہ فرائض وغیرہ کے ذکر

ہونے کا مدار قلب کی اصلاح اور اس کے ذاکر ہونے پر ہوا، احسان کے ساتھ اعمال ہوں گے اس وقت وہ اعمال خود ذکر کہلائیں گے اور حقیقی ذکر کا سبب ہوں گے۔ اللہ پاک کا مبارک نام تو وہ ہے کہ چاہے ذکر و ثواب کی نیت سے نہ بھی کیا جائے ویسے ہی محاورہ کے طور پر منہ سے نکل جاوے تو وہ بھی دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے اور کچھ نہ کچھ اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔(١)

(١) رسالہ ذکر اللہ ص٦٦

فوائد ذکر

ذکراللہ سے سو سے زیادہ برکات ملتی ہیں اور ننا وے قسم کی بلائیں دور ہوتی ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱) اطمینان قلب:

" الا بذکر اللہ تطمئن القلوب "

(۲) ذکر شیطان کو دفع کرتا ہے اور اس کی قوت کو توڑتا ہے۔

(۳) اللہ جل جلالہ کی خوشنودی کا سبب ہے۔

(۴) دل سے فکر وغم کو دور کرتا ہے۔

(۵) دل میں فرحت، سرور اور انبساط پیدا کرتا ہے۔

(۶) بدن اور دل کو قوت بخشتا ہے۔

(۷) چہرہ اور دل کو منور کرتا ہے۔

(۸) رزق کو کھینچتا ہے۔

(۹) ذکر کرنے والے کو ہیبت اور حلاوت کا لباس پہناتا ہے یعنی اس کے دیکھنے سے رعب پڑتا ہے اور دیکھنے والے کو حلاوت نصیب ہوتی ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ شانہ کی محبت پیدا کرتا ہے اور محبت ہی اسلام کی روح اور دین کا مرکز ہے اور سعادت ونجات کا مدار ہے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی محبت تک اس کی رسائی ہو اس کو چاہیے کہ اس کے ذکر کی کثرت کرے جیسا کہ پڑھنا اور تکرار کرنا علم کا دروازہ ہے اسی طرح اللہ کا ذکر اس کی محبت کا دروازہ ہے۔

(۱۱) ذکر سے مراقبہ نصیب ہوتا ہے جو مرتبہ احسان تک پہنچادیتا ہے یہی مرتبہ ہے

جس میں اللہ تعالی کی عبادت ایسی نصیب ہوتی ہے گویا اللہ جل شانہ کو دیکھ رہا ہے، یہی مرتبہ صوفیہ کا منتہائے مقصد ہوتا ہے۔

(۱۲) اللہ تعالی کی طرف رجوع پیدا کرتا ہے جس سے رفتہ رفتہ یہ نوبت آجاتی ہے کہ ہر چیز میں حق تعالی شانہ اس کی جائے پناہ اور ماویٰ وملجا بن جاتے ہیں اور ہر مصیبت میں اسی کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

(۱۳) اللہ تعالی کا قرب پیدا کرتا ہے اور جتنا ذکر میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی قرب میں اضافہ ہوتا ہے اور جتنی ذکر سے غفلت ہوتی ہے اتنی ہی اللہ سے دوری ہوتی ہے۔

(۱۴) اللہ تعالی کی معرفت کا دروزاہ کھولتا ہے۔

(۱۵) اللہ جل شانہ کی ہیبت اور اس کی بڑائی دل میں پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالی کے ساتھ حضوری پیدا کرتا ہے۔

(۱۶) اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں ذکر کا سبب ہے چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے: **"فاذکرونی اذکر کم"** اور حدیث میں وارد ہے **"من ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی" الحدیث** .

چنانچہ آیات واحادیث کے بیان میں پہلے مفصل گذر چکا ہے، اگر ذکر میں اس کے سوا اور کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تب بھی شرافت اور کرامت کے اعتبار سے یہی ایک فضیلت کافی تھی چہ جائیکہ اس میں اور بھی بہت سی فضیلتیں ہیں۔

(۱۷) دل کو زندہ کرتا ہے، حافظ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کے لئے ایسا ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی، خود غور کرلو کہ بغیر پانی کے مچھلی کا کیا حال ہوتا ہے۔

(۱۸) دل اور روح کی روزی ہے اگر ان دونوں کو اپنی روزی نہ ملے تو ایسا ہے جیسا بدن کو اس کی روزی یعنی کھانا نہ ملے۔

(۱۹) دل کو زنگ سے صاف کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہوا ہے ہر چیز پر

اس کے مناسب زنگ اور میل کچیل ہوتا ہے دل کا میل اور زنگ خواہشات اور غفلت ہے یہ اس کے لئے صفائی کا کام دیتا ہے۔

(۲۰) لغزشوں اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔

(۲۱) بندہ کو اللہ جل شانہ سے جو وحشت یعنی غفلت ہو جاتی ہے اس کو دور کرتا ہے کہ غافل کے دل پر اللہ تعالی کی طرف سے ایک وحشت رہتی ہے جو ذکر ہی سے دور ہوتی ہے۔

(۲۲) جو اذکار بندہ کرتا ہے وہ عرش کے چاروں طرف بندہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:

عن النعمان بن بشير قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذين يذكرون من جلال الله وتسبيحه وتحميده وتكبيره وتهليله يتعاطفن حول العرش لهن دوى كدوى النحل يذكرن بصاحبهن ألا يحب أحدكم أن لا يزال له عند الله شئ يذكر به". (۱)

(۲۳) جو شخص راحت میں اللہ جل شانہ کا ذکر کرتا ہے اللہ جل شانہ مصیبت کے وقت اس کو یاد کرتا ہے۔ (۲۴) اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔

(۲۵) سکینہ اور رحمت کے اترنے کا سبب ہے اور فرشتے ذکر کرنے والے کو

---

(۱) صحيح أخرجه أحمد ۲٦۸/٤، وابن أبی شيبة ۱۰/۲۸۹، ۱۳/٤٥۲، والطبرانی فی الدعاء ۱٦۹۳، والحاكم ۱/۵۰۰، وأبو نعيم فی الحلية ٤/۲٦۹، من طريق عبد الله بن نمير عن موسى بن مسلم الطحان أبی عيسى عن عون بن عبد الله عن أبيه أو عن أخيه والشك فی شيخ عون بن عبد الله وهو ابن عتبة بن مسعود لا يضر لأنه انتقال من ثقة إلى ثقة فأبوه عبد الله وأخوه عبيد الله كلاهما ثقة، وأخرجه أحمد ٤/۲۷۱، وابن ماجة ۹/۳۸۰، والطبرانی فی الدعاء ۱٦۹۳، وأبو نعيم فی الحلية ٤/۲٦۹ من طريق يحيى بن سعيد عن موسى بن مسلم به بالشك عن أبيه أو أخيه، وقال الطبرانی: عبد الله بن نمير ويحيى بن سعيد القطان روياه بالشك عن أبيه أو أخيه، قال البوصيری فی الزوائد ۹/۳۸۰: إسناده صحيح رجاله ثقات۔

گھیر لیتے ہیں، سکینہ کے معنی سکون وقار کے ہیں یا کسی مخصوص رحمت کے، امام نووی فرماتے ہیں یہ کوئی ایسی مخصوص چیز ہے جو طمانیت و رحمت وغیرہ سب کو شامل ہے اور ملائکہ کے ساتھ اترتی ہے۔

(۲۶) اس کی برکت سے زبان چغل خوری، جھوٹ، بدگوئی اور لغو گوئی سے محفوظ رہتی ہے، چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ جس شخص کی زبان اللہ کے ذکر کی عادی ہو جاتی ہے وہ ان اشیاء سے عموماً محفوظ رہتا ہے اور جس کی زبان عادی نہیں ہوتی ہر نوع کی لغویات میں مبتلا رہتا ہے۔

(۲۷) ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں اور لغویات اور غفلت کی مجلسیں شیطان کی مجلسیں ہیں۔ اب آدمی کو اختیار ہے جس قسم کی مجلسوں کو چاہے پسند کرے اور ہر شخص اسی کو پسند کرتا ہے جس سے مناسبت رکھتا ہے۔

(۲۸) ذکر کی وجہ سے ذکر کرنے والا بھی سعید ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھنے والا بھی۔

(۲۹) قیامت کے دن حسرت سے محفوظ رہتا ہے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے ہر وہ مجلس جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو قیامت کے دن حسرت اور نقصان کا سبب ہے۔

(۳۰) ذکر کے ساتھ اگر تنہائی کا رونا بھی نصیب ہو جائے تو قیامت کے دن کی تپش اور گرمی میں جب کہ ہر شخص میدان حشر میں بلبلا رہا ہوگا یہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔

(۳۱) ذکر میں مشغول رہنے والوں کو ان سب چیزوں سے زیادہ ملتا ہے جو دعائیں مانگنے والوں کو ملتی ہیں حدیث میں اللہ جل شانہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص کو میرے ذکر نے دعا سے روک دیا اس کو میں دعائیں مانگنے والوں سے افضل عطا کروں گا۔

(۳۲) باوجود سہل ترین عبادت ہونے کے تمام عبادتوں سے افضل ہے۔ اس لئے کہ زبان کو حرکت دینا بدن کے تمام اعضاء کو حرکت دینے سے سہل ہے۔

(۳۳) اللہ کا ذکر جنت کے پودے ہیں۔

(۳۴) جس قدر بخشش اور انعام کا وعدہ اس پر ہے اتنا کسی اور عمل پر نہیں ہے، چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص " **لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر** " سو مرتبہ کسی دن پڑھے تو اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوتا ہے اور سو نیکیاں اس کے لئے لکھی جاتی ہیں اور سو برائیاں اس سے معاف کردی جاتی ہیں اور شام تک شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور دوسرا کوئی شخص اس سے افضل نہیں ہوتا مگر وہ شخص جو اس سے زیادہ عمل کرے اسی طرح اور بہت سی احادیث ہیں جن سے ذکر کا افضل اعمال ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۳۵) دوام ذکر کی بدولت اپنے نفس کو بھولنے سے امن نصیب ہوتا ہے جو سبب ہے دارین کی شقاوت کا، اس لئے کہ اللہ کی یاد کو بھلا دینا سبب ہوتا ہے خود اپنے نفس کو بھلا دینے کا اور اپنے تمام مصالح کے بھلا دینے کا، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:
" **ولاتکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم اولئک ھم الفٰسقون** "
تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنھوں نے اللہ سے بے پرواہی کی پس اللہ نے ان کو اپنی جانوں سے بے پرواہ کردیا یعنی ان کی عقل ایسی ماردی گئی کہ اپنے حقیقی نفع کو نہ سمجھا اور جب آدمی اپنے نفس کو بھلا دیتا ہے تو اس کی مصالح سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے جیسے کسی شخص کی کھیتی یا باغ ہو اور اس کو بھول جائے اس کی خبر گیری نہ کرے تو لامحالہ وہ ضائع ہوگا اور اس سے امن جب ہی مل سکتا ہے جب اللہ کے ذکر سے زبان کو ہر وقت تر و تازہ رکھے اور ذکر اس کو ایسا محبوب ہو جائے جیسا کہ پیاس کی شدت کے وقت پانی اور بھوک کے وقت کھانا اور گرمی اور سخت سردی کے وقت مکان اور لباس بلکہ اللہ کا ذکر اس سے زیادہ کا مستحق ہے اس لئے کہ ان اشیاء کے نہ ہونے سے بدن کی ہلاکت ہے جو روح کی اور دل کی ہلاکت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

(۳۶) ذاکر آدمی ترقی کرتا رہتا ہے بستر پر بھی اور بازار میں بھی، صحت میں بھی اور بیماری میں بھی، نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ مشغولی میں بھی اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے

جو ہر وقت ترقی کا سبب بنتی ہوحتی کہ جس کا دل نورِ ذکر سے منور ہو جاتا ہے وہ سوتا ہوا بھی غافل شب بیداروں سے بڑھ کر ہو جاتا ہے۔

(۳۷) ذکر کا نور دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے اور قبر میں بھی ساتھ رہتا ہے اور آخرت میں پل صراط پر آگے آگے چلتا ہے۔حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: " **اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا له نورا یمشی به فی الناس کمن مثله فی الظلمت لیس بخارج منها** " ایسا شخص جو پہلے مردہ یعنی گمراہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ یعنی مسلمان بنادیا اور اس کو ایسا نور دے دیا کہ وہ اس نور کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے یعنی وہ نور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے کیا ایسا شخص بدحالی میں اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو گمراہی کی تاریکیوں میں گرا ہوا ہو کہ ان سے نکل ہی نہیں پاتا پس اول شخص مومن ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی محبت اور اس کی معرفت اور اس کے ذکر سے منور ہے اور دوسرا شخص ان چیزوں سے خالی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ نور نہایت مہتم بالشان چیز ہے اور اسی میں پوری کامیابی ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ اس کی طلب اور دعا میں مبالغہ فرمایا کرتے تھے اور اپنے ہر ہر جز میں نور کو طلب فرماتے تھے، چنانچہ احادیث میں متعدد دعائیں ایسی ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ نے اس کی دعا فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ آپ کے گوشت میں، ہڈیوں میں، پٹھوں میں، بال میں، کھال میں ،کان میں، ناک میں، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، آگے، پیچھے نور ہی نور کر دے حتی کہ یہ بھی دعا کی کہ خود مجھ ہی کو سرتا پا نور بنا دے کہ آپ کی ذات ہی نور بن جائے۔اسی نور کے بقدر اعمال میں نور ہوتا ہے حتی کہ بعض لوگوں کے نیک اعمال ایسی حالت میں آسمان پر جاتے ہیں ان پر آفتاب جیسا نور ہوتا ہے اور ایسا ہی نور ان کے چہروں پر قیامت کے دن ہوگا۔

(۳۸) ذکر تصوف کا اصل اصول ہے اور تمام صوفیہ کے سب طریقوں میں رائج ہے جس شخص کے لئے ذکر کا دروازہ کھل گیا ہے اس کے لئے اللہ جل شانہ تک پہنچنے کا

دروازہ کھل گیا اور جو اللہ جل شانہ تک پہنچ گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے کہ اللہ جل شانہ کے پاس کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہے۔

(۳۹) آدمی کے دل میں ایک گوشہ ہے جو اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی پر نہیں ہوتا اور جب ذکر دل پر مسلط ہو جاتا ہے تو وہ نہ صرف اس گوشہ کو پر کرتا ہے بلکہ ذکر کرنے والے کو بغیر مال کے غنی کر دیتا ہے اور بغیر کنبہ اور جماعت کے لوگوں کے دلوں میں عزت والا اور بغیر سلطنت کے بادشاہ بنا دیتا ہے اور جو شخص ذکر سے غافل ہوتا ہے وہ باوجود مال و دولت، کنبہ اور حکومت کے ذلیل ہوتا ہے۔

(۴۰) ذکر پراگندہ کو مجتمع اور مجتمع کو پراگندہ کرتا ہے دور کو قریب اور قریب کو دور کرتا ہے۔ ذکر پراگندہ کو مجتمع کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ آدمی کے دل پر جو متفرق ہموم وغموم، تفکرات و پریشانیاں ہوتی ہیں ان کو دور کر کے جمعیت خاطر پیدا کرتا ہے۔ اور مجتمع کو پراگندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پر جو تفکرات مجتمع ہیں ان کو متفرق کر دیتا ہے اور آدمی کی جو لغزشیں اور گناہ جمع ہو گئے ہیں ان کو اور جو شیطان کے لشکر آدمی پر مسلط ہیں ان کو پراگندہ کر دیتا ہے اور آخرت کو جو دور ہے قریب کر دیتا ہے اور دنیا کو جو قریب ہے دور کر دیتا ہے۔

(۴۱) ذکر آدمی کے دل کو نیند سے جگاتا ہے، غفلت سے چوکنا کرتا ہے اور دل جب تک سوتا رہتا ہے اپنے سارے ہی منافع کھوتا رہتا ہے۔

(۴۲) ذکر ایک درخت ہے جس پر معارف کے پھل لگتے ہیں صوفیہ کی اصطلاح میں احوال اور مقامات کے پھل لگتے ہیں اور جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی اس درخت کی جڑ مضبوط ہوگی اور جتنی جڑ مضبوط ہوگی اتنے ہی زیادہ پھل اس پر آئیں گے۔

(۴۳) ذکر اس پاک ذات کے قریب کر دیتا ہے جس کا ذکر کر رہا ہے حتی کہ اس کے ساتھ معیت نصیب ہو جاتی ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے **"إن الله مع الذين اتقوا"** (اللہ جل شانہ متقیوں کے ساتھ ہے) اور حدیث میں وارد ہے: **"أنا مع**

عبدی ما ذکرنی'' (میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا رہے) ایک حدیث میں ہے میرا ذکر کرنے والے میرے آدمی ہیں، ان کو اپنی رحمت سے دور نہیں کرتا اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں تو میں ان کا حبیب ہوں اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ان کا طبیب ہوں کہ ان کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہوں تا کہ ان کو گناہوں سے پاک کروں نیز ذکر کی وجہ سے جو اللہ جل شانہ کی معیت حاصل ہوتی ہے وہ ایسی معیت ہے جس کے برابر کوئی دوسری معیت نہیں ہے نہ وہ زبان سے تعبیر ہوسکتی ہے نہ تحریر میں آسکتی ہے، اس کی لذت وہی جان سکتا ہے جس کو یہ نصیب ہو جاتی ہے۔ (**اللھم ارزقنی منه شیئا**).

(۴۴) ذکر غلاموں کے آزاد کرنے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال کے خرچ کرنے اور اس کے راستے میں جہاد کے برابر ہے۔

(۴۵) ذکر شکر کی جڑ ہے جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ شکر بھی ادا نہیں کرتا ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جل جلالہ سے عرض کیا آپ نے مجھ پر بہت احسانات کئے ہیں مجھے ایسا طریقہ بتا دیجئے کہ میں آپ کا بہت شکر ادا کروں اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ جتنا بھی تم میرا ذکر کرو گے اتنا ہی شکر ادا ہوگا۔ دوسری حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ درخواست ذکر کی گئی ہے کہ یا اللہ تیری شان کے مناسب شکر کس طرح ادا ہو؟ اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ تمھاری زبان ہر وقت ذکر کے ساتھ تر وتازہ رہے۔

(۴۶) اللہ کے نزدیک پرہیزگار لوگوں میں زیادہ معزز وہ لوگ ہیں جو ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں اس لئے کہ تقویٰ کا منتہا جنت ہے اور ذکر کا منتہا اللہ کی معیت ہے۔

(۴۷) دل میں ایک خاص قسم کی قساوت (سختی) ہے جو ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی نرم نہیں ہوتی۔

(۴۸) ذکر دل کی بیماریوں کا علاج ہے۔

(۴۹) ذکر اللہ کے ساتھ دوستی کی جڑ ہے اور ذکر سے غفلت اس کے ساتھ دشمنی کی جڑ ہے۔

(۵۰) اللہ کے ذکر کے برابر کوئی چیز نعمتوں کو کھینچنے والی اور اللہ کے عذاب کو ہٹانے والی نہیں ہے۔

(۵۱) ذکر کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (رحمت) اور فرشتوں کی صلوٰۃ (دعاء) ہوتی ہے۔

(۵۲) جو شخص یہ چاہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت کے باغوں میں رہے وہ ذکر کی مجالس میں بیٹھے کیونکہ یہ مجالس جنت کے باغ ہیں۔

(۵۳) ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں۔

(۵۴) اللہ جل شانہ ذکر کرنے والوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں۔

(۵۵) ذکر پر مداومت کرنے والا جنت میں ہنستا ہوا داخل ہوگا۔

(۵۶) تمام اعمال اللہ کے ذکر ہی کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں۔

(۵۷) تمام اعمال میں وہی عمل افضل ہے جس میں ذکر کثرت سے کیا جائے، روزوں میں وہ روزہ افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو، حج میں وہ حج افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو، اسی طرح اور اعمال جہاد وغیرہ کا حکم ہے۔

(۵۸) یہ نوافل اور دوسری نفل عبادات کے قائم مقام ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ فقراء نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ یہ مالدار لوگ بڑے بڑے درجے حاصل کرتے ہیں، یہ روزے نماز میں ہمارے شریک ہیں اور اپنے مالوں کی وجہ سے حج، عمرہ اور جہاد میں ہم سے سبقت لے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمھیں ایسی چیز بتاؤں جس سے کوئی شخص تم تک نہ پہنچ سکے مگر وہ شخص جو یہ عمل کرے، اس کے بعد حضور ﷺ نے ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھنے کو

فرمایا اور آپ ﷺ نے اسے حج، عمرہ اور جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدل قرار دیا۔

(۵۹) ذکر دوسری عبادات کے لئے بڑا معین و مددگار ہے کہ اس کی کثرت سے ہر عبادت محبوب بن جاتی ہے اور عبادات میں لذت آنے لگتی ہے اور کسی عبادت میں بھی مشقت اور بار نہیں رہتا۔

(۶۰) ذکر کی وجہ سے ہر مشقت آسان بن جاتی ہے اور ہر دشوار چیز سہل بن جاتی ہے اور ہر قسم کے بوجھ میں خفت ہو جاتی ہے اور ہر مصیبت زائل ہو جاتی ہے۔

(۶۱) ذکر کی وجہ سے دل سے خوف و ہراس دور ہو جاتا ہے ڈر کے مقام پر اطمینان پیدا کرتا ہے۔

(۶۲) ذکر کی وجہ سے آدمی میں ایک خاص قوت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایسے کام اس سے صادر ہونے لگتے ہیں جو دشوار نظر آتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب انھوں نے چکی کی مشقت اور کاروبار کی دشواری کی وجہ سے ایک خادم طلب کیا تو سوتے وقت **سبحان اللہ الحمد للہ** ۳۳،۳۳، مرتبہ اور **اللہ اکبر** ۳۴ مرتبہ پڑھنے کا حکم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ خادم سے بہتر ہے۔

(۶۳) آخرت کے لئے کام کرنے والے سب دوڑ رہے ہیں اور اس دوڑ میں ذاکرین کی جماعت سب سے آگے ہے۔ عمر مولی غفرہ سے نقل کیا گیا ہے کہ قیامت میں جب لوگوں کو اعمال کا ثواب ملے گا تو بہت سے لوگ اس وقت حسرت کریں گے کہ ہم نے ذکر کا اہتمام کیوں نہیں کیا کہ سب سے زیادہ سہل عمل تھا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مفرد لوگ آگے بڑھ گئے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ مفرد لوگ کون ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر پر مر مٹنے والے کہ ذکر ان کے بوجھوں کو ہلکا کر دیتا ہے۔

(۶۴) ذکر کرنے والے کی اللہ جل شانہ تصدیق کرتے ہیں اور اس کو سچا بتاتے ہیں اور جس شخص کو اللہ تعالی خود سچا بتائیں اس کا حشر جھوٹوں کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ کہتا ہے: ''**لا اله الا الله و الله اکبر**'' تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں میرے بندے نے سچ کہا میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں سب سے بڑا ہوں۔

(۶۵) ذکر سے جنت میں گھر تعمیر ہوتے ہیں جب بندہ ذکر سے رک جاتا ہے تو فرشتے تعمیر سے رک جاتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فلاں تعمیر کو تم نے کیوں روک دیا تو وہ کہتے ہیں کہ اس تعمیر کا خرچ ابھی تک نہیں آیا ہے۔ جو شخص **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم** سات مرتبہ پڑھے ایک گنبد اس کے لئے جنت میں تعمیر ہو جاتا ہے۔

(۶۶) ذکر جہنم کے لئے آڑ ہے اگر کسی بدعملی کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو جائے تو ذکر درمیان میں آڑ بن جاتا ہے اور جتنی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی پختہ آڑ ہوگی۔

(۶۷) ذکر کرنے والے کے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا کہ جب بندہ ''**سبحان الله وبحمده**'' یا ''**الحمد لله رب العالمین**'' کہتا ہے تو فرشتے دعاء کرتے ہیں کہ اے اللہ اس کی مغفرت فرما۔

(۶۸) جس پہاڑ پر یا میدان میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ فخر کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ پہاڑ دوسرے پہاڑ کو آواز دیکر پوچھتا ہے کہ کوئی ذکر کرنے والا آج تجھ پر سے گذرا ہے اگر وہ کہتا ہے گذرا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔

(۶۹) ذکر کی کثرت نفاق سے بری ہونے کا اطمینان (سند) ہے کیونکہ اللہ جل شانہ نے منافقوں کی صفت یہ بیان کی ہے کہ ''**لا یذکرون الله الا قلیلا**'' نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر تھوڑا سا۔ کعب احبار سے نقل کیا گیا ہے جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرے وہ نفاق سے بری ہے۔

(۷۰) تمام نیک اعمال کے مقابلہ میں ذکر کے لئے ایک خاص لذت ہے جو کسی

عمل میں بھی نہیں پائی جاتی اگر ذکر میں لذت کے سوا کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تو یہی چیز اس کی فضیلت کے لئے کافی تھی۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ لذت پانے والے کسی چیز میں بھی ذکر کے برابر لذت نہیں پاتے۔

(۷۱) ذکر کرنے والوں کے چہرہ پر دنیا میں رونق اور آخرت میں نور ہوگا۔

(۷۲) جو شخص راستوں میں، گھروں میں، سفر میں، حضر میں کثرت سے ذکر کرے قیامت میں اس کے گواہی دینے والے کثرت سے ہوں گے۔ حق تعالی قیامت کے دن کے بارے میں فرماتے ہیں: "**یومئذ تحدث أخبارها**" اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو اس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہؓ نے لاعلمی ظاہر کی تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس مرد و عوت نے جو کام زمین پر کیا ہے وہ بتائے گی کہ فلاں دن فلاں وقت مجھ پر یہ کام کیا ہے- نیک ہو یا بد- اس لئے مختلف جگہوں میں کثرت سے ذکر کرنے والوں کے گواہ بھی زیادہ ہوں گے۔

(۷۳) زبان جتنی دیر ذکر میں مشغول رہے گی لغویات، جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے محفوظ رہے گی اس لئے کہ زبان چپ تو رہتی ہی نہیں یا ذکر اللہ میں مشغول ہوگی ورنہ لغویات میں۔ اسی طرح دل کا حال ہے کہ اگر وہ اللہ کی محبت میں مشغول نہ ہوگا تو مخلوق کی محبت میں مبتلا ہوگا۔

(۷۴) شیاطین آدمی کے کھلے دشمن ہیں اور ہر طرح سے اس کو وحشت میں ڈالتے رہتے ہیں اور ہر طرف سے اس کو گھیرے رہتے ہیں جس شخص کا یہ حال ہو کہ ہر وقت اس کے دشمن اس کا محاصرہ کئے رہتے ہوں اس کا جو حال ہوگا ظاہر ہے اور دشمن بھی ایسے کہ ہر ایک ان میں سے یہ چاہے کہ جو تکلیف بھی پہنچا سکوں پہنچاؤں۔ ان لشکروں کو ہٹانے والی ذکر کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔ بہت سی احادیث میں بہت سی دعائیں آئی ہیں جن کے پڑھنے سے شیطان قریب بھی نہیں آتا اور سوتے وقت پڑھنے سے رات بھر حفاظت رہتی ہے۔ حافظ ابن قیم نے بھی ایسی متعدد دعائیں ذکر کی ہیں۔

ان کے علاوہ مصنف نے چھ نمبروں میں انواع ذکر کا تفاضل اور ذکر کی بعض کلی فضیلتیں ذکر کی ہیں اوراس کے بعد پچھتر فصلیں خصوصی دعاؤں میں، جو خاص خاص اوقات میں وارد ہوئی ہیں ذکر کی ہیں، جن کو اختصار کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے کہ توفیق والے کے لئے جو ذکر کیا گیا ہے یہ بھی کافی سے زیادہ ہے اور جس کو توفیق نہیں ہے اس کے لئے ہزارہا فضائل بیکار ہیں۔

"وما توفيقی الا بالله عليه توكلت وإليه أنيب"

رسالہ ذکراللہ ص ۷۰

فضائل اعمال ص ۴۴۳

الوابل الصیب (ذکراللہ وفوائدہ) ۱/۷۱۱

انبیاء علیہم السلام اور ذکر اجتماعی وجہری

(۱) حضرت داود علیہ السلام کا ذکر اجتماعی وجہری:

قال الله تعالی :

(ا) انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشي والاشراق والطير محشورة كل له اوّاب ".(۱)

(۲) وسخرنا مع داؤد الجبال يسبحن والطير. (۲)

ترجمہ: (ا) ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شریک ہو کر صبح وشام تسبیح کیا کریں اوراسی طرح پرندوں کو بھی یہی حکم دے رکھا تھا جو کہ تسبیح کے وقت ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے اور سب ان کی تسبیح کی وجہ سے مشغول ذکر رہتے۔

ترجمہ: (۲) ہم نے حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ ان کی تسبیح کے ساتھ وہ بھی تسبیح کیا کرتے تھے اوراسی طرح پرندوں کو بھی۔

بیان القرآن میں ہے:

يوخذ منه امران الأول الإجتماع على الذكر تنشيطا للنفس وتقوية للهمة وتعاكس بركات الجماعة من بعض على بعض " (۳)

معارف القرآن میں ہے:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک لطیف توجیہ فرمائی ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی

---

(۱) سورۃ ص ، الآية : ۱۸، ۱۹۔

(۲) سورة الأنبياء ، الآية : ۷۹۔

(۳) بيان القرآن ۳/ ۳۸۔

تسبیح سے ذکر و شغل کا ایک خاص کیف پیدا ہو گیا تھا جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی وہمت پیدا ہوتی ہے اور اجتماعی ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ذکر کی برکتوں کا ایک دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے۔صوفیائے کرام کے یہاں ذکر و شغل کا ایک خاص طریقہ معروف ہے جس میں ذکر کرتے ہوئے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ پوری کائنات ذکر کر رہی ہے۔اصلاح باطن اور شوق عبادت میں اس طریقہ کی عجیب تاثیر ہے۔اس آیت سے اس طریقہ ذکر کی بنیاد بھی مستنبط ہوتی ہے۔(۱)

تفسیر مظہری میں ہے:

محشورة أى مجتمعة اليه من كل جانب تسبح معه كل أى كل واحد من الجبال والطير له اواب اى رجاع الى التسبيح بتسبيحه والفرق بينه وبين ما قبله انه يدل على المرافقة فى التسبيح وهذا على المداومة عليها ".(۲)

تفسیر ابوالسعود میں ہے:

يسبحن أى يقدسن الله عزوجل معه بصوت يتمثل له أو يخلق الله تعالى فيها الكلام". (۳)

روح المعانی میں ہے:

(يسبحن) يقدسن الله تعالى بلسان القال كما سبح الحصا فى كف رسول الله ﷺ وسمعه الناس، وكان عند الأكثرين يقول: سبحان الله تعالى، وكان داؤد عليه السلام وحده يسمعه على ماقاله يحيىٰ بن سلام، وقيل: يسمعه كل أحد ". (٤)

(۱) معارف القرآن ۴۹۶/۷۔

(۲) تفسیر مظهری ۱۶۰/۸۔

(۳) تفسیر ابو السعود ۲۵۰/۴۔

(٤) روح المعانی ۷۶/۱۷۔

احکام القرآن میں ہے:

(وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن) قال وھب: کان داؤد یمر بالجبال مسبحا والجبال تجاوبه بالتسبیح وکذالک الطیر . وقیل کان داؤد إذا وجد فترة أمر الجبال فسبحت حتی یشتاق.(۱)

مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کی تسبیح آواز بازگشت نہیں تھی بلکہ اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے کلام پیدا فرمایا تھا جو ذکر اجتماعی اور جہری کے لئے معاون بنا تھا۔

فائدہ: ان آیات اور تفاسیر سے پتہ چلتا ہے کہ داود علیہ السلام کا ذکر پہاڑوں اور پرندوں کے ساتھ یہ ذکر اجتماعی اور جہری تھا۔

(۲) حضرت یونس علیہ السلام اور ذکر جہری:

قال اللہ تعالی: وذا النون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیه فنادی فی الظلمٰت ان لا الٰه الا انت سبحٰنک انی کنت من الظلمین".(۲)

ترجمہ: مچھلی والے نبی جب قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے اور گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں ڈالیں گے تو اندھیروں میں اپنے رب کو پکارا۔

فائدہ: حضرت یونس علیہ السلام نے بلند آواز سے اللہ کا ذکر کیا جس میں ضمنا دعا بھی ہے۔

ندا بلند آواز سے پکارنے کو کہتے ہیں۔

المعجم الوسیط میں ہے:

"نادی الشئ مناداة ونداء فلانا دعاه وصاح بأرفع الأصوات" (۳)

---

(۱) تفسیر قرطبی ۱۱/۲۱۲۔

(۲) سورۃ الأنبیاء، الأیة ۸۷۔

(۳) المعجم الوسیط ص۹۱۲۔

القاموس الوحید میں ہے:

" **نادی فلانا** : زور سے پکارنا آواز دینا۔(۱)

مصباح اللغات میں ہے: **نادی الرجل** : پکارنا۔(۲)

لغات کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ نادی کے معنی بلند آواز سے پکارنا ہے۔

(۳) حضرت ایوب علیہ السلام اور ذکر جہری:

قال اللہ تعالی : " وایوب اذ نادی ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین ". (۳)

ترجمہ: اور حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ کا تذکرہ کیجئے جب انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔

فائدہ: حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا اس میں دعا ہے اور ذکر جہری بھی ہے۔**وانت ارحم الراحمین** اس کا قرینہ ہے۔

(۴) حضرت موسی علیہ السلام کا ذکر اجتماعی:

" **کی نسبحک کثیرا ونذکرک کثیرا** " (٤)

ترجمہ: تاکہ ہم مل کر آپ کی خوب کثرت سے پاکی بیان کریں اور آپ کا خوب کثرت سے ذکر کریں۔

معارف القرآن میں ہے:

یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کو وزیر اور شریک نبوت بنانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح و ذکر کیا کریں گے۔ یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ تسبیح و ذکر ایسی چیز ہے کہ ہر انسان تنہا بھی جتنا چاہے کرسکتا ہے اس کے لئے کسی ساتھی کے عمل کا

---

(۱) القاموس الوحید ۲/۱٦۲۸۔ (۲) مصابح اللغات ص ۸٦٥

(۳) سورۃ الأنبیاء ، الآیۃ ۸۳ (٤) سورہ طہ ، الآیۃ : ۳۳

کیا دخل؟ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر وتسبیح میں ساز گار ماحول اور اللہ والے ساتھیوں کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ذکر اللہ میں مشغول رہنا چاہے اس کو ساز گار ماحول کی بھی تلاش کرنا چاہیے۔ یاد رہے کہ یہاں تسبیح عام ہے سری اور جہری دونوں کو شامل ہے۔(۱)

فائدہ: اس آیت کریمہ سے اجتماعی ذکر کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) معارف القرآن ۶/۷۹۔

ذکر جہری کا ثبوت قرآن واحادیث کی روشنی میں

فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم آبائکم أو أشد ذکراً. (۱)

ترجمہ: پھر جب تم حج کے اعمال پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء واجداد کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑھ کر ہونا چاہیے۔

فائدہ: اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ ذکر اللہ جہراً ہونا چاہیے، کیونکہ جاہلیت میں آباء واجداد کا تذکرہ فخریہ اور علانیہ کرتے تھے سراًیا چھپ کر یا دل دل میں نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے:

کانت عادة العرب إذا قضت حجها تقف عند الجمرة ، فتفاخر بالآباء ، تذکر أیام أسلافها من بسالة و کرم ، وغیر ذلک ، حتی ان الواحد منهم لیقول: اللهم إن أبی کان عظیم القبة ، عظیم الجفنة، کثیر المال ، أعطنی مثل ما أعطیته ، فلا یذکر غیر أبیه، فنزلت الآیة لیلزموا أنفسهم ذکر اللہ أکثر من التزامهم ذکر آبائهم أیام الجاهلیة . هذا قول جمهور المفسرین . (۲)

ترجمہ: جب عرب کے لوگ حج پورا کرتے تھے تو جمرہ کے پاس کھڑے ہوکر آباء واجداد کے مناقب ذکر کرتے تھے۔ ایک ان میں سے کہتا تھا میرے باپ کے مکان کا

---

(۱) سورۃ البقرۃ ، الآیۃ: ۲۰۰۔

(۲) تفسیر قرطبی ۲/۲۸۵۔

گنبد اونچا تھا، اس کے کھلانے کا برتن بڑا تھا، مال زیادہ تھا مجھے ان جیسی نعمتیں دیدے۔ تو صرف اپنے والد کو یاد کرتا تھا۔ تو آیت نازل ہوئی اور یہ بتلایا کہ اپنے آباءواجداد سے اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرلیا کرو۔ جمہور مفسرین نے یہی کہا ہے۔

الفتوحات الالٰہیہ میں ہے:

(قوله كذكركم آباء كم) فقد كانت العرب إذا فرغوا من حجهم وقفوا بمنى وقيل عند البيت فيذكرون فضائل آبائهم ومناقبهم فيقول أحدهم كان أبي كبير الجفنة يقرى الضيف وكان كذا وكذا فيعدد مناقبه ويتناشدون في ذلك الأشعار ويتكلمون بالمنثور والمنظوم من الكلام الفصيح وغرضهم بذلك الشهرة والسمعة والرفعة فلما من الله عليهم بالإسلام أمرهم أن يكون ذكرهم لله لا لآبائهم .(۱)

ترجمہ: جب عرب حج سے فارغ ہوجاتے تھے تو منیٰ میں اور بعض کہتے ہیں کہ بیت اللہ کے پاس کھڑے ہوجاتے تھے اور اپنے آباءواجداد کے مناقب وخوبیاں ذکر کرتے تھے۔ کوئی کہتا تھا میرے والد کے کھلانے کے برتن بڑے تھے، مہمانوں کو کھلاتے تھے اور ایسے تھے ویسے تھے۔ ان کی غرض شہرت وریاکاری اور سربلندی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام سے مشرف کیا تو ان کو حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں آباءواجداد کا ذکر نہ کریں۔

قال الله تعالى: ”ومن اظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه“ (۲)

جو لوگ مساجد میں ذکر اللہ سے روکتے ہیں۔ ان کو جہر ہی سے پتہ چلا کہ ذکر ہورہا ہے تو اس میں جہر بالذکر کی طرف اشارہ ہے۔(۳)

---

(۱) الفتوحات الالهية ۱/۱٦۱۔

(۲) سورة البقرة، الآية: ۱۱٤۔

(۳) امداد الفتاوی ۵/۱۵۲، فتاوی عثمانی ۱/۲۹۰۔

قال تعالی: " واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر" الآية .(۱)

ترجمہ: اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے رب کو اپنے جی میں یاد کیا کرو عاجزی سے اور خوف سے اور زیادہ پکار کر نہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے تالیفات رشیدیہ میں اس آیت کریمہ کو ذکر جہری پر محمول فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں دون الجہر بھی جہر ہے کہ ادنی درجہ ہے۔(۲)

وذا النون اذ ذهب مغاضبا فظن ان لن نقدر عليه فنادى في الظلمت ان لا اله الا انت سبحنك اني كنت من الظلمين".(۳)

مچھلی والے نبی جب قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے اور گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں ڈالیں گے تو اندھیروں میں اپنے رب کو پکارا۔

فائدہ: حضرت یونس علیہ السلام نے بلند آواز سے اللہ کا ذکر کیا جس میں ضمنا دعاء بھی ہے۔ندا بلند آواز سے پکارنے کو کہتے ہیں۔اللہ تعالی فرماتے ہیں: " **ان الذين ينادونك من وراء الحجرات اكثرهم لا يعقلون** ".(٤)

ترجمہ: جو لوگ حجرے کے باہر سے آپ ﷺ کو پکارتے ہیں ان میں اکثروں کو عقل نہیں ہے۔

(۴۱) قال أبو داود : حدثنا محمد بن حاتم بن بزيع نا أبو نعيم عن محمد بن مسلم عن عمرو بن دينار قال اخبرني جابر بن عبد الله

---

(۱) سورة الأرعاف، الآية: ۲۰۵۔

(۲) تاليفات رشيديه، ص۲۱۹۔

(۳) سورة الأنبياء، الآية: ۸۷۔

(٤) سورة الحجرات، الآية ٤۔

أوسمعت جابر بن عبد الله قال : " رأى ناس نارا فى المقبرة فاتوها فاذا رسول الله ﷺ فى المقبرة واذا هو يقول : ناولونى صاحبكم واذا هو الرجل الذى كان يرفع صوته بالذكر ". (۱)

---

(۱) أخرجه أبو داود ۲/۴۵۱، فى الجنائز باب دفن الليل – ورجاله ثقات۔

– **محمد بن حاتم بزيع** ۔ قال النسائى: ثقة، قال الذهبى:ثقة، قال فى التقريب: ثقة و– **أبو نعيم فضل بن دكين** وهو لقب، اسمه عمرو بن حماد الملائى الكوفى ۔ قال يعقوب بن شيبة : ثقة ، ثبت صدوق ، قال أبو زرعة الدمشقى قال احمد بن صالح : مارأيت محدثا أصدق من أبى نعيم ۔ قال على بن المدينى: أبو نعيم من الثقات، قال أبو حاتم: ثقة، قال العجلى: كوفى ثقة ، ثبت فى الحديث ، قال احمد : قال يحيىٰ وعبد الرحمن : أبو نعيم الحجة، الثبت.و – **محمد بن مسلم الطائفى** يعد فى المكيين۔قال يحيىٰ بن معين:ثقة لابأس به۔قال البخارى: قال ابن مهدى:كتبه صحاح۔ قال أبو داود : ليس به بأس ۔ قال العجلى ثقة ۔ قال يعقوب بن سفيان: ثقة لابأس به، قال ابن عدى:هو صالح الحديث لاباس به لم أرله حديثاً منكراً وله فى مسلم حديث واحد متابعة، قال النووى وسنده على شرط الشيخين ۔ عمدة القارى۸/۱۲۱، وقال الأندلسى فى تحفة المحتاج: رواه أبو داود بإسناد على شرط الصحيح لا جرم.

–والحاكم فى المستدرك۲/۳۴۵،وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه۔واقره الذهبى أيضاً۱/۳۶۸ فى الجنائزباب فضيلة رفع الصوت بالذكروصححه،والبيهقى فى شعب الإيمان ۲/۴۷۷،فصل فى إدامة ذكر الله عزوجل،وعلى حاشيته قال إسناده حسن۔وأبونعيم فى الحلية ۳/۳۵۱،والبيهقى فى الكبرى۴/۳۱،وفى شرح المعانى الآثار۱/۳۴۴،باب الدفن بالليل ۔والمعجم الكبير۲/۱۸۲عن جابر بن عبد الله بن عمروحزام بن ثعلبة ورواه الترمذى من حديث ابن عباس وقال حديث ابن عباس حديث حسن۱/۲۰۴،باب ما جاء فى الدفن بالليل .

ابوداود شریف کی روایت پر البانی صاحب کا اعتراض اور اس کا جواب:

اشکال : شیخ البانی نے ابوداود شریف کی تعلیقات میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے ، اور مزید براں احکام الجنائز میں مسلم بن طائفی کو ضعیف الحفظ قرار دیکر تصحیح کرنے والے ائمہ کی طرف خطا کی نسبت کی ہے۔

ملاحظہ ہو احکام الجنائز میں لکھتے ہیں:

أخرجه أبوداود (۲/۶۳) **والحاكم** (۱/۳۶۸) **والبيهقي** (۴/۵۳) **وقال الحاكم: صحيح على شرط مسلم ، ووفقه الذهبي، وزاد عليهما النووي فقال في المجموع** (۵/۳۰۲)**: رواه أبوداود بإسناد على شرط البخارى ومسلم . قلت: وكل ذلك خطأ ، فإن مدار إسناده على محمد بن مسلم الطائفي ، وهو وإن كان ثقة في نفسه، فقد كان ضعيفاً في حفظه ، ولذلك لم يحتج الشيخان به ، وإنما روى له البخارى تعليقاً ، ومسلم استشهاداً...** (احکام الجنائز، ص۱۴۲).

نیز عبدالمجید سلفی نے المعجم الکبیر کی تعلیقات (۲/۱۸۲) میں محمد بن مسلم کو ضعیف الحفظ قرار دیکر حدیث کو ضعیف کہا۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بعض ائمہ کے نزدیک صحیح ہے اور اکثر کے نزدیک حسن ہے، اس سے کم نہیں ، اور حق ان ائمہ ومحدثین کے ساتھ ہے اور البانی صاحب کا اعتراض بے جا ہے۔

ملاحظہ ہومحمود سعید ممدوح " التعریف بأوهام من قسم السنن إلى صحيح وضعيف " (۵/۱۹۰) میں فرماتے ہیں:

قلت: هذا حديث صحيح ، والصواب مع الحفاظ الذين صححوا حديث محمد بن مسلم الطائفي كالحاكم ، والنووی ، والذهبی رحمهم الله تعالیٰ .

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده حسن ، محمد بن مسلم ، وهو الطائفي، صدوق حسن الحديث ،...(تعليقات سنن أبی داود:۵/۷٦/٣١٦٤).

عبدالعلی عبدالمجید نے الجامع لشعب الایمان کی تعلیقات میں محمد بن مسلم کوحسن الحدیث اورحدیث کوحسن کہاہے۔

ابن الملقن نے تحفۃ المحتاج (۸۸۱) میں **إسناده على شرط الصحيح لاجرم،** کہا۔

امام نوویؒ نے خلاصۃ الاحکام (۳۴۶۵) میں فرمایا: **رواه أبو داود بإسناد على شرط الصحيحين ۔**

امام حاکمؒ نے مستدرک (۱۳۶۲) میں اس کی تصحیح کی ہےاورحافظ ذہبیؒ نے اس پر سکوت کیاہے۔

محمد بن مسلم الطائفی پرکلام ملاحظہ ہو:

فقد وثقه ابن معين ، وأبو داود ، ويعقوب بن سفيان، والعجلي، وابن حبان ، وقال ابن عدی: وله أحاديث حسان غرائب ، وهو صالح الحديث لا بأس به ، لم أر له حديثاً منكراً . وقال ابن مهدی : كتبه صحاح . وقال عباس الدوری: لابأس به ، وكان ابن عيينة اثبت منه ومن أبيه ومن أهل قريته ، وكان إذا حدث من حفظه يخطئ ، وإذا حدث من

کتابه فليس به بأس ، وابن عيينة أثبت منه في عمرو بن دينار وأوثق ، ومحمد أحب إلي في عمرو من داود العطار . وقال الساجی : صدوق يهم فی الحديث ، وقال ابن حبان: كان يخطئ . وقال ابن حجرفی التقريب: صدوق يخطئ . وضعفه أحمد . (ملخص من تهذيب الكمال وتعليقاته:٢٦/٤١٤،وتحرير التقريب للدكتور بشارعواد:٣/٣١٧).

وللمزيد انظر: (التعريف بأوهام من قسم السنن إلى صحيح وضعيف:٥/١٩٠-١٩٢،باب فی الدفن بالليل،وتهذيب التهذيب لابن حجرؒ).

خلاصہ یہ ہے اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے محمد بن مسلم کی توثیق کی ہے لہذا حسن الحدیث ہے، بنابریں ابوداود شریف کی مذکورہ بالا روایت حسن ہوگی۔

مزید براں اس روایت کا درجِ ذیل شاہد موجود ہے:۔

أخرجه الحاكم فی المستدرک (١٣٦٣) وأبويعلی فی مسنده (٨٤٧) عن أبی ذرؓ . قال الحافظ البوصيری فی الزوائد (١٩٦٥): رواه أبويعلی بسند ضعيف لجهالة بعض رواته.

قال محمود سعيد ممدوح: شعبة لا يحمل عن مشايخه إلا صحيح حديثهم ، نص على ذلک الحافظ فی الفتح ، فهذا شاهد قوی . (التعريف بأوهام من قسم السنن إلى صحيح وضعيف:٥/١٩٢،باب فی الدفن بالليل).

والله تعالىٰ أعلم بالصواب .

(۴۲) قال الإمام البيهقی : أخبرنا أبو عبد الله الحافظ حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب حدثنا احمد بن عبد الحميد الحارثی حدثنا اسحاق بن منصور السلولی حدثنا محمد بن مسلم الطائفی عن عمرو بن دينار عن جابر: " ان رجلا كان يرفع صوته بالذكر فقال

رجل: لو أن هذا خفض من صوته فقال رسول الله ﷺ: فانه اواه، قال: فمات فرای رجل نارا فی قبره فاتاه فاذا رسول الله ﷺ فیه وهو یقول هلموا صاحبکم فاذا هو الرجل الذی کان یرفع صوته بالذکر".(۱)

(۴۳) قال البیهقی رحمه الله تعالی: أخبرنا أبو زکریا بن اسحاق أخبرنا أبو عبد الله محمد بن یعقوب حدثنا أبو أحمد محمد بن عبدالوهاب أخبرنا جعفر بن عون أخبرنا هشام بن سعد عن زید بن أسلم قال ابن الأدرع کنت أحرس رسول الله ﷺ لیلة فخرج رسول الله ﷺ فأخذ بیده فانطلقت معه فمر برجل فی المسجد یصلی رافعا صوته قلت یا رسول الله عسی أن یکون هذا مرائیا قال: لا ولکنه أواه، قال: فذهبت بعد ذلک انظر من هو فإذا هو عبد الله ذو النجادین، قال أبو أحمد: إنما هو البجادین.(۲)

(۴۴) قال الإمام البیقهی رحمه الله تعالی: أخبرنا عبد الخالق بن علی المؤذن أخبرنا أبو بکر بن خنب حدثنا محمد بن اسماعیل الترمذی حدثنی ایوب بن سلیمان حدثنی أبو بکر بن أبی أویس عن سلیمان بن بلال عن أبی عبد العزیز الربذی عن سعید بن أبی سعید عن ابن الأدرع الأسلمی قال:" جئت لیلة أحرس رسول الله ﷺ فإذا أنا

---

(۱) أخرجه البهقی فی شعب الإیمان ۲/۴۷۷، فصل فی إدامة ذکر الله عزوجل وعلی هامشه إسناده حسن۔ والحاکم فی المستدرک ۱/۳۶۸، فی الجنائز فضیلة رفع الصوت بالذکر۔ قال الذهبی: هکذا رواه اسحاق السلولی۔ وقال ابن حجر فی تهذیب التهذیب ۱/۲۲۷، قال ابن معین: لیس به باس ۔ قلت: قال العجلی کوفی ثقة ۔

(۲) أخرجه البیهقی فی شعب الإیمان ۲/۴۷۳، وعلی هامشه إسناده، رجاله ثقات ۔ وأحمد فی مسنده ج۴/۳۳۷ من حدیث ابن ادرع ۔ ومجمع الزوائد ۹/۳۶۹، باب ما جاء فی عبد الله بن أبی البجادین، وقال الهیثمی: رواه أحمد ورجاله رجال الصحیح ۔

بعبد الله ذی البجادين يقرأ فی المسجد عالية قراء ته، قال: فخرج علی رسول اللهﷺ فقلت: يا رسول الله ﷺ بأبی أنت وأمی أمراء هذا؟ قال: معاذ الله هذا عبد الله ذو البجادين، قال: ثم توفی بالمدينة فلما رفع نعشه، قال رسول الله ﷺ: ارفقوا به رفق الله عليه، ثم حضر حفرته فقال: وسعوا له وسع الله عليه، قال بعض أصحاب رسول الله ﷺ: أحزنت به يا رسول الله؟ قال: انه يحب الله ورسوله". (۱)

تنبیہ: عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں، بعض میں ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنے کا ذکر ہے اور بعض میں تلاوتِ قرآن کے ساتھ آواز بلند کرنے کا ذکر ہے اور بعض میں دعا میں آواز بلند کرنے کا ذکر ہے۔

وأخرج أحمد والطبراني عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لرجل يقال له ذو البجادين: إنه أواه وذلك أنه كثير الذكر لله عزوجل في القرآن وكان يرفع صوته في الدعاء، قال الهيثمي وإسناده حسن. (۲)

ان روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ وہ رفع صوت کے عادی تھے اس لیے تلاوت میں ذکر میں دعا میں سب میں آواز بلند کرتے تھے۔

(۴۵) قال الإمام البيهقي: أخبرنا أبو عبد الله الحافظ حدثنا

(۱) أخرجه البيهقي في شعب الإيمان ۲/۴۷۵۔ وابن ماجة ص۱۱۲، فی الجنائز۔ مصباح الزجاجة ۱/۵۰۴ رقم ۱۵۵۹۔ قال فيه بعد ذكر الحديث اسناد حديثه ضعيف لضعف موسى بن عبيدة الربذي - رواه أبو بكر بن أبي شيبة في مسنده بتمامه هكذا وله شاهد من حديث هشام بن عامر رواه أصحاب السنن الأربعة۔

(۲) مجمع الزوائد: ۹/۳۶۹۔

أبـو العباس محمد بن يعقوب حدثنا محمد بن اسحاق حدثنا سعيد بن أبي مريم عن ابي لهيعة حدثني الحارث بن يزيد عن علي بن رباح عن عقبة بن عامر ان رسول الله ﷺ قال لرجل يقال له ذو البجادين :" أنه اواه وذلک انه كان يكثر ذكر الله بالقرآن والدعاء ".(۱)

ذکر کردہ احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک صحابی حضرت عبداللہ ذوالبجادین مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرتے تھے ایک مرتبہ آپ کا گذر مسجد سے ہوا آپ ﷺ کے ساتھ ابن الادرع تھے انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ شخص ریا کار ہوسکتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا معاذ اللہ (اللہ کی پناہ) یہ تو عبداللہ ذوالبجادین ہے یہ تو اواہ ہے (گڑگڑانے والے ہیں) نیز ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا کہ کاش یہ شخص اپنی آواز پست کرے آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو اواہ ہے جب ان کا انتقال ہوا تو کچھ لوگوں نے قبرستان میں چراغ روشن دیکھے جب وہاں جا کر دیکھا تو آپ ﷺ قبر میں اترے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں لاؤ اپنے ساتھی کو مجھے پکڑا دو اور نرمی کرو اللہ تعالی نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمایا ہے، جب قبر کھودی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا وسعت رکھو اللہ نے وسعت فرمائی بعض نے عرض کیا آپ کو غم ہوا اس کی وفات کی وجہ سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے تھے۔ صحابی کہتے ہیں نعش کو جب دیکھا تو وہی صحابی تھے جو مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ ذوالبجادین کا واقعہ ایمان افروز واقعہ ہے اس سے عبرت ملتی ہے اور تمام مسائل بھی حل ہو جاتے ہیں کہ مسجد میں ذکر جہری کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی لہٰذا مسجد میں ذکر جہری کرنے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا بلکہ یہ حضرات قابل تعریف اور قابل رشک ہیں۔

---

(۱) أخرجه البيهقي في شعب الإيمان ٢/٤٧٥، وأحمد في مسنده ٤/١٥٩، والهيثمي في مجمع الزوائد ٩/٣٦٩، وقال: رواه أحمد والطبراني وإسناد هما حسن ـ معجم كبير للطبراني ١٧/٢٩٥ـ

(۴۶) قال الحاكم : أخبرني عبدالله بن موسى نا محمد بن ايوب انبأ أحمد بن عيسى وحدثنا محمد بن صالح ثنا محمد بن اسمعيل ثنا أبو طاهر قالوا ثنا عبد الله بن وهب قال واخبرني عمرو بن الحارث: ان دراجا ابا السمح حدثه عن أبي الهيثم عن أبي سعيد الخدري : " أن رسول الله ﷺ قال أكثروا ذكر الله حتى يقولوا مجنون ".(۱)

فیض القدیر میں ہے:

وأخذا المؤلف من هذا الحديث ونحوه أن ما اعتاده الصوفية من عقد حلق الذكر والجهر به في المساجد ورفع الصوت بالتهليل لا كراهة فيه ذكره في الفتاوى الحديثية قال: وقد وردت أخبار تقتضي ندب الجهر بالذكر وأخبار تقتضي الاسراء به والجمع بينهما ان ذلك يختلف باختلاف الاحول والاشخاص كما جمع النووي به بين الأحاديث الواردة بندب الجهر بالقراءة والواردة بندب الاسراء بها.(۲)

مذکورہ تشریح کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث اوران جیسی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ حضرات کے یہاں جوذکر کے حلقے لگتے ہیں اور مساجد میں ذکر اجتماعی کی مجلس لگتی ہیں نیز لا الہ الا اللہ کے ورد میں آواز بلند کرتے ہیں (یعنی ذکر جہری کرتے ہیں) اس میں کوئی کراہت نہیں بلکہ بہت ساری احادیث سے ذکر جہری کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

---

(۱) أخرجه الحاكم في مستدركه ۱/۴۹۹۔ وأخرجه أحمد عن أبي سعيد ، مسند احمد ۳/۶۸ وكذا ۳/۷۱ ۔ وابن السني في عمل اليوم والليلة ، رقم ٤ ، وابن عدي في الكامل في الضعفاء ۳/۹۸۰ ، بيهقي في شعب الايمان ۲/٤۲۱ فصل في إدامة ذكر الله عزوجل ۔ وأبويعلى في مسنده ۲/۱۳۰، رقم ۱۳۷۱ ۔ و الهيثمي في مجمع الزوائد ۱/۷۵ عن أبي سعيد رواه أحمد وأبو يعلى وفيه دراج وقد ضعفه جماعة وضعفه غير واحد وبقية رجال أحد اسنادي أحمد ثقات ۔

(۲) فيض القدير ۲/۸٤۔

(۴۷) قال الطبرانی : حدثنا عبد الله بن أحمد ثنا عقبة بن مکرم العمی ثنا سعید بن سفیان الجحدری ثنا الحسن بن أبی جعفر عن عقبة بن أبی ثبیت الراسی عن أبی الجوزاء قال: قال رسول الله ﷺ ''اکثروا ذکر الله حتی یقول المنافقون انکم تراؤن '' .(۱)

فضائل اعمال میں ہے:

فائدہ: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافقوں یا بےوقوفوں کے ریا کار کہنے یا مجنون کہنے سے ایسی بڑی دولت چھوڑنا نہ چاہیے بلکہ اس کو کثرت اور اہتمام سے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ تم کو پاگل سمجھ کر تمھارا پیچھا چھوڑ دیں۔اور مجنون جب ہی کہا جائیگا جب نہایت کثرت سے اور زور سے ذکر کیا جائے آہستہ میں یہ بات نہیں ہوسکتی۔

(۴۸) قال الحاکم : حدثنا أبو بکر بن اسحاق انبا اسمعیل بن عیاش عن راشد بن شداد بن داود عن یعلی بن شداد قال حدثنی أبی شداد بن اوس وعبادة بن الصامت حاضر یصد قه قال: انا لعند رسول الله ﷺ اذ قال : هل فیکم غریب (یعنی اهل الکتاب) قلنا لا یا رسول الله فامر بغلق الباب فقال ارفعوا ایدیکم فقولو لا اله الا الله فرفعنا ایدینا ساعة ثم وضع رسول الله ﷺ یده ثم قال الحمد لله اللهم انک بعثتنی بهذه الکلمة وامرتنی بها ووعدتنی علیها الجنة انک لا تخلف المیعاد ، قال: ''ابشروا فان الله قد غفر لکم .'' (۲)

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی ۱۲/۱۶۹/ ۱۲۷۸۶ ، کتاب الزهد عبد الله بن مبارك رقم ۱۰۲۲ ، وعند احمد فی زهده (۱۰۸) ۔ أبو نعیم فی الحلیة ۳/ ۱۸۰ ۔ مجمع الزوائد ۱۰/۷۶ ، وقال الهیثمی : رواه الطبرانی وفیه الحسن بن أبی جعفر الجفری وهو ضعیف ۔

(۲) رواه الحاکم۱/۱ ۵۰،وقال:حال اسماعیل بن عیاش یقرب من الحدیث قبل هذا فانه أحد ائمة اهل العلم الشام وقد نسب الی سوء الحفظ وانا علی شرطی فی امثاله، وقال الذهبی راشد ضعفه الدار قطنی وغیره ووثقه دحیم وابن معین۔مسند بزار ۷/۱۵۷،۸/۴۰۸ ۔ مسند الشامیین۲۱/۱۵۷، وروایة اسماعیل بن عیاش عن اهل الشام حسنة وراشدبن داوددمشقی. قال الحافظ: صدوق له اوهام، وقال الدکتوربشاروشعیب:ضعیف، ووثقه ابن معین وابن حبان. واسمعیل بن عیاش =

خلاصہ: ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا تم میں کوئی کتابی (غیر مسلم) ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا دروازہ بند کرنے کا اور فرمایا ہاتھ اٹھاؤ اور لا الہ الا اللہ پڑھو۔ صحابہ نے ہاتھ اٹھائے اور کچھ دیر ذکر کیا پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اے اللہ! بے شک تو نے مجھے اس کلمہ کو لیکر بھیجا اور اس کا حکم دیا اور اس کلمے پر جنت کا وعدہ کیا بے شک تو وعدہ خلافی سے پاک ہے، پھر ارشاد فرمایا خوشخبری حاصل کرو بے شک اللہ تعالی نے تمھاری مغفرت فرمادی۔

(فیض القدیر میں علامہ مناوی نے اس حدیث کو جہر پر محمول فرمایا ہے۔(۱))

فائدہ: اس حدیث میں نبی پاک ﷺ نے بنفس نفیس صحابہ سے فرمایا: **قولوا لا الہ الا اللہ** (یہ مطلق ہے اور ذکر جہری اس سے مستفاد ہوتا ہے۔) پھر صحابہ کو مغفرت کی خوشخبری سنائی اس سے بخوبی ذکر جہری کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔

(۴۹) عن أنس : ان رسول الله ﷺ غزا خيبر قال فصلينا عندها صلوة الغداة بغلس فركب نبي الله ﷺ إلى قوله – فلما دخل القرية قال الله أكبر خربت خيبر انا اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين قالها ثلاث مرات . (۲)

خلاصہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے غزوہ خیبر فرمایا تو خیبر کے قریب صبح کی نماز پڑھنے کے بعد حضور ﷺ بستی میں تشریف لے گئے اور تین مرتبہ بلند آواز سے تکبیر یعنی اللہ اکبر پڑھا اور فرمایا خیبر برباد ہوا۔

(۵۰) عن عبد الله قال : قال لنا رسول الله ﷺ : " اما ترضون ان تكونوا ربع اهل الجنة قال فكبرنا قال اما ترضون ان تكونوا ثلث

= صدوق فی روایته عن اهل بلده ومختلط فی غیرهم. (۱) فیض القدیر ۱/۴۵۷۔

(۱) مسلم ۱/۱۱۷، والترمذی ۲/۸۱، باب ما جاء فی صفة ابواب اهل الجنة ۔ مسند احمد ج۱/۳۸۶،۴۳۷۔

اهل الجنة ؟ قال فكبر نا ". الخ (۱)

خلاصہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں نبی پاک ﷺ نے ہم سے فرمایا کیا تم راضی نہ ہو کہ تم جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہو؟ صحابی فرماتے ہیں ہم نے اللہ اکبر کہا پھر حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم راضی نہ ہو کہ تم اہل جنت کے تہائی ہو؟ تو پھر صحابہ نے اللہ اکبر کہا۔

(۵۱) عن البراء قال كان النبى ﷺ ينقل التراب يوم خندق حتى اغمر او اغبر بطنه يقول ، والله لو لا الله ما اهتدينا . ولا تصدقنا ولا صلينا . فانزلن سكينة علينا . وثبت الاقدام ان لاقينا . ان الاولى قد بغوا علينا . اذا ارادو فتنة أبينا . ورفع بها صوته أبينا أبينا ". (۲)

خلاصہ: نبی کریم ﷺ غزوہ خندق کے موقع پر مٹی منتقل فرمارہے تھے آپ کا پیٹ مبارک گرد آلود ہوگیا تھا اور آپ یہ اشعار پڑھ رہے تھے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے ، نہ ہم صدقہ کرتے نہ ہم نماز پڑھتے ۔اے اللہ ہم پر رحمت وسکون نازل فرما جب دشمنوں سے مڈھ بھیڑ ہو تو ہمارے قدم جما دے ۔ کفار نے

---

(۱) بخاری ۱/۲۲۱ باب رفع الصوت بالنداء ، صحيح مسلم ۱/۴۵۹، المستدرك على الصحيحين ۲/۴۹۹، تفسير سورة الفتح ۔ صحيح ابن حبان ۱۱/۵۰، سنن كبرى للبيهقى ۲/۲۲۹، سنن كبرى ۱/۴۷۸ للنسائى ، سنن ترمذى ۲/۸۱، وقال الترمذى : هذا حديث حسن صحيح ، سنن النسائى ۱/۲۷۱، مسند ابو عوانة ۳/۵۶، شرح معانى الآثار ۳/۲۰۸ باب الامام يريد قتال اهل الحرب ، مصنف ابن أبى شيبة ۷/۳۹۳ غزوة خيبر ۔ مؤطا امام مالك ۲/۴۶۸ باب ما جاء فى الخيل المسابقة ۔

(۲) صحيح بخارى ۲/۵۸۹ باب غزوة خندق وهى الأحزاب ، مسلم ۳/۱۴۲۹ باب غزوة خيبر ، صحيح ابن حبان ۷/۴۷۰ ذكر اثبات الشهادة للمجاهد فى سبيل الله ، سنن كبرى للنسائى ۳/۲۱ ثواب من قاتل فى سبيل الله ۔ سنن أبو عوانة ۴/۳۱۵، باب الخبر الدال على ان الشهيد فى المعركة ، مصنف ابن أبى شيبة ۷/۳۷۷ غزوة خندق ، مصنف عبد الرزاق ۹/۴۱۳ باب الرجل يقتل ثم يفر۔

ہمارے اوپر زیادتی کی جب وہ فتنہ فساد کرتے ہیں تو ہم روکتے ہیں اور انکار کرتے ہیں آخری جملہ کو بلند آواز سے فرماتے تھے ابینا ابینا۔

فائدہ: ان تینوں احادیث مبارکہ سے تکبیر پڑھنا اور اشعار پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور یہ سب ذکراللہ میں داخل ہے تو اس سے ذکر جہری کی بھی طرف اشارہ ملتا ہے۔

(۵۲) وکان ابن عمر وأبو هريرة يخرجان إلى السوق فى الأيام العشر يكبران ويكبر الناس بتكبيرهما. (۱)

وكان عمر يكبر فى قبة بمنى فيسمعه اهل المسجد فيكبرون ويكبر أهل الأسواق حتى يرتج منى تكبيراً. (۲) **وقوله يرتج ... وهى مبالغة فى اجتماع رفع الأصوات.** (۳)

ترجمہ: اور حضرت عمرؓ منی مین اپنے خیمہ میں بلند آواز سے تکبیر پڑھتے تھے تو مسجد والے سن کر تکبیر پڑھتے اور بازار والے بھی تکبیر پڑھتے یہاں تک کہ منی تکبیر سے گونج اٹھتا۔

فائدہ: پہلی روایت میں مذکور ہے عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرةؓ دونوں حضرات بازار کی طرف تشریف لے جاتے اور بلند آواز سے تکبیر پڑھتے تو بازار والے بھی ان دونوں حضرات کی اقتداء میں بلند آواز سے تکبیر پڑھتے۔اور دوسری روایت میں حضرت عمرؓ کی اقتدا میں مسجد والے اور بازار والے بلند آواز سے تکبیر پڑھتے۔ان دونوں روایتوں سے ذکر جہری واجتماعی کا ثبوت ملتا ہے۔

---

(۱) رواه البخاری تعليقا ۱/۱۳۲ ـ كذا فى نيل الأوطار ۳/۳۳۱، وفى تغليق التعليق ۲/۳۷۷، باب فضل العمل فى أيام التشريق ـ وقال الهيثمى : كذا ذكره البغوى والبيهقى عن ابن عمر وابى هريرة معلقا ـ عمدة القارى ۵/۱۸۳ـ

(۲) نيل الأوطار ۳/۳۳۱، قال الشوكانى وصله سعيد بن منصور وأبو عبيد ـ

(۳) نيل الأوطار ۳/۳۳٤)

(۵۳) عن أنس قال جعل المهاجرون والأنصار يحفرون الخندق حول المدينة وينقلون التراب على متونهم وهم يقولون : " نحن الذين بايعوا محمدا . على الجهاد ما بقينا أبدا " قال : يقول النبي ﷺ :وهو يجبهم ، " اللهم انه لا خير الا خير الآخرة - فبارک فی الأنصار والمهاجرة " الحديث .(۱)

فائدہ: اس حدیث شریف میں غزوہ خندق کے موقع پرآپ ﷺاورصحابہ سے ذکر والے اشعار جہراپڑھنے کا ثبوت ملتا ہےاور یہ سب ذکراللہ میں داخل ہےلہذا ذکر جہری کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

(۵۴) عن أبی هريرة أن النبی ﷺ قال : " هل سمعتم بمدينة جانب منها فی البر وجانب منها فی البحر قالوا نعم يا رسول الله قال لا تقوم الساعة حتى يغزوها سبعون الفا من بنی اسحاق فاذا جاؤها نزلوا فلم يقاتلوا بسلاح ولم يرموا بسهم قالوا :لا اله الا الله والله اكبر فيسقط احد جانبيها . قال ثور بن يزيد الراوی : لا اعلمه الا قال : الذی فی البحر ،ثم يقولون الثانية : لا اله الا الله والله اكبر فيسقط جانبها الآخر . ثم يقولون الثالثة :لا اله الا الله والله اكبر فيفرج لهم فيدخلونها فيغنمون " الحديث (۲)

---

(۱) رواه البخاری ۵۸۸/۲، ومسلم ۱۱۳/۲، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب ، والنسائی فی الكبری ۲۷۰/۵، الدعاء عند حفر الخندق . والبيهقی فی الكبری ۴۳/۷، وسعيد بن منصور ۳۰۸/۲، فی باب جامع الشهادة ، وابن أبی شيبة ۴۱۹/۱۴، غزوة الخندق . واحمد بن حنبل فی مسنده ۱۷۰/۳ ـ

(۲) مشكوٰة : ۳۶۷/۲، ورواه مسلم:۳۹۶/۲، والحاكم:۴۷۶/۴،كتاب الفتن والملاحم و كذا فی السنن الواردة فی الفتن ۱۱۴۱/۶ ـ

فائدہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر جہرا پڑھنے میں بہت بڑی تاثیر ہے کہ پورا شہر صرف تکبیر پڑھنے سے فتح ہوگا لہٰذا ذکر جہری میں بڑی تاثیر ہے جب شہر قبضہ میں آسکتا ہے تو انسان کا دل بھی ذکر جہری سے قبضہ میں آجائیگا اور دل پر گہرا اثر پڑیگا۔

(۵۵) عن ابن عباس قال سألت عمر رضی الله عنه لأی شئ سميت الفاروق ؟ قال أسلم حمزة قبلی بثلثة أيام ثم شرح الله صدری للإسلام فقلت : الله لا اله الا هو له الأسماء الحسنى فما فی الأرض نسمة احب الی من نسمة رسول الله ﷺ قلت : " أين رسول الله ﷺ ؟ قالت اختی : هو فی دار الأرقم بن الأرقم عند الصفا فأتيت الدار وحمزة فی أصحابه جلوس فی الدار ورسول الله ﷺ فی البيت فضربت الباب فاستجمع القوم فقال لهم حمزة مالكم ؟ قالوا عمر قال فخرج رسول الله ﷺ فاخذ بمجامع ثيابه ثم نثره نثرة فماتما لک ان وقع على ركبتيه فقال : ما انت بمنته يا عمر؟ قال فقلت أشهد أن لا اله الا الله وحده لاشريک له واشهد أن محمدا عبده ورسوله ، قال : فكبر أهل الدار تكبيرة سمعها أهل المسجد " الحديث (۱)

خلاصہ: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ فرمایا تو حضرت عمرؓ نے مشرف باسلام ہونے کا ارادہ فرمایا اور کہا کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اسی کے اچھے نام ہیں پوری روئے زمین پر کوئی جی اللہ کے رسول کے جی سے محبوب میرے نزدیک نہیں ہے، حضور ﷺ کہاں ہیں؟ بہن نے فرمایا دار ارقم میں تشریف فرما ہیں

(۱) ابو نعيم فی الحلية ۱/ ۴۰ ۔ صفة الصفوة ۱/ ۲۷۳، ذکر سبب اسلامه عن ابن عمرؓ ۔ تاريخ مدينة دمشق ۴۴/ ۳۱ ۔

حضرت عمرؓ وہاں پہنچے صحابہ موجود تھے حضرت عمرؓ کلمہ شہادت **اشھد ان لا الـه الا الـلـه وحـده لا شریک له و اشهد ان محمدا عبده ورسوله** پڑھ کر مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کی خوشی کی وجہ سے صحابہ کرام نے اتنی بلند آواز سے اللہ اکبر کہا کہ مسجد حرام میں جو کفار تھے انھوں نے بھی سنا۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی خوشی میں بلند آواز سے تکبیر پڑھی آپ ﷺ کی مجلس میں، تو اس سے اشارہ ملتا ہے ذکر اجتماعی اور ذکر جہری کی طرف۔

(٥٦) عن عبد الرحمن بن جابر، عن أبيه قال: لما انتهوا إلى قبر سعدؓ، نزل فيه أربعة...فلما وضع في قبره، تغير وجه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وسبح ثلاثاً، فسبح المسلمون حتى ارتج البقيع، ثم كبر ثلاثاً، وكبر المسلمون ...(١)

وقال في حاشية السير: إسناده تالف لأن محمد بن عمر الواقدي متروك.

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے قبرستان میں بآوازِ بلند تسبیح وتکبیر پڑھی جس کی وجہ سے جنۃ البقیع گونج اٹھی۔

اس حدیث سے بھی ذکر جہری واجتماعی کی طرف اشارہ ملتا ہے، اگر چہ یہ حدیث واقدی کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن بطورِ شاہد پیش کر سکتے ہیں۔

---

(١) رواه ابن سعد في طبقاته: ٣/٤٣٢، بيروت، والواقدي في المغازي: ١/٢١٠، وذكره الذهبي في سيراعلام النبلاء: ١/٢٩٠۔

مساجد میں ذکر جہری

فقہاء کرامؒ کی عبارات کی روشنی میں

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قال فی الفتاوی لا یمنع من الجهر بالذکر فی المساجد احترازا عن الدخول تحت قوله تعالی ومن أظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه کذا فی البزازیة ونص الشعرانی فی ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور ما لفظه واجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الله تعالی جماعة فی المساجد وغیرها من غیر نکیر الا ان یشوش جهرهم بالذکر علی نائم او مصل او قاری قرآن کما هو مقرر فی کتب الفقه ".(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص ۱۷٤ ، قدیمی).

(۲) حاشیۃ الدرر علی الغرر میں ہے:

قاصٌ وعنده جمع کثیر یرفعون أصواتهم بالتسبیح والتهلیل جملة لابأس به والإخفاء أفضل ولو اجتمعوا في ذکر اللّٰه والتسبیح والتهلیل یخفون والإخفاء أفضل عند الفزع فی السفینة وکذا الصلاة علی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم انتهی، أقول: قدکثر الأقوال المتخالفة فی الجهر عن أئمتنا إلی أن تحیر العقلاء وافتتن الأذکیاء وقد وضعت له رسالة وبینت أولاً تلک الأقاویل من الجانبین ثم وفقت بما في نحو

البزازي ورسالة أبي السعود بأن ذلک جائز بالأغراض الحميدة وليس بجائز بالأغراض الدنية . (حاشية الدررعلی الغرر:۱/۸۸،لمولانا ابی سعيدمحمدبن مصطفی بن عثمان الخادمی،مطبوعة ۱۳۱۰ھ).

نیز مذکور ہے:

أقول: لنا رسالة مستقلة في حكم جهرمطلق الذكر وحاصله الجواز لكن الأفضل للخواص الإخفاء إلا بالعوارض كإيقاظ النائمين عن الغفلة واقتداء الغافلين وإرشاد المسترشدين وللعوام الجهر إلا بعوارض كذلک لخوف الرياء. (حاشية الدررعلی الغررلمولانا ابی سعيدمحمدبن مصطفی بن عثمان الخادمی،ص۱۲٤، مطبوعه مکتبه عثمانيه ۱۳۱۰ھ).

(۳) دررالحکام فی شرح غررالاحکام میں ہے:

ونقل الزيلعي عن أبي جعفر أنه قال: لاينبغي أن تمنع العامة من ذلک لقلة رغبتهم فی الخيرات. (الدررشرح الغررلمولاناالقاضی الشهير بمنلا خسرو :۱/۱٤۲، باب صلاة العيدين).

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں مذکور ہے کہ عیدالفطر میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کااختلاف جہر کے استحباب اورعدمِ استحباب میں ہے،امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جہر مستحب نہیں اورصاحبینؒ کے نزدیک مستحب ہے:۔

قال الحلبيؒ: الذي ينبغي أن يكون الخلاف في استحباب الجهر وعدمه لا في كراهته فعندهما يستحب الجهر وعنده الإخفاء أفضل، وذلک لأن الجهرقد نقل عن كثير من السلف كابن عمر وعلي وأبي أمامة الباهلي رضی اللہ عنہم والنخعيؒ وابن جبيرؒ وعمر بن عبدالعزيزؒ وابن أبي ليلىؒ وأبان بن عثمانؒ والحكمؒ وحمادؒ ومالکؒ والشافعيؒ وأحمدؒ وأبي ثورؒ كما ذكره ابن المنذر فی الاشراف. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص۵۳۱،قديمی).

(۴) فتاویٰ شامی میں ہے:

وفي الفتاوى الخيرية من الكراهة والاستحسان : جاء في الحديث ما اقتضى طلب الجهربه نحو " وان ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منهم " رواه الشيخان . وهناك احاديث اقتضت طلب الاسرار والجمع بينهما بان ذلك يختلف باختلاف الاشخاص والاحوال كما جمع بذلك بين احاديث الجهر والاخفاء بالقراءة ولايعارض ذلك حديث "خير الذكر الخفي ". (اس حدیث کی سند پر کلام ہے جو مفصل آرہاہے۔) **لانه حيث خيف الرياء او تأذى المصلين او النيام فان خلا مما ذكر فقال بعض اهل العلم : ان الجهر افضل لانه اكثر عملا ولتعدى فائدته الى السامعين ويوقظ قلب الذاكر فيجمع همه الى الفكر ويصرف سمعه اليه ويطرد النوم ويزيد النشاط "...فكما ان اصوات المؤذنين تقطع جرم الهواء اكثر من صوت المؤذن الواحد كذلك ذكر الجماعة على قلب واحد اكثر تاثيراً في رفع الحجب الكثيفة من ذكرشخص واحد.** (فتاوى الشامى ۱/ ٦٦٠۔ و ايضا ٦/ ٣٩٨ ،فصل في البيع، سعيد).

(۵) روح المعانی میں علامہ آلوسی مفتی بغداد فرماتے ہیں:

وفصل آخرون فقالوا : الإخفاء أفضل عند خوف الرياء، والإظهار أفضل عند عدم خوفه وأولى منه القول بتقديم الإخفاء على الجهر فيما إذا خيف الرياء أو كان في الجهر تشويش على نحو مصل أو قصد تعليم جاهل أو مشتغل بعلم شرعي ، وبتقديم الجهر على الإخفاء فيما إذا خلا عن ذلك وكان فيه قصد تعليم جاهل أو نحو إزالة وحشته عن مستوحش أو طرد نحو نعاس أو كسل عن الداعي نفسه أو ادخال

سرور على قلب مؤمن أو تنفير مبتدع عن بدعة أو نحو ذلك" (روح المعانی ۸/ ۱٤۰)

دوسری جگہ مذکور ہے:

إن الجهر بالذكر حيث لامحذور شرعياً مشروع مندوب إليه بل هو أفضل من الإخفاء في مذهب الشافعيؒ وهوظاهرمذهب الإمام أحمدؒ وإحدى الروايتين عن الإمام مالكؒ بنقل الحافظ ابن حجرؒ في فتح الباري وهو قول لقاضيخان في فتاواه في ترجمة مسائل كيفية القراءة ... ورواية عن الإمام أبي حنيفةؒ نفسه بل في مسنده ما ظاهره استحباب الجهر بالذكرمطلقاً. (روح المعانی:١٦/ ١٦٢).

(٦) ملا علی قاری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے۔ملاحظہ ہو مرقات میں فرماتے ہیں:

قال القاریؒ ناقلا عن المظهر هذا يدل على جواز الذكر برفع الصوت بل على الاستحباب اذا اجتنب الرياء اظهارا للدين وتعليما للسامعين وايقاظالهم من الغفلة وايصالا لبركة الذكر الى مقدار ما يبلغ الصوت اليه من الحيوان والشجر والمدر وطلبا لاقتداء الغير بالخير وليشهد له كل رطب ويابس وبعض المشائخ يختارون اخفاء الذكر لانه ابعد من الرياء وهذا متعلق بالنية انتهى". (مرقات شرح مشكوة ٣/ ١٧٢، فوائد الذكر بالجهر).

(۷) علامہ لکھنویؒ ملاعلی قاریؒ کی ذکر کردہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولا يخفى ان سكوت على القارى عن الرد على المظهر وتقريره عليه مع كون دأبه فى جميع تصانيفه الرد على خلافه يدل على انه أيضا من مجوزيه وإليه يميل بعض عباراته فى شرح الحصن الحصين وان

کــان بـعـض عبــاراتــه فـي مـوضـع آخـر من ذلـك يـأبـى عنـه ”(سباحة الفكر،ص۳۷،مجموعة رسائل :۳/ ۴۹۳، ادارة القرآن)

خلاصہ: ملاعلی قاری نے مظہر سے نقل فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ ریاء سے بچے کیونکہ ذکر جہری میں بہت سارے فوائد ہیں:

(۱) دین کا اظہار ہے۔

(۲) سننے والوں کے لیے تعلیم ہے۔

(۳) سننے والوں کو غفلت سے بیدار کرنا ہے۔

(۴) جانور اور درخت وغیرہ جہاں تک اس کی آواز پہنچے وہاں تک ذکر کی برکت پہنچتی ہے۔

(۵) دوسرے کو خیر کی دعوت دینے کے لئے۔

(۶) تا کہ ہر تر وخشک چیز اس کی گواہی دے۔

(۸) فقہائے کرام میں سے حضرت مولانا سید احمد بن محمد الحموی المصریؒ (م۱۰۹۸ھ) نے بھی مسجد میں اجتماعی جہری ذکر کو جائز قرار دیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کا بھی اچھا جواب دیا ہے:

چنانچہ علامہ حموی الاشباہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

فـان قـلـت :الـمـذكـور فـي الفتاوى أن الجهر بالذكر في المسجد لا يـمـنـع احـتـرازاً عـن الـدخـول تحت قوله تعالى:﴿و من أظلم ممن منع مسـاجـد الله أن يـذكـر فيهـا اسمه﴾ وصنيع ابن مسعودؓ يخالف قولكم. قلت:الإخراج عن المسجد لو نسب إليه بطريق الحقيقة يجوز أن يكون لاعتـقـادهم العبادة فيه،وتعليم الناس بأنه بدعة،و الفعل الجائز يكون غير جـائز لغرض يلحقه،فكذا غير الجائز يجوز أن يجوز لغرض، كما لو ترك صلى الله عليه وسلم الأفضل تعليماً للجواز.

وماروی فی الصحیح أنه علیه الصلاة السلام قال: لرافعی أصواتکم بالتکبیر أربعوا علی أنفسکم أنکم لن تدعوا أصم ولا غائباً أنکم تدعون سمیعاً قریباً أنه معکم" الحدیث. یحتمل أنه لم یکن فی الرفع مصلحة فقد روی أنه کان فی غزاة، ولعل عدم رفع الصوت نحو بلاد العدو خدعة، ولهذا نهی عن الجرس فی المغازی.

وأما رفع الصوت بالذکر فجائز. کما فی الأذان والخطبة والحج، و الاختلاف فی عدد تکبیر التشریق لایدل علی أن الجهر بدعة، لأن الخلاف بناء علی أن کونه سنة زائدة علی أصل الفعل، فیتم صلاة، کما اختلفوا فی أن سنة الأربع من الظهر بتسلیمة أولی أم بتسلیمتین، و ذلک لایدل علی أنها لو بتسلیمتین تکون بدعة أو حراماً.

وفی تفسیر الثعالبی لایجب المعتدین أی بالجهر بالدعاء من الاعتداء، فیدل علی کراهیته، وفی أجوبة الإمام الزاهد الخوارزمی أنه بدعة لانجیز ولانمنع، ثم قال: جوزه محب الذاکرین الله تعالی کثیراً، انتهی.

وقد ذکر الشیخ عبد الوهاب الشعرانی فی کتابه المسمی بـ"بیان ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور" ما نصه وأجمع العلماء سلفاً و خلفاً علی استحباب ذکر الله تعالیٰ جماعة فی المساجد وغیرها من غیر نکیر إلا أن یشوش جهرهم بالذکر علی نائم أو مصل، أو قارئ کما هو مقرر فی کتب الفقه.

وقد شبه الإمام الغزالی ذکر الإنسان وحده، وذکر الجماعة بأذان المنفرد وأذان الجماعة قال: فکما أن أصوات المؤذنین جماعة تقطع جرم الهوی أکثر من صوت مؤذن واحد کذلک ذکر الجماعة علی قلب واحد أکثر تأثیراً فی رفع الکثیفة من ذکر شخص واحد. (شرح الأشباه

والنظائر:۳/۱۹۱،الفن الثالث فی الجمع والفرق القول فی أحکام المسجد)۔

(۹) جامع المنقول والمعقول حضرت ملاجیونؒ (م۱۱۳۰ھ) فرماتے ہیں:

وهذا بحث مختلف فيه بين الأنام في زماننا ولا طائل تحته إذ المقصود للكل الوصول إلى الله تعالىٰ بأي طريق كان. (التفسيرات الاحمدية،ص۴۲۷،فی تفسیرقوله تعالیٰ : واذکرربك فی نفسك الخ،سورة الاعراف)۔

یعنی ذکر بالجہر کے جواز اورعدمِ جواز کی یہ بحث ہمارے اس دور کے لوگوں میں مختلف فیہ ہے اوراس مسئلہ میں لمبی بات کی ضرورت نہیں۔کیونکہ ذکراللہ سے مقصود اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ہے جہر یا خفی جس طریقے سے بھی ہو۔

(۱۰) علامہ خیر الدین بن احمد الرملیؒ (م۱۰۸۱ھ۔علامہ شامیؒ کے شیخ) فتاوی خیریہ میں فرماتے ہیں:

فأما حلق الذكر والجهر به فقد جاء فى الحديث ما اقتضى طلب الجهر نحو وان ذكرنى فى ملأ ذكرته فى ملأخير منه . رواه البخارى ومسلم والترمذى والنسائى وابن ماجه ورواه احمد نحوه بإسناد صحيح وزاد فى آخره قال قتادة : والله اسرع والذكر فى الملأ لايكون الا عن جهر وكذا حلق الذكر وطواف الملائكة بها وما ورد فيها من الأحاديث فإن ذلک انما يكون فى الجهر بالذكر وهناک احاديث اقتضت طلب الاسرار، والجمع بينهما بان ذلک يختلف باختلاف الأشخاص والاحوال كما جمع بين الاحاديث الطالبة للجهر بالقرأة والطالبة للاسرار بها ولا يعارض ذلک "خير الذكر الخفى" لانه حيث خيف الرياء او تأذى المصلين او النيام والجهر ذكر بعض اهل العلم انه افضل حيث خلا مما ذكر لانه اكثر عملا ولتعدى فائدته الى السامعين ويوقظ قلب الذاكر فيجمع همه الى الفكر ويصرف

سمعه اليه ويطرد النوم ويزيد النشاط الى قوله ... فان قلت صرح في الخانية بأن رفع الصوت بالذكر حرام ... محمول على الجهر الفاحش المضر " الخ. (الفتاوى الخيرية ۲/۱۸۱).

درج کردہ عبارات سے حسب ذیل امور معلوم ہوتے ہیں:

(۱) ذکر بالجہر میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں بلکہ بعض احوال میں ذکر سری اور انفرادی کی طرح مندوب ہے۔

(۲) ذکر بالجہر جائز ہے لیکن چند عوارض کے لاحق ہونے کا خوف ہوتو سری کا اہتمام بہتر ہے، جبکہ جہر سے ریاء اور دکھلاوے کا خوف لاحق ہو، جب مصلین کو جہر سے اذیت پہنچنے کا اندیشہ ہو، جب جہر سے سونے والوں کواذیت پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اور بہت سارے مشائخ وفقہاء مطلقاً ذکر سری کو فضیلت دیتے ہیں، اور اس کو اصل سمجھتے ہیں۔

ذکر خاص الخاص ذکر سر بود آنکہ ذاکر نیست او خاسر بود

نوٹ: ذکر جہری کے استحباب کے قائلین بھی ان اعذار کے موقع پر ذکر سری ہی کی تلقین کرتے ہیں۔

(۳) اگر مذکورہ بالا موانع اور خرابیوں میں سے کوئی نہ ہوتو بعض حالات میں جہر کے فوائد غالب ہیں۔

فائدہ نمبر۱: کیونکہ مجلس اور حلقہ میں کیا جانے والا ذکر انفرادی سے بعض احوال میں بڑھ کر ہے بمجوائے حدیث: **ان ذكرني في ملاء ذكرته في ملاء خير منه ۔**

فائدہ نمبر۲: ذکر جہری کا فائدہ سامعین تک متعدی ہوتا ہے ذکر سری کی طرح ذاکر کی ذات تک محدود نہیں رہتا۔

فائدہ نمبر۳: قلب بیدار رہتا ہے، غفلت دور رہتی ہے۔

فائدہ۴: نیند سے حفاظت رہتی ہے۔

فائدہ نمبر۵: ذکر جہری سے نشاط رہتا ہے۔

نوٹ: معلوم ہوا کہ حالات کے فرق سے ذکر جہری اور سری دونوں درست ہیں بلکہ بعض لوگوں کے لئے سر مفید ہے بعض کا علاج جہر سے ممکن ہے اور عمومی حالات میں جہر کا مفید ہونا اور قلب پر جلدی اثر انداز ہونا ظاہر ہے، جب دونوں طریقوں سے ذکر کی ضرورت مسلم ہے تو جو لوگ مطلقاً ذکر بالجہر اور مجالس ذکر کا انکار کرتے ہیں اس کا سبب دو باتوں میں سے ایک ضرور ہے یا تو وہ ضد اور جمود کا شکار ہیں یا پھر ذکر جہری کے فوائد سے یا پھر اس کی حلاوت سے ہی ناآشنا ہیں۔

اگر یہ حضرات مجالس ذکر کی افادیت سے واقف ہوتے تو ان مجالس کے پیچھے ایسے سرگرداں رہتے جیسے ملائکہ ان مجالس کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے: اللہ تعالیٰ ملائکہ کی ایک جماعت سے جو راستوں میں مجالس ذکر کو تلاش کرنے کے لئے گشت کرتی ہیں اور جب کہیں انہیں ذکر کرنے والے ملتے ہیں تو خوشی سے ایک دوسرے کو یوں پکارتے ہیں "**ھلموا الی حاجتکم**" یعنی تم آ جاؤ اپنے مطلوب و مقصود کی طرف (سبحان اللہ) اور پھر فرشتے اس جماعت کو گھیرتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ ذکر کرنے والوں کے گرد آسمان تک جمع ہو جاتے ہیں: "**فیحفونھا باجنحتھم الی السماء**" (رواہ الشیخان والبیھقی فی الأسماء والصفات).

اس کے بعد علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تمام بحث کا فیصلہ ان الفاظ کے نقل کرنے کے ساتھ فرمایا ہے؛ حاشیہ حموی سے علامہ شعرانی کا قول نقل فرماتے ہیں: "**اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم اومصل او قاری**" الخ

اس سے معلوم ہو گیا کہ علماء کا اجماع ہے ذکر بالجہر اور مجالس ذکر کے استحباب پر خواہ اس کا انعقاد مسجد میں ہو یا کہیں اور ہو جب کہ جہر سے نائم، مصلی اور قاری قرآن کو اذیت نہ ہو۔ اور اعتدال بھی یہی ہے کہ اگر حدود و قیود کی رعایت کے ساتھ ان مجالس کا انعقاد ہو تو پھر ان پر لعن وطعن سے گریز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح فہم دین عطا

فرمائیں۔آمین

(۱۱) حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ امام غزالیؒ کا موقف نقل فرماتے ہیں:

قال أبوحامد الغزالي وغيره من العلماء طريق الجمع بين الأخبار أن الإسرار أبعد من الرياء فهوأفضل في حق من يخاف ذلك فإن لم يخف الرياء فالجهر أفضل لأن العمل فيه أكثر ولأن فائدته متعد إلى غيره فهو أفضل ولأنه يوقظ قلب القاري ويجمع همته إلى الفكر ويصرف سمعه إليه ويطرد النوم ويزيد فى النشاط ويوقظ غيره من نائم أوغافل وينشطه فمهما حضر شيء من هذه النيات فالجهر أفضل وإن اجتمعت النيات تضاعف الأجر . (التفسيرالمظهری:۳/۴۵۴).

(۱۲) فتاوی ہندیہ میں مرقوم ہے کہ مسجد کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ذکر کے علاوہ آواز بلند نہ کریں، معلوم ہوا کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے ورنہ اس کی تخصیص نہ کرتے۔

ملاحظہ ہوفتاوی ہندیہ میں ہے:

ذكر الفقيهؒ فى التنبيه: حرمة المسجدخمسة عشر......والسادس أن لايرفع فيه الصوت من غيرذكر اللّٰه تعالىٰ. (الفتاوى الهندية:۵/۳۲۱،الباب الخامس فى آداب المسجد)

نیز مذکور ہے:

"قاصٌ عنده جمع عظيم يرفعون اصواتهم بالتسبيح والتهليل جملة" لا بأس به. (عالمكيرية ۵/۳۱۵).

(نوٹ: عالمگیری کے اصل نسخہ میں قاضٍ تحریر شدہ ہے، غالبًا یہ لفظ قاصٌ ہوگا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ واعظ کے پاس بہت بڑی جماعت ایک ساتھ بلند آواز سے سبحان اللہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وأما التسبيح والتهليل لابأس بذلك وإن رفع صوته كذا في الفتاوى الكبرى. (الفتاوى الهندية:٥/٣١٦).

فائدہ: اس عبارت سے ذکر اجتماعی اور جہری کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱۴) فتاوی بزاریہ میں ہے:

"واما رفع الصوت بالذكر فجائز كما في الاذان والخطبة والحج" (فتاوى بزازية على هامش الهندية ٦/٣٧٩).

خلاصہ: بزاریہ میں ہے بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ اذان، خطبہ اور حج میں بلند آواز سے ہوتا ہے۔

جہر بالذکر کے جواز میں فقہاء کے اقوال آپ کے سامنے پیش کئے گئے لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ فقہاء کے نزدیک قاضی خان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ علامہ شامیؒ نے شرح عقود رسم المفتی میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی قول کی تصحیح قاضی خان فرمائیں تو ان کی تصحیح بہت قوی اور مضبوط ہے۔ ملاحظہ ہو:

وإن كان كل منهما بلفظ الأصح والصحيح فلا شبهة في أنه يتخير بينهما اذا كان الامامان مصححان في رتبة واحدة اما لو كان احدهما اعلم فانه يختار تصحيحه كما لو كان أحدهما في الخانية والآخر في البزازية مثلا فان تصحيح قاضي خان أقوى فقد قال العلامة قاسم أن قاضي خان من أحق من يعتمد على تصحيحه. (شرح عقود رسم المفتي، ص٣٣).

جبکہ قاضی خان نے ذکر بالجہر کے بارے میں یہ تحریر فرمایا ہے: **ویکرہ رفع الصوت بالذکر"**. (فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية ۱/ ۱۹۰، باب غسل الميت).

وفی البزازية ناقلا عن الخانية : رفع الصوت بالذكر حرام ".

(الفتاوی البزازية علی هامش الهندية ٦/ ۳۷۸).

اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی خانؒ نے خود دوسری جگہ ذکر بالجہر کا جواز تحریر فرمایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

(۱۴) ولا بأس بالتسبيح والتهليل وان رفع صوته بذلک ".

(فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية: ۱/ ۱٦۲، مسائل كيفية القراءة).

لہٰذا دونوں اقوال میں تطبیق کی یہ شکل ہوگی کہ یا تو جہر مفرط کی ممانعت ہے نفس جہر کی ممانعت نہیں اوراس کی تائید فتاوی خیریہ کی عبارت سے ہے: **فان قلت: صرح فی الخانية بأن رفع الصوت بالذكر حرام . محمول على الجهر الفاحش المضر**. (الفتاوى الخيرية: ۲/ ۱۸۱)

یا پھر جہر اس جگہ ممنوع ہے جہاں کوئی ذکر وارد ہے مگر اس میں جہر وارد نہیں جیسے **سبحانک اللهم الخ** نماز میں یا **انی وجهت وجهی الخ** وغیرہ وارد ہے لیکن ان میں جہر وارد نہیں تو یہ اذکار سراً پڑھنا چاہئیے۔ علاوہ ازیں جن علامہ شامی نے قاضی خان کی تصحیح کو مقدم فرمایا ہے انہیں علامہ شامی نے ردالمحتار میں قاضی خان کے ایک قول کے خلاف ذکر بالجہر کا فتوی دیا ہے کمامر۔

لہٰذا علامہ شامی کے نزدیک متاخرین کو دلائل کی روشنی میں قاضی خان جیسے محقق کے کسی قول کے خلاف فتوی دینے کا حق حاصل ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

وفی فتاوی العلامة ابن الشبلی ليس للقاضی ولا للمفتی العدول

عن قول الامام الا اذا صرح احد من المشائخ بأن الفتویٰ علی قول غیرہ فلیس للقاضی ان یحکم بقول غیر ابی حنیفة فی مسئلة لم یرجح فیھا قول غیرہ .(شرح عقود رسم المفتی ، ص۳۳).

روح المعانی میں علامہ آلوسی حنفی مفتی بغداد نے فرمایا:

امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ذکر جہری کے استحباب کی ہے اور مسند امام اعظم کی روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب استحباب کے قائل ہیں۔

ملاحظہ ہو:

روایة عن الإمام أبی حنیفة نفسه رضی الله تعالی عنه بل فی مسنده ما ظاھرہ استحباب الجھر بالذکر مطلقا ". (روح المعانی: ۱۶/ ۱۶۲).

(۱۵) فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

لاباس بالسبیح والتھلیل رافعاً صوته . (الفتاوی السراجیة،باب القرآن ، ص۳۱۲).

(۱۶) الھدیة العلائیة لطلاب المکاتب الابتدائیة؛ علامہ ابن عابدین الشامیؒ کے صاحبزادے علاء الدین الشامی کی تصنیف ہے اور موصوف بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں اور مجلّہ کی تصنیف میں بھی شریک رہے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں:

و یستحب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرھا إلا أن یشوش جھرھم علی نائم أومصل أوقارئ .(الھدیة العلائیة،ص۲۳۱).

(۱۷) حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت سے بلامداومت ذکر اجتماعی وجہری کا ثبوت:

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مطلق اوامر ونواہی میں اپنی طرف سے قید اور تخصیص درست نہیں ہے، ہاں شارع کی جانب سے قیودات وتخصیصات ہوں تو وہ بلا شبہ مستحب کے درجہ میں ہیں،

لیکن جس امر مطلق میں شارع کی جانب سے کوئی قید نہ ہوتو وہ اپنے عموم پر رہیگا اور اس پر ہر طرح عمل کی گنجائش ہوگی، جب کہ مداومت کے ساتھ نہ ہو، جیسے اجتماعی طور پر قرآن شریف پڑھنا، یا ذکر و دعا کے لیے جمع ہوجانا، یا جن اذکار میں جہر وارد نہ ہوان میں جہر کرنا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ثنا میں جہر فرمایا تھا، اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سورۂ فاتحہ جہراً پڑھی تھی، اسی طرح تسمیہ بالجہر احیاناً۔

خلاصہ یہ ہے کہ مامور بہ کا بجالانا اچھا ہے لیکن غیر ثابت عمل کو واجب اور لازم سمجھ کر کرنا مکروہ ہے، یہ ایسا قاعدہ ہے کہ جس کی وجہ سے بدعات عبادات سے ممیّز وجدا ہوجاتی ہیں۔ مختصر عبارت ملاحظہ ہو:

قاعدة شرعية: شرع الله ورسوله للعمل بوصف العموم والإطلاق لايقتضي أن يكون مشروعاً بوصف الخصوص والتقييد ...فإن كان فى الأدلة ما يكره ذلك الخصوص والتقييد كره، وإن كان فيها ما يقتضي استحبابه استحب، وإلا بقي غير مستحب ولا مكروه ...

وإن لم يكن فى الخصوص أمر ولا نهي بقي على وصف الإطلاق، كفعلها أحياناً على غير وجه المداومة، مثل: التعريف أحياناً كما فعلت الصحابة، والاجتماع أحياناً لمن يقرأ لهم، أو على ذكر أو دعاء، والجهر ببعض الأذكار فى الصلاة، كما جهر عمر رضي الله عنه بالاستفتاح، وابن عباس رضي الله عنه بقراءة الفاتحة، وكذلك الجهر بالبسملة أحياناً .

وهذه القاعدة إذا جمعت نظائرها نفعت، وتميز بها ما هو البدع من العبادات التي يشرع جنسها من الصلاة والذكر والقراءة ...الخ.

(مجموع فتاوى ابن تيمية: ٢٠/١٩٦-١٩٨).

ذکر جہری اکابرین کے فتاویٰ کی روشنی میں

(۱) حضرت شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

ایں حدیث صریح است در جہر بذکر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بآوازِ بلند فی خواند۔(اشعۃ اللمعات:۱/۴۱۹،باب الذکر بعد الصلاۃ).

یہ حدیث ذکر بالجہر پرواضح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذکر بالجہر فرماتے تھے۔

صحیحین کی ایک روایت انا عند ظن عبدی الخ پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: درایں حدیث دلیل است بر جواز ذکر بالجہر۔(اشعۃ اللمعات:۲/۱۹۲).

نیز فرماتے ہیں:

دیگر بدانکہ جہر ذکر مشروع است بے شبہ چنانچہ درحدیث آمدہ است کہ " **من ذكرني في ملاء** (مقابل) **من ذكرني في نفسه**" از ادلہ آن است،وقول سبحانہ وتعالیٰ "**كذكركم أباء كم**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ میگویدنمی شناختم من برگشتن مردم راازنماز درعہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر بذکر رواہ البخاری۔

اس کے چند سطر کے بعد فرماتے ہیں:

" **أيها الناس اربعوا على أنفسكم فإنكم لاتدعون أصم ولا**

غــائبــاً'' ای مردماں نرمی وآسانی کنید برنفسہائے خود زیرا کہ شمانمی خوانید کر د غائب رامضمون اربعوا دلالت دارد کہ منع از جہت شفقت است نہ از جہت عدمِ جواز۔ (اشعۃ اللمعات، ص۲/۱۷۰)۔

نیز تحریر فرماتے ہیں:

وحق آنست کہ اوقات مختلف است گاہے ذوق وحضور در اخفاء دست دہد وگاہے در جہر شوق وگرمی افزاید وجہر بذکر مشروع است بلاشبہ۔ (اشعۃ اللمعات: ۱/۴۲۰)۔

(۲) عالم ربانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ القول الجمیل میں تحریر فرماتے ہیں:

فأول ما يلقنوا له الجهر بذكر الله تعالى والمراد بهذا الجهر هو غير المفرط فلا منافاة بينه وبين ما نهى رسول الله ﷺ حيث قال اربعوا على انفسكم فانكم لا تدعون اصم ولا غائبا . الحديث .

ترجمہ: سو پہلا شغل جس کو مشائخ تلقین کرتے ہیں ذکر اللہ ہے جہر سے یعنی بلند آواز سے ذکر کرنا اور مراد اس جہر سے یہ ہے کہ افراط سے نہ ہو تو اس تقریر سے کچھ مخالفت نہ رہی اس کے جواز میں اور اس میں جس کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس طرح کہ اعتدال اختیار کرو اور نرمی کرو اپنی جانوں پر کہ تم بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو الی آخر الحدیث۔

فائدہ: پوری حدیث یوں ہے بروایت ابو موسی اشعریؓ کہ تم سمیع اور بصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمھارے ساتھ ہے اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے قریب تر ہے اونٹ کی گردن سے۔ انتہی۔ یہ تمثیل ہے شدت قرب سے ورنہ حق تعالی حبل الورید سے بھی زیادہ قریب تر ہے۔

شعر: اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

کذا فی حاشیۃ العزیزیۃ (القول الجمیل مع شرحه شفاء العليل ص ۵۰-۵۱)۔

(۳) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فتاوی عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں:

تیسرا مطلب: حقیقت ذکر جہر کی ہے اور اصل یہ ہے کہ اس کا انکار سراسر نادانی ہے اور قرآن شریف سے جہر صراحتاً ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ : **ما اذن اللہ لشیء ما اذن** . یعنی اللہ تعالی نے تغنی بالقرآن بطریق جہر کے لئے اجازت فرمائی ہے اور تلبیہ حج کے بارے میں آیا ہے: **افضل الحج العج و الثج** . یعنی بہترین حج وہ ہے کہ اس میں لبیک کہنے میں آواز بلند کی جائے اور اللہ تعالی کی راہ میں زیادہ جانور ذبح کئے جائیں اور قرآن کی فضیلت مشہور ہے اور روایت ہے کہ :

کنا نعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ بالذکر .

یعنی صحابہ کہتے تھے کہ ہم لوگ ذکر کی آواز سن کر معلوم کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز تمام فرمائی یہ بھی ثابت ہے کہ:

" فضل الذکر الذی یسمعه الحفظة علی الذی لا یسمعه الحفظة بسبعین ضعفا ".

یعنی وہ ذکر کہ اس کو حفظہ یعنی فرشتگان نگہبان اور نویسندگان اعمال سنتے ہیں۔ اس ذکر کی فضیلت ستر درجہ زیادہ ہے بہ نسبت اس ذکر کے کہ اس کو فرشتگان نگہبان و نویسندگان اعمال نہیں سنتے۔ طریقہ چشتیہ اور اویسیہ اور قادریہ کا کہ یہ سب حضرات ہمارے پیر ہیں ان سب طریقوں کی بناء ذکر جہری پر ہے۔ اور یہ کہنا باطل ہے کہ یہ حرام ہے اور فعل حرام سے قرب الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے کہ ذکر جہری سے جمعیت خاطر حاصل ہوتی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسری جمعیت نہیں اور جب حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ حج کے لئے گئے اور آپ کے جانے کے بعد خواجہ علاء الدین غجدوانی نے ذکر جہری کرنا شروع کیا اور جب حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ حج سے واپس تشریف لائے تو خواجہ علاء الدین غجدوانی نے عذر کیا کہ قوت باطن کی وجہ سے آپ کو ذکر جہری کی ضرورت نہیں، لیکن ہم کو تو اس سے بڑا فائدہ ہوا۔ تو حضرت خواجہ نقشبند علیہ

الرحمۃ نے اس بارہ میں انکار نہ فرمایا اور حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سے ذکر خفی کا طریق حاصل کیا تھا۔ حضرت خواجہ نقشبند کا عمل عزیمت پر تھا اس واسطے حضرت خواجہ نقشبندؒ خود ذکر جہری نہ کرتے تھے اور آپ کے ایسے لوگ جو کہ مسائل فقہیہ میں حدیث کو اجتہاد پر مقدم جانتے ہیں اگر چہ وہ اجتہاد مذہب حنفی میں ہو، اگر اس میں شبہ کریں تو محض بیجا ہے اور حضرت خواجہ علاء الدین کا واقعہ مذکور و مشہور ہے۔ لیکن فقیر کو یاد نہیں کہ کس کتاب میں لکھا ہے۔ اس کی تلاش کی ضرورت نہیں۔

ایک مرتبہ خواجہ سرا عالم فقہیات بادشاہ روم کی طرف سے حج کے لئے مامور ہو کر مدینہ منورہ میں آئے اور شیخ ابراہیم کردیؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ اس سفر میں میں نے ایک بدعت عظیم دور کی ہے تو شیخ ابراہیمؒ نے فرمایا کہ کون سی بدعت دور کی ہے، تو خواجہ سرا نے کہا کہ مسجد اور شہر بیت المقدس سے ذکر جہری میں نے موقوف کرادیا تو شیخ ابراہیم کردیؒ نے یہ آیت پڑھی:

" ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها ".

یعنی اور کون شخص زیادہ ظالم ہے اس سے کہ اس نے اللہ کی مسجدوں میں منع کر دیا کہ وہاں اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور ان مسجدوں کی خرابی میں کوشش کی۔

اور شیخ ابراہیم نے چند روایات جو کہ فتاوی سے نقل کیا تھا، پیش کیا اور فرمایا اگر تقلید سے کام ہے تو آپ دوسرے کے مقلد ہیں اور میں دوسرے کا مقلد ہوں اور آپ کی روایت مجھ پر حجت نہیں اور اگر تحقیق مقصود ہے تو گیند اور میدان موجود ہے، اس کے بعد شیخ ابراہیم کردیؒ نے اثباتِ جہر میں چند رسالے لکھے، ان میں سے بعض رسالے فقیر کے پاس بھی موجود ہیں، حاصل کلام اتباعِ حق زیادہ احق ہے۔ (فتاوی عزیزی، ص۱۰۴۔۱۰۵).

(۴) قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا فتویٰ:

جہری ذکر جائز ہے، اگر مضرتوں سے خالی ہو۔ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے

راسخین ومحققانِ دین متین اس مسئلہ میں: کہ ذکراللہ بالجہر کرنا خواہ اکیلا ہو یا مجمع مسترشدین میں شب کو یا دِن کو تنہا مکان میں یا جنگل میں یا مسجد میں، کہ جس سے کسی کا حرج نہ ہو، جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: کتبِ حنفیہ میں ذکر جہر کے باب میں روایات مختلفہ وارد ہیں بعض روایات میں مکروہ لکھا ہے اور بعض میں جائز، اگر خالی شائبہ ریا واذیتِ غیر سے ہو اور اس پر ہی عمل درآمد مشائخ کا ہے۔ پس بناءً علی ہذہ الروایہ ذکر جہر میں جو خالی ہو مضار سے، کچھ حرج نہیں۔ اور یہی راجح بندہ کے نزدیک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی [مہر رشید احمد]۔

الجواب صحیح، **وفي حاشية الحموى عن الإمام الشعرانى: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة فى المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أومصل أوقارئ، انتهى، رد المحتار**، (۱/ ٦٦٠، سعید) کتبہ ابوالحسن مہتمم جامع مسجد سہارنپور۔

الجواب صحیح عنایت الٰہی مدرس مدرسہ اسلامیہ سہارنپور۔

یہ جواب صحیح ہے، محمد مراد عفا اللہ عنہ مدرسہ اسلامیہ مظفرنگر۔

صح الجواب، محمد صدیق احمد کاندھلوی مہتمم مدرسہ اسلامیہ کاندھلہ۔

الجواب صحیح، **وقد اسنبط الجهرفى الذكر من قوله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكرفيها اسمه﴾ الآية** ۔ عزیز الرحمٰن دیوبندی مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ۔

الجواب صحیح، احمد علی بڑاڑوی۔

ذکر میں جہر متوسط جائز ہے اور جہر مفرط سوائے اذان کے اور ذکر میں جائز نہیں مکروہ ہے، مشتاق احمد سہارنپوری۔

اگرچہ علمائے حنفیہ **كثر الله شوكتهم** کو درباب ذکر جہر اختلاف ہے، مگر صحیح یہی ہے کہ جب ذکر جہر عوارض مذکورہ سے خالی ہو، تو بلاشک جائز ہے۔ خادم الطلباء غلام محمد

ہوشیار پوری مدرس مدرسہ اسلامیہ کرنال۔

ذکر جہر ریاءً حرام است ضرراً للقاری والمحدث والنائم والمصلی مکروہ است، والخالی عنہا بلاشبہ جائز است، خصوصاً در مجمع ہمچو اشخاص افضل است، محکمہ مختلف باختلاف الاشخاص بموجب حدیث: **من ذکرنی الخ . واللّٰہ أعلم بالصواب .**

کتبہ العبد المذنب عبد الرحمن پانی پتی.

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وتابعیھم أجمعین إلی یوم الدین برحمتک یا أرحم الراحیم.

منظوم امیریہ تالیف مولانا امیر باز خواں سہارنپوری۔ (ص ۳۲، مطبوعہ غالباً ۱۳۰۱ھ)۔

(باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص ۴۲۱)۔

حضرت تالیفاتِ رشیدیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: ذکر جہری قرآن واحادیث سے ثابت ہے یا صوفیاء نے اپنی طرف سے مقرر کرلیا ہے؟ زید کہتا ہے امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بدعت ہے تو بڑے بڑے حنفی اس ذکر جہر کو کرنے کی کیوں اجازت دیتے ہیں، مفتی بہ کس طور پر ہے؟

جواب: ذکر جہری اور خفی دونوں حدیث سے جائز معلوم ہوتے ہیں۔ امام صاحب نے جہر کو بدعت اس موقع پر فرمایا ہے جہاں ذکر کا موقع ہے اور آپ ﷺ سے وہاں جہر ثابت نہیں جیسا عید الفطر کی نماز کو جاتے ہوئے اور مطلقاً ذکر کو منع نہیں فرمایا ذکر ہر طرح درست ہے۔

سوال: ذکر جہری افضل ہے یا خفی؟ بالدلائل ارقام فرمائیں۔

جواب: دونوں میں فضیلت ہے من وجہ۔ کسی وجہ سے جہراً افضل ہے اور بعض وجہ سے خفی افضل ہے اور دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مطلق ذکر کا حکم فرمایا ہے: "**اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا**" مطلق کی فرد میں جو ہو مامور ہے اور فضائل خارجی مختلف ہوتے ہیں باعتبار ذکر اور وقت اور کیفیت اور ثمرات کے۔

ذکر جہری کے جواز کی دلیل یہ ہے: **قال الله تعالیٰ : " اذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفة و دون الجهر "**. الآیة .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے رب کو اپنے جی میں یاد کیا کرو عاجزی سے اور خوف سے اور زیادہ پکار کر نہیں۔

دون الجہر بھی جہر ہی ہے کہ ادنیٰ درجہ ہے۔**قال علیه السلام : " اربعوا علی انفسکم "** الحدیث یہ بھی ذکر ہی ہے رفق فرمایا گلا پھاڑنے سے منع کیا ہے اور مطلق آیات اور حدیث بہت جواز پر دال ہیں۔

نیز مذکور ہے:

ذکر خواہ کوئی ذکر ہووے امام ابو حنیفہ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نص سے ہے وہاں مکروہ اور صاحبین اور دیگر فقہاء و محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین علیہما الرحمہ ہے۔ (تالیفاتِ رشیدیہ،ص ۲۱۸۔۲۲۰).

(۵) حضرت شاہ صاحبؒ بھی فیض الباری میں جہر معتدل کو جائز فرماتے ہیں:

باب ما یکره من رفع الصوت أی في غیر الجهاد؛ اربعوا علی أنفسکم، فیه: بیان لکون الجهر المفرط لغواً لأن الله لیس بغائب ولا أصم لیحتاج إلی هذا الاتعاب، ولیس فیه نهی عن الجهر ولا ذم علیه .

(فیض الباری :٤/٤٤٣).

(٦) حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ خیر الفتاوی میں فرماتے ہیں:

سوال: (۱) علمائے احناف کے یہاں ذکر بلند آواز سے کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

مساجد میں اگر کسی کی نماز خراب ہونے یا کسی مسافر کی نیند خراب ہونے یا ریا کا خوف نہ ہو تو ذکر جہری کرنا کیسا ہے۔اور اگر ان میں سے کسی کا خوف ہو تو کیا حکم ہے نیز جہر اکتنا اونچا جائز ہے؟

(۲) بعض صوفیاء کے یہاں حلقہ بنا کر ذکر بالجہر کیا جاتا ہے یہ عمل کیسا ہے؟

(۳) سلاسل اربعہ: نقشبندی، سہروردی، قادری، چشتی - یہ دلائل اربعہ کی رو سے حق ہیں یا نہیں؟

(۴) حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالی اور ان کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور جمعرات کو بعد از مغرب لائٹ بند کر کے حلقہ بنا کر شیرانوالہ مسجد میں ذکر بالجہر کرواتے ہیں اور جہر اتنا اونچا ہوتا ہے کہ پاس بیٹھنے والے سن اور سمجھ سکتے ہیں یہ کیسا ہے؟

الجواب: (۱-۲) ذکر بالجہر ہر طرح سے جائز ہے کسی کو کسی طریقہ سے منع نہیں کرنا چاہئے۔ ذکر کسی ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے؛ خواہ منفرد یا مجتمع حلقہ باندھ کر یا صف باندھ کر، یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر غرضیکہ کوئی ہیئت ہو جائز ہے۔

عن أبی هريرةؓ وأبی سعيد الخدریؓ قالا: قال رسول اللهﷺ "لايقعد قوم يذكرون الله الا حفتهم الملائكة".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید دونوں حضرات اس کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ارشاد فرماتے ہوئے کہ جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو فرشتے اس جماعت کو سب طرف سے گھیر لیتے ہیں۔

وعن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: يقول الله تبارک و تعالی: " انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا ذكرنی فان ذكرنی فی نفسی ذكرته فی نفسی و ان ذكرنی فی ملإ ذكرته فی ملإ خير منه ".

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالی شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں

بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجمع یعنی فرشتوں کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) اس کا تذکرہ کرتا ہوں۔

وقال الله تعالى : "الذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلى جنوبهم" الآية وفي التفسير الاحمدي في بحث الجهر والإخفاء:

" مختلف فيه بين الأنام في زماننا ولا طائل تحته إذ المقصود بكل الوصول إلى الله تعالى بأي طريق كان " .

البتہ اس میں اس بات کا خیال ضروری ہے کہ یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ کسی نائم یا نمازی کو اذیت نہ ہو اور جہر نہایت مفرط نہ ہو، نیز کسی طریقہ کو لازم نہ سمجھا جائے۔ نیز ذکر بالجہر ادنی کی حد تو متعین ہے کہ ساتھ والوں کے علاوہ دوسرے بھی سن سکیں۔ **"وادنى الجهر اسماع غيره ممن ليس بقربه "** لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں۔ **"واعلاه لا حد له فافهم "** اپنے نشاط پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی شرط وہی ہے کہ کسی مصلی یا نائم کو تشویش نہ ہو۔ **" كما صرف به الفقهاء " .**

(۳) سلاسل اربعہ حق ہیں۔

(۴) جائز ہے بشرطیکہ نہ کرنے والوں پر نکیر نہ کی جاتی ہو اور اس کو عبادت مقصودہ نہ سمجھا جاتا ہو۔ (خیر الفتاوی: ۱/ ۳۴۹، وامداد الفتاوی: ۵/ ۱۵۴-۱۵۵).

(۷) حضرت شیخؒ فضائل اعمال میں فرماتے ہیں:

عن أبي سعيد الخدري أن رسول الله ﷺ قال: " أكثروا ذكر الله حتى يقولوا مجنون".

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔

فائدہ: مجنون جب ہی کہا جائیگا جب نہایت کثرت سے اور زور سے ذکر کیا جائے آہستہ میں یہ بات نہیں ہوسکتی۔ (فضائل اعمال، ص ۴۳۱)۔

(۸) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

ذکر دو قسم پر ہے، ماثور وغیر ماثور، ماثور تو وہ ہے جس کو شارع علیہ السلام نے بالجہر یا بالخفاء معین کر دیا، مثل اذان واقامت وتکبیراتِ انتقالات وقراءۃ فی الصلوٰۃ وتشہد وتسبیحات وغیرہا اس کا حکم تو اتفاقاً یہ ہے کہ جس طور پر معین کر دیا، اسی طرح چاہئے غیر ماثور دونوع ہے، جہر اور خفی، خفی بالاتفاق جائز ہے، جہر میں دو قول ہیں، بعض علماء کے نزدیک مشروع بعض کے نزدیک غیر مشروع، غیر مشروع کہنے والوں کے دو قول ہیں، بعض کے نزدیک حرام بعض کے نزدیک مکروہ، مشروع کہنے والوں کے تین قول ہیں، بعض کے نزدیک جہر اصل وافضل ہے، خفی رخصت، بعض کے نزدیک خفی عزیمت اور افضل، جہر رخصت... بعض کے نزدیک دونوں فی نفسہ مساوی لیکن بعض وجوہ سے بعض مواقع پر جہر افضل ہے، اور بعض وجوہ سے بعض مواقع پر خفا اولیٰ ہے، دلائل قائلین حرمت وکراہت کے یہ ہیں:۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة﴾. الآیة. وعن أبي موسیٰ الأشعریؓ قال: کنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم في سفر فجعل الناس یجهرون بالتکبیر فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: یا أیها الناس اربعوا علی أنفسکم إنکم لاتدعون أصم ولاغائباً، متفق علیه.

آیت وحدیث میں صیغہ امر وارد ہے، ومطلق امر وجوب کے لیے ہے، اور ضدِ واجب حرام یا مکروہ ہوئی **علیٰ اختلاف أهل الأصول في الدر المختار في بحث الجهر بالتکبیر وعدمه یوم الفطر هکذا وجه الأول إن رفع الصوت بالذکر بدعة فیفتقر علی مورد الشرع،** یہ عبارت مشعر حرمت ہے، **وأیضاً فیه ویکره رفع الصوت بذکر أی في المسجد إلا للمتفقهة انتهیٰ،** یہ عبارت مشعر کراہت ہے۔

دلائل مجوزین کے یہ ہیں:۔

قال الله تعالیٰ : ومن اظلم ممن منع مساجدالله ان یذکر فیھا اسمه وسعی فی خرابھا، الآیة ، ظاہر ہے کہ منع ذکر بدون اطلاع ذکر ممکن نہیں اور اطلاع بدون جہر غیر متصور ہے،وعن عبدالله بن زبیرقال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذاسلم من صلاته یقول بصوته الاعلیٰ : ''لا اله الا الله وحده لاشریک له له الملک وله الحمد وهوعلی کل شيء قدیرالی آخرالحدیث رواه مسلم ، وعن ابی بن کعب قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الوترقال سبحان الملک القدوس رواه ابوداود والنسائی وزاد ثلث مرات یطیل وفی روایة للنسائی عن عبدالرحمن ابن ابزی عن ابیه قال کان یقول اذاسلم سبحان الملک القدوس ثلاثاً ویرفع صوته بالثالثة مشکوٰة ،وعن ابن عباسؓ ان رفع الصوت بالذکرحین ینصرف الناس من المکتوبة کان علی عهدالنبی صلی الله علیه وسلم رواه البخاری .

ان احادیث سے مشروعیۃ جہرواضح ولائح ہے، پھر بناءعلی اختلاف الاصولین فی ان ادنی مراتب فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاباحۃ اوالاستحباب ،اس میں مختلف ہے کہ افضل کیا ہے،بعض نے ثبوت عن الشارع کودلیل اباحۃ ٹھہرایااور بوجہ حدیث خیرالذکر الخفی خفی کوافضل کہابعض نے نفس ثبوت عن الشارع کودلیل استحباب افضلیۃ قراردیا۔

عبارات ان علماء کی یہ ہیں :۔

قال المظهر: هذا أی رفع الصوت بسبحان الملک القدوس یدل علی جواز الذکر برفع الصوت بل علی الاستحباب...الخ. (حاشیه مشکوٰة شریف، ص ۱۰٤).

اس عبارت سے واضح ہوا کہ بعض کے نزدیک جہر افضل ہے بعض کے نزدیک خفا اورقائلین بالتفصیل کے دلائل یہ ہیں :۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ولاتجھر بصلاتک ولاتخافت بھا.... وعن عقبة بن عامر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم الجاھربالقرآن... الخ....

اوراقوال بعض فقہاء کے بعض پر حجت نہیں ہو سکتے یہ خلاصہ اختلاف اقوال کا والبسط فی المطولات۔

راقم کی رائے ناقص میں قول مجوزین کا صحیح اوران میں سے مفصلین کا قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ سب آیات واحادیث واقوال علماء کے جمع ہوجاتے ہیں:۔

ع: إن خير الأمور أعدلها۔

پس بعد ثبوتِ مشروعیت جہر کسی طور وہیئت کے ساتھ مقید نہیں، بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع، حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اورصورت سے کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے۔

عن البريدة رضی اللہ عنہ وأبي سعيد رضی اللہ عنہ قالا: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: لايقعد قوم يذكرون اللّٰه إلا حفتهم الملائكة رواه مسلم، وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: يقول اللّٰه تعالىٰ أناْ عند ظن عبدي بي وأناْ معه إذا ذكرني إذا ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي وإن ذكرني في ملاء ذكرته في ملاء خير منهم. متفق عليه. وعن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأن أقعد مع الذين يذكرون اللّٰه من صلاة العصر إلى أن تغرب الشمس أحب إلي من عتق أربعة، رواه أبوداود، وعن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قالوا: ما رياض الجنة قال: حلق الذكر، رواه الترمذی، وقال اللّٰه تعالىٰ: يذكرون اللّٰه قياماً وقعوداً وعلى جنوبهم. وفي التفسير الأحمدي في بحث الجهر

والإخفاء وهذا بحث مختلف فيه بين الأنام في زماننا ولاطائل تحته إذا المقصود بكل الوصول إلى الله بأى طريق كان .

پس ثابت ہوا کہ ذکر جہر ہر طور سے جائز ہے، کسی کو کسی طور سے منع نہ کریں، یہی ارجح واصح ہے، بلکہ اگر عدمِ مشروعیت کو بھی ترجیح دی جاوے تب بھی عوام کو منع نہ کریں، کہ اسی بہانہ سے کچھ خیر کر گزرتے ہیں، چنانچہ خود مانعین نے اس امر کی تصریح کردی ہے:۔**قال في الدر المختار بعد المنع من الجهر وهذا للخواص وأما العوام فلا يمنعون من تكبير ولا تنفل أصلاً لقلة رغبتهم في الخيرات ، بحر....**

ذکرِ جلی کی ادنیٰ حد تو معین ہے، اصطلاح اول پر تو تحریک لسان اور اصطلاح ثانی پر اسماع نفس خود کما صرح بہ الفقہاء لکن اکثر کی کوئی حد نہیں، اپنی نشاط پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی یہ شرط ہے کہ کسی مصلی یا نائم کو تشویش وایذاء نہ ہو، کما صرح بہ الفقہاء۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/ازص ۱۵۱ تا ص ۱۵۵، کتاب السلوک)۔

بعض حضرات اس فتوے کو حضرت تھانویؒ کے اس دور کا فتویٰ قرار دیتے ہیں جب حضرت تھانویؒ کی خط وکتابت حضرت گنگوہیؒ سے نہیں ہوئی تھی، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اولاً تو اس لیے کہ حضرت تھانویؒ کا رجوع اس فتویٰ سے ثابت نہیں، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ جو ان فتاویٰ کے مرتب ہیں ان کو رجوع کا پتہ نہیں چلا اور بعد والے حضرات رجوع کے مدعی ہوں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔

ثانیاً خط وکتابت کے نتیجے میں تو حضرت تھانویؒ نے تصوف کی قیودات و تخصیصات کے جواز کو تسلیم فرمالیا، تو اس کی روشنی میں ذکر کی تمام انواع مرشد کی تلقین کے موافق تسلیم کی گئیں۔

ثالثاً حضرت تھانویؒ نے مفتی شفیع صاحبؒ کے رسالہ پر ضمیمہ لکھا ہے اس میں فرماتے ہیں: اس میں اقوال بہت مختلف ہیں فیصلہ وہ ہے جو علامہ شامیؒ نے علامہ حمویؒ

سے بحوالہ امام شعرانیؒ نقل کیا ہے: **أجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعة في المساجد وغیرها إلا أن یشوش جهرهم علی نائم أومصل أوقارئ قرآن**. یہ ضمیمہ خط وکتابت کے بعد لکھا گیا ہے، کماذکرہ المفتی حمید اللہ جان دام فضلہ، موصوف کا تفصیلی فتویٰ اسی باب کے آخر میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

(۹) حضرت مفتی نظام الدین مفتی دارالعلوم دیوبند کا تفصیلی فتویٰ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض صوفیہ اور مشائخ حلقہ کراتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکرین شیخ کے قریب حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں پھر شیخ ذکر لا الہ الا اللہ کہتا ہے اس کے ساتھ ساتھ سب ذاکرین ایک آواز سے ذکر کرتے ہیں گاہ بگاہ وہ شیخ اس پر توجہ ڈالتا ہے اس کی وجہ سے ان کے اوپر ایک خاص حالت وکیفیت طاری ہوتی ہے، کیا اس طریقہ پر ذکر کرانا اور کرنا ثابت ہے اگر سلف سے ثابت نہیں تو اس صورت میں ایسا کرنا مفید اور جائز ہے یا نہیں؟ تفصیل سے مع نظائر کے جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب۔ وباللہ التوفیق:۔اور اشغال اور اذکار کی طرح یہ بھی ایک طریقہ ذکر وعلاج ہے اس سے بھی ایسی کیفیت پیدا ہوسکتی ہے جس کے ذریعہ سے باری تعالیٰ وعز اسمہ کی محبتِ مطلوبہ کی تحصیل آسان ہو ذکر منفرداً ومجتمعاً خواہ سراً یا جہراً اور توجہ کا القاء جائز وثابت ہے اس لیے اس کا مجموعہ بھی جائز وثابت ہونے میں کلام نہ ہوگا، البتہ اس کو واجب یا سنت کہنا یا قرار دینا یا اسی میں حصر کرنا درست نہ ہوگا۔

پس اگر شیخ کامل جو مکائدِ نفس اور طریق اصلاح سے واقف ہو اور اس کی

محبتِ مطلوبہ کی تحصیل کے لیے یہ طریقہ استعمال کریں تو کوئی وجہ اعتراض نہیں ہے رہ گیا ذکر منفرداً و مجتمعاً تو اس کے لیے مندرجہ ذیل روایت بھی کافی ہیں:۔

(۱) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ وأبي سعيد رضی اللہ عنہ قالا: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لايقعد قوم يذكرون اللّٰه إلا حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وذكرهم اللّٰه فيمن عنده. رواه مسلم. (مشکوٰة شريف:١٩٦).

(۲) وعند حديث طويل قالوا: المفردون يارسول اللّٰه! قال: الذاكرون اللّٰه كثيراً والذاكرات. رواه مسلم. (مشکوٰة شريف).

(۳) عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قالوا: وما رياض الجنة قال: حلق الذكر رواه الترمذى. (مشکوٰة شريف ١٩).

(۴) عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أفضل الذكر لا إله إلا اللّٰه وأفضل الدعاء الحمد للّٰه. (مشکوٰة شريف، ص ٢٠١).

اسی کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ملا لیجئے جس کو مشکوٰۃ، ص ۵۳۵، بروایت بخاری و مسلم کے نقل کیا ہے یہ گھوڑے کی سواری پر قادر نہ تھے، گر جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر اپنے داستِ مبارک سے مارا اور سوار کرایا اس کے بعد سے کبھی گھوڑے سے نہ گرتے تھے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی واقعہ یاد کر لیجئے جس کو وہ خود نقل فرماتے ہیں:

" فبسطت نمرة ليس علي ثوب غيرها حتى قضى النبي صلى الله عليه وسلم مقالته ثم جمعتها إلى صدري فوالذي بعثه بالحق مانسيت من مقالته ذلك إلى يومي هذا. (بخاری ومسلم (مشکوٰة شریف:٥٣٥).

اور اسی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ملا لیجئے جس کو حدیث:" لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من نفسه وماله ووالده وولده أو كما قال صلى الله عليه وسلم" کے تحت محدثین نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ! مال واولاد سے تو زیادہ محبت آپ کی دیکھتا ہوں لیکن اپنی جان سے زیادہ نہیں دیکھتا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینہ پر دستِ مبارک سے ٹھونکا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "الآن يا رسول الله "یعنی ہاں اب یارسول اللہ آپ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ پانے لگا، اس روایت کو اشعۃ اللمعات نے بھی نقل کیا ہے یہ سب توجہ نہیں تو اور کیا ہے، علماء نے توجہ باطنی کی بہت سے طرق تفصیل سے نقل فرمائے ہیں ان کو مطالعہ فرمائے امید ہے کہ خلجان رفع ہوجائے گا۔(منتخباتِ نظام الفتاویٰ:۲/۴۰۴۔۴۰۶، قاضی پبلشرز).

(۱۰) فتاوی محمودیہ میں ایک طویل سوال کے جواب میں مفتی اعظم دار العلوم دیوبند حضرت **مفتی محمود حسن گنگوہی** رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

سوال: (ملخصاً) ہمارے صوبۂ بنگال میں کچھ ایسی وباء پھیلی ہے کہ جس سے دین کو زیادہ نقصان ہورہا ہے۔ جس نے صرف قرآن پڑھا ہوا سے میانجی اور جس نے اردو کی ایک دو کتابیں پڑھ لی ہوں وہ منشی کہلاتا ہے۔ اور جس نے قدوری یا منیۃ پڑھی ہو وہ مولوی اور جس نے مشکوٰۃ، ہدایہ اور جلالین پڑھی ہوں اسے مولانا صاحب کہتے ہیں۔ یہاں جہالت کا غلبہ ہے اس لئے ان کے مزے ہیں کبھی دھوکہ کرتے ہیں اور کبھی کچھ۔

اس اطراف کے لوگوں کو نماز روزہ کا پتہ ہی نہ تھا پہلے شرک میں مبتلاء تھے۔ رفتہ رفتہ علماء کے وعظ ونصیحت سے لوگ ہدایت کی طرف آئے اور ہندوستان کے بعض (مشائخ) پیروں کا آنا جانا ہوا اور لوگ مرید ہوگئے، نماز کا اہتمام اور اجتماعی وانفرادی ذکر اذکار کرنے لگے۔ اس پر منشیوں اور مولویوں کو بڑا حسد ہوا کہ لوگوں کو تو دین کی سمجھ آرہی ہے اور ہماری اجارہ داری ختم ہورہی ہے لہذا حسد اور بغض وعناد کی وجہ سے کہنے لگے ذکر جہری قطعاً حرام ہے اور سلسلہ چشتیہ قادریہ میں داخل ہونے والا شیطانوں کی جماعت میں شرکت کرتا ہے اور ذکر جہری والوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اور جو بزرگوں کی اہانت بیان کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عبارت مذکورہ (شامی اور طحطاوی علی مراقی الفلاح کی عبارت مراد ہیں جو رسالہ میں پہلے آچکی ہیں) سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بلا اختلاف جائز ہے، بلکہ مستحب ہے البتہ کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہوجائیگا۔ مثلاً نمازیوں یا تلاوت قرآن کرنے والوں کو تکلیف ہو یا ریاء کا خوف ہو تو آہستہ ذکر کرنا چاہیئے۔ سلسلہ قادریہ چشتیہ کے اکابر اہل حق بزرگ تھے اور ان میں بہت بڑے بڑے اہل اللہ اور اولیاء اللہ ہوئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ ان میں داخل ہونے والا شیطان کی جماعت میں شرکت کرتا ہے اور داخل ہوتا ہے اگر وہ ان کے اکابر اور بزرگوں کے ساتھ حسد کی وجہ سے کہتا ہے تو وہ خود شیطان اور مردود ہے اور اگر ان کے بعض افراد کے خلاف شرع کام دیکھ کر کہتا ہے تب بھی اس کے لئے ایسا کہنا جائز نہیں ہے۔ ایک شخص کے افعال قبیحہ کی وجہ سے تمام سلسلہ کو شیطان کی جماعت کہنا خدائے تعالیٰ کے بڑے غضب کا سبب ہے۔

بزرگوں کی ارواح کو عالم میں متصرف ماننا کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے وہ سب بزرگوں کی ارواح کرتی ہیں اور خدا کے حکم کو کہیں دخل نہیں اور ان سے مدد مانگنا کہ وہ سب ہماری آواز کو براہ راست سنتے ہیں اور ہماری مدد کرتے ہیں چاہے خدا کا حکم ہو یا نہ ہو یہ مشرکانہ عقیدہ ہے اس سے بھی توبہ لازم ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۶/۳۷-۳۹)۔

(۱۱) امدادالاحکام میں **مولانا ظفر احمد عثمانی** رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"**قال النووي: والجمع بينهما أن الإخفاء أفضل حيث خاف الرياء أوتأذى مصلون أو نيام بجهره والجهر أفضل في غيرذلک لأن العمل فيه أكثر ولأن فائدته تتعدى إلى السامعين ولأنه يوقظ قلب القاري ويجمع همه إلى الفكر ويصرف سمعه إليه ويطرد النوم ويزيد في النشاط ويدل لهذا الجمع حديث أبي داود بسند صحيح عن أبي سعيد رضي الله عنه اعتكف رسول الله ﷺ في المسجد فسمعهم يجهرون بالقراءة فكشف الستر وقال: إن كلكم مناج ربه فلا يؤذين بعضكم بعضاً ولايرفع بعضكم على بعض في القراءة. وقال بعضهم يستحب الجهر ببعض القراءة والإسرار ببعضها لأن المسر قد يمل فيأنس بالجهر والجاهر قد يكل فيستريح بالإسرار. الخ.** (الاتقان فی علوم القرآن:۱/۲۹۹).

پس ذکر جہری اس حد تک جائز ہے کہ اس سے سونے والوں اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور نہ خود اپنے آپ کو تعب ہو اور نہ ریاء کا خوف ہو اور اگر قصد ریاء نہ ہو محض وسوسہ ریاء کا آتا ہو تو وہ ریاء نہیں ہے اس کی پرواہ نہ کرنا چاہیئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ذکر جہری کے لئے حد یہ ہے کہ جس سے نہ اپنے کو ایذا ہو نہ دوسروں کو ایذاء ہو۔ اور اگر کسی نے ذکر جہری تو شروع کیا حد کے اندر پھر بے اختیار بلا قصد کسی کیفیت یا حالت کے غلبہ سے تجاوز عن الحد ہو گیا تو اس شخص پر ملامت نہیں **فان الامور الغير الإختيارية خارجة عن التكليف كما لا يخفى**". (امدادالاحکام ۱/۳۲۰)۔

(۱۲) **مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی** رحمہ اللہ کفایت المفتی میں رقم طراز ہیں:

سوال: زید کہتا ہے جلی ذکر حرام ہے اور عمر کہتا ہے ذکر جلی جائز ہے۔

جواب: ذکر جلی جائز ہے اور مشائخ صوفیہ کا معمول ومتوارث ہے احادیث کثیرہ

سے اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ جن مواقع میں شریعت نے خود ذکر جلی مقرر فرمایا ہے اس کے اندر تو کوئی کلام ہی نہیں کر سکتا ہے جیسے اذان، تکبیر، تلبیہ حج، تکبیر تشریق، وغیرہ کہ یہ سب اذکار ہیں اور جہر سے ثابت ہیں۔ ہاں جن مواقع میں کہ شریعت سے ثبوت نہیں وہاں اگر کوئی وجہ عارضی مانع نہ ہو تو نفس حکم یہی ہے کہ جائز ہے اور اگر کوئی وجہ عارضی مانع ہو تو ناجائز ہو جائیگا۔ موانع عارضیہ کی مثال یہ ہے کہ ذاکر کے جہر سے کسی کو تکلیف ہو یا کسی نماز پڑھنے والے کو نماز میں خلل پڑتا ہو یا ذکر کرنے والا جہر کو ضروری یا لازم سمجھے وغیرہ اور جہاں یہ موانع موجود نہ ہو وہاں ذکر جلی جائز ہے، مگر ذکر خفی اولی ہے۔ (کفایۃ المفتی: ۲/۷۷)۔

(۱۳) مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

اہل تحقیق نے روایات مختلفہ کی تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ اگر ریاء کا اندیشہ ہو یا سونے والوں کے آرام میں خلل یا نمازیوں کی تشویش کا سبب ہو تو ذکر جہری ممنوع ہے اور روایات منع ایسے ہی مواقع پر محمول ہیں اور جس کسی نے ذکر جہری کو بدعت کہا ہے وہ بھی مطلق نہیں بلکہ خاص قسم کے التزامات کے ساتھ ہو تو وہ بدعت ہے مطلق جہر بالذکر کو بدعت کہنے کے کوئی معنی نہیں۔ جبکہ روایت صحیحہ میں اس کا جواز واستحسان ثابت ہے جیسے حدیث: "ان ذکرنی فی ملأ" الحدیث اور جب ذکر جہری ان عوارض ریاء و تشویش مصلین ونائمین وغیرہ سے خالی ہو تو وہ جائز ہے اور نصوص جواز اسی صورت پر محمول ہیں رہا افضل وغیر افضل کا سوال سو وہ احوال واشخاص کے اعتبار سے مختلف ہے کسی کے لئے جہر افضل ہے کسی کے لئے سر افضل اور کسی وقت جہراً افضل کسی وقت سراً تعین اس کا عوام کو خود نہیں کرنا چاہیے کسی شیخ کامل سے کرانا چاہیئے۔ تقریباً یہی مضمون اس مسئلہ کے متعلق حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ نے بھی اپنی ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

(۲) اور حد جہر مفرط ومتوسط کی عرفی امر ہے اس کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جاسکتا

عرفا جس کو جہر مفرط سمجھا جاوے وہ مفرط ہے جس کو متوسط سمجھا جاوے وہ متوسط ہے۔ اور مختار ہمارے مشائخ کا یہ ہے کہ جس کے لئے اس کا شیخ جہر کو تجویز کرے ان کو اتنا جہر کرنا چاہیئے جس سے قلب پر اثر پہنچ سکے اور دماغ پریشان نہ ہو۔ اس سے زیادہ جہر فضول ہے، البتہ کسی وقت غیر اختیاری طور پر جہر میں شدت پیدا ہو جاوے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں اور یہ امر ہر حال میں قابل نظر ہے کہ اس کے جہر سے دوسروں کی نماز تسبیح یا نیند میں خلل بغیر ان کی اجازت کے نہ آئے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، جلد دوم ص۲۲۳، کتاب الذکر والدعا، ط: دارالاشاعت).

(۱۴) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحبؒ فرماتے ہیں:

سوال: ذکر باخفاء افضل ہے یا بجہر؟ اور حالت ذکر میں بعض مرتبہ وجد میں آ کر زانو پر ہاتھ مارنا، تالی بجانا، کودنا، چلانا وغیرہ امور کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ذکر الٰہی خواہ باخفاء ہو یا بجہر ہو عبادت ہے اور اگرچہ ذکر خفی بوجہ عدم مظنہ ریا ذکر جہر سے افضل ہے لیکن اگر ذکر جہری خالی از ریاء و دیگر مفاسد مثل تأذی مصلین، نائمین وقارئین وغیرہ ہو تو بوجہ مشقت ذکر خفی سے افضل ہوتا ہے۔ (بحوالہ شامی)

اور بحالت ذکر اگر وجد (یعنی شور وغل وغیرہ) ریا و سمعہ کے طور پر ہو تو مذموم وحرام ہے اور جو بلا اختیار بلا ریا و بلا سمعہ ہو (تو) مضائقہ نہیں بحوالہ شامی۔ (فتاوی خلیلیہ: ۱/ ۳۲۷).

(۱۵) حضرت مولانا زوار حسین صاحبؒ عمدۃ الفقہ میں فرماتے ہیں:

ذکر سے آواز کا بلند کرنا (یعنی ذکر جہری) مسجد میں اس وقت مکروہ ہے جبکہ اس میں ریا کا خوف ہو یا نمازیوں وقاریوں یا سونے والوں کی ایذا کا خوف ہو اور اگر ان باتوں کا خوف نہ ہو تو مکروہ نہیں، بلکہ بعض علماء کے نزدیک ذکر جہری ہی افضل ہے اس لئے کہ اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی ہوتا ہے اور خود ذکر کرنے والا بیدار دل رہتا ہے اور اس کی ہمت فکر کی طرف متوجہ رہتی ہے اور اپنے کان اس کی طرف لگاتا ہے اور یہ نیند کو

دور کرتا ہے اور نشاط کو بڑھاتا ہے۔(عمدۃ الفقہ ۲/۲۸۷).

(۱۶) حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان مدظلہ کا تفصیلی فتویٰ:

الجواب باسم الملک الوہاب: سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں چاہے وہ عبادات سے متعلق ہو یا عادات سے متعلق ہو اور اصطلاحِ شریعت میں ہر ایسے نو ایجاد طریقہ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے بعد اختیار کیا گیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد میں اس کا داعیہ اور سبب ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو نہ فعلاً نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو رد . (صحيح البخاري: ۱/۳۷۱).

اس حدیث میں چند قیود مذکور ہیں:

قیدِ اول:

یہ ہے کہ وہ امر محدث جدید ہو یعنی خیر القرون کے دور میں اس کا وجود نہ ہو، اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے صاحبِ قاموس الفقہی سعدی ابو حبیب نے بدعت کی تعریف یوں کی ہے:

" البدعة : الأمر المحدث الذي لم يكن عليه الصحابة رضی اللہ عنہم والتابعونؒ". (القاموس الفقهي، ص ۳۲).

بدعت سے مراد کوئی ایسا نیا کام ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظامؒ نے نہ کیا ہو اگر خیر القرون میں اس کا وجود ہو تو بدعت نہیں کہلائے گا، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب مسلمانوں کو رمضان المبارک میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیس رکعت تراویح مع الجماعۃ پورے رمضان میں قرآن پاک ختم کرایا اور پھر فرمایا: " **نعمت البدعة هي** " یہ

چونکہ خیر القرون کے دور میں ہوالہذ ا اسے بدعت شرعی جو کہ مردود ہے، نہیں کہا جائے گا۔ البتہ زیادہ سے زیادہ بدعتِ لغوی کہہ سکتے ہیں۔

قیدِ ثانی:۔

یہ ہے کہ احداث فی الدین ہوا احداث للدین نہ ہو، احداث فی الدین جو کہ ممنوع ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل محدث کو حکم شرعی سمجھ کر کیا جائے اگر حکم شرعی یا شرط لحکم شرعی نہیں سمجھتے تو بدعت نہ ہوگا، نیز یہ واضح رہے کہ حدیث میں جو لفظ "مــا" آیا ہے وہ بھی عام ہے عقائد واعمال دونوں کو شامل ہے اور احداث للدین جو کہ منع نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے فائدہ کے لیے کوئی عمل کیا جاوے، احداث فی الدین اور احداث للدین کی عام فہم مثال یہ ہے کہ نسخہ میں پانچ دوئیاں ہوں اور مریض نے اپنی طرف سے چھٹی دوا ملادی تو یہ احداث فی النسخہ ہوا اور اگر نسخہ کو تیار کرنے کے لیے ہاون دستہ کی جگہ گرینڈر مشین کا استعمال کرلیا تو یہ احداث للنسخہ ہے نہ احداث فی النسخہ، فلیفهم۔

مثال ثانی: قرآن پاک میں اعراب، رکوع، منازل، نقطے ان سے قرآن پاک میں نہ کوئی مسئلہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے یہ سب احداث للقرآن ہیں نہ کہ احداث فی القرآن ۔اسی طرح ہمارے زمانے میں صوفیائے کرام کے طرق خانقاہی اور ہمارے مدارس کا نظام تعلیم اور تبلیغی جماعت کا تربیتی کام یہ سارے مسلمانوں کے فائدے کے لیے ہیں، چونکہ یہ احداث للدین ہیں اس لیے ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔

قیدِ ثالث:۔

"لیس فیه" فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کی ادلہ اربعہ (کتاب، سنت، اجماع، قیاس) سے ثابت نہ ہو پھر اس کو حکم شرعی یا دین سمجھا جائے تو بدعت ہوگا، نیز کسی عمل کے باعث ثواب ہونے اور مستحسن ہونے کے لیے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ جب احادیثِ قولیہ میں اس کی ترغیب موجود ہو تو اس کو

بھی بدعت نہیں کہا جائے گا، بلکہ دین سمجھا جائے گا، حضرت شاہ صاحبؒ نے فیض الباری میں اس ضابطے کی طرف ان الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے:

و اعلم أن الأدعية بهذه الهيئة الكذائية لم تثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم ولم يثبت عنه رفع الأيدى دبر الصلوات فى الدعوات إلا أقل قليل ومع ذلک وردت فيه ترغيبات قولية والأمر في مثله أن لا يحكم عليه بالبدعة فهذه الأدعية في زماننا ليست بسنة بمعنى ثبوتها عن النبي صلى الله عليه وسلم وليست ببدعة بمعنى عدم أصلها فى الدين والوجه الذي ذكرته في رسالتى " نيل الفرقدين "ص ۱۵۳ .أن أكثر دعاء النبي صلى الله عليه وسلم كان على شاكلة الذكر لايزال لسانه رطباً به ...الخ. (فیض الباری:۲/۱۶۷).

اورجان لے تو کہ اس مخصوص ہیئت میں دعائیں مانگنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اورنمازوں کے بعد دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم ثابت ہے باوجود یہ کہ ان میں ترغیباتِ قولیہ موجود ہیں، اوراس قسم کی چیزوں میں حکم یہ ہے کہ ان پر بدعت ہونے کا حکم نہ لگایا جائے۔پس یہ دعائیں ہمارے زمانے میں اس معنی میں سنت نہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور بدعت بھی نہیں ہیں کہ دین میں اس کی اصل موجود نہ ہواوراس کی وجہ وہ ہے جو میں نے اپنے رسالہ ''نیل الفرقدین'' میں ص ۱۵۳پر ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دعا ذکر کے طریقے پر ہوتی تھی ہر وقت آپ کی زبان مبارک اس سے تر رہتی تھی۔

لہٰذا بموجب ایں ضابطہ مذکورہ مجالس ذکر کا اہتمام بدعت نہیں کہلائے گا اس لیے کہ احادیثِ قولیہ میں اس کے بارے میں ترغیبات موجود ہیں جیسا کہ مجمع الزوائد کی حدیث مبارکہ کے یہ الفاظ ''**المتحابون فى الله من قبائل شتىٰ من بلاد شتىٰ يجتمعون على ذكر الله يذكرونه**'' مشیر ہیں اور بخاری ومسلم کی مشہور طویل

حدیث (جو آگے آرہی ہے) کی شرح میں علامہ کرمانی کا یہ قول "**وفیہ شرف أصحاب الأذکار وأھل التصوف الذین یلازمونھا ویواظبون علیھا**" صراحتاً دلالت کرتا ہے۔ اس حدیثِ مبارک سے علامہ کرمانیؒ نے صوفیاء کے مجالس ذکر کے انعقاد پر مداومت پر استدلال فرمایا ہے، نیز قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حضرت تھانویؒ کے مکتوب کا جواب ان الفاظ میں عنایت فرمایا:

"اشغال مشائخ کی قیود وتخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں ہے اس کو مقیس علیہ ٹھہرانا سخت حیرانی کا موجب ہے خاص کر تم جیسے فہمیدہ آدمی سے کیوں کہ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ تعالیٰ ہے اگر چہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب اور متعدد آیات واحادیث سے مامور ہونا اس کا ثابت ہے، اور طرح طرح کے طرق واوضاع سے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے گویا ساری شریعت اجمالاً وہی ہے جس کا بسط بوجہ طول ناممکن ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت وہر حدیث سے وہی ثابت ہوتا ہے پس جس چیز کا مامور بہ ہونا اس درجہ کو ثابت ہے اس کی تحصیل کے واسطے جو طریقہ بھی مشخص کیا جاوے گا وہ بھی مامور بہ ہوگا اور ہر زمانہ اور ہر وقت میں بعض مؤکد ہو جائے گا اور بعض غیر مؤکد، لہذا ایک زمانے میں صوم وصلوٰۃ وقرآن واذکار مذکورہ احادیث مامور بہ کی تفصیل کے واسطے کافی ووافی تھے اس زمانے میں یہ اشغال بایں قیود اگر چہ جائز تھے مگر ان کی حاجت نہ تھی، بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح پر بدلا اور طبائع اس اہل طبقہ کی بنسبت بعد زمان خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آگئیں تو یہ اوراد اس زمانے کے اگر چہ تحصیل مقصود کر سکتے تھے مگر بدقت ودشواری لہذا طبیبان باطن نے کچھ اس میں قیود بڑھائیں اور کمی وزیادتی اذکار کی گویا حصول مقصود ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا لہذا ایجاد بدعت نہ ہوا بلکہ اگر کوئی ضروری کہہ دیوے تو بجا ہے کیوں کہ حصول مقصود بغیر اس کے دشوار ہوا اور وہ مقصود مامور بہ تھا اس کا حاصل کرنا

بمرتبہ خود ضروری تھا، پس گویا قیود مامور بہ ہوئیں نہ بدعت۔ الخ .(تذکرۃ الرشید،ص ۱۲۱).

حضرت کی اس عبارت سے بھی ہمارے ذکر کردہ ضابطے تائید ہورہی ہے صوفیا کے اشغال وتخصیصات اصل موجود ہے اس لیے اولیاء اللہ کا مقصد تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنا ہوتا ہے تو وہ اس عظیم مقصد کے لیے بدعات جیسے حرام کاموں کے کیسے مرتکب ہوسکتے ہیں۔

نیز التزام ودوام میں فرق ہے بعض حضرات اس کو نہیں سمجھتے اس لیے کہ عربی میں کہیں کہیں ایک کا دوسرے کی جگہ استعمال ہوا ہے جب کہ شریعت میں دونوں میں فرق ہے:۔

التزام کا مقصد یہ ہے کہ اس چیز کو عقیدہ لازمی اور ضروری سمجھ کر کیا جائے اور نہ کرنے والے کو گمراہ سمجھا جائے جب کہ دوام واہتمام میں یہ معنی نہیں ہیں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دل میں دین کی عظمت کی بنیاد پر کسی عمل کو اہتمام سے کرنا اور اہتمام نہ کرنے والے کو گمراہ نہ سمجھنا جیسا کہ بعض اہل اللہ تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے پر روتے تھے اور مجالس ذکر کا اہتمام من قبیل الثانی ہے اس لیے کہ سلاسل طریقت میں سے جو ان کا انعقاد نہیں کرتے، ان میں سے کوئی بھی کسی کو گمراہ نہیں سمجھتا بلکہ سب ایک دوسرے کو حق پر سمجھتے ہیں۔

اس مقدمہ تمہیدی کے بعد تفصیلاً عرض ہے کہ مجالس ذکر کا انعقاد اور ذکر بالجہر کرنا جائز ہے لیکن اس میں چند شرطیں ہیں:۔

(۱) جہر مفرط نہ ہو۔

(۲) کسی نمازی کی نماز میں اس کی وجہ سے خلل واقع نہ ہوتا ہو۔

(۳) تلاوت کرنے والے کی تلاوت متاثر نہ ہو۔

(۴) سونے والے کی نیند خراب نہ ہو۔

(۵) اگر ان شرائط کا لحاظ نہ کیا جائے تو ذکر بالجہر جائز نہیں ہے۔

سب سے پہلے چند احادیث مبارکہ کوذکرکریں گے جن میں مجالس ذکراوران کی فضیلت کا تذکرہ ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن لله ملائكة يطوفون في الطريق يلتمسون أهل الذكر فإذا وجدوا قوماً يذكرون الله تنادوا هلموا إلى حاجتكم فيحفونها بأجنحتهم إلى السماء فإذا تفرقوا عرجوا وسعدوا إلى السماء فيسألهم ربهم وهو يعلم من أين جئتم ؟ فيقولون جئنامن عند عبادك يسبحونك ويكبرونك ويحمدونك فيقول هل رأوني ؟ فيقولون لا، فيقول كيف لو رأواني ؟ فيقولون كانوا أشد لك عبادة وأشدلك تمجيداً وأكثر لك تسبيحاً فيقول فمايسألون ؟ فيقولون يسئلونك الجنة، فيقول هل رأوها ؟ فيقولون لا، فيقول لورأوها ، فيقولون لو إنهم رأوها كانوا أشد عليها حرصاً و أشد لها طلباً وأعظم فيها رغبة قال: فيم يتعوذون ؟ فيقولون يتعوذون من النار فيقول وهل رأوها ؟ فيقولون لو إنهم رأوها كانوا أشد منها فراراً وأشد لها مخافة فيقول: ألا أشهدكم أني قد غفرت لهم فيقول ملك من الملائكة فلان ليس منهم إنما جاء لحاجة قال: هم القوم لايشقى بهم جليسهم . (رواه البخاري :٢/٩٤٨ـومسلم ٢/٣٤٤ـوالبيهقي:٢/٤٢٨).

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت جوراستوں میں گشت کرتی رہتی ہیں اور جہاں کہیں ان کواللہ تعالیٰ کا ذکرکرنے والے ملتے ہیں تووہ آپس میں ایک دوسرے کوبلاکرسب جمع ہوجاتے ہیں اورذکرکرنے والے کے گرد آسمان تک جمع ہوجاتے ہیں، جب وہ مجلس ختم ہوجاتی ہےتووہ آسمان پرجاتے ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ باوجودیہ کہ ہرچیزکوجانتے ہیں پھربھی دریافت فرماتے ہیں: کہ تم کہاں

سے آئے ہو، وہ عرض کرتے ہیں کہ تیرے بندوں کی فلاں جماعت کے پاس سے آئے ہیں جو تیری تسبیح تکبیر اور تعریف کرنے میں مشغول تھے، ارشاد ہوتا ہے کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے فرشتے عرض کرتے یا اللہ دیکھا تو نہیں ارشاد ہوتا ہے اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں تو اور بھی زیادہ عبادت میں مشغول ہوجاتے اور اس سے بھی زیادہ تیری تعریف اور تسبیح میں منہمک ہوجاتے ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ جنت چاہتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اس سے بھی زیادہ شوق وتمنا اور اس کی طلب میں لگ جاتے، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے، ارشاد ہوتا ہے کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں دیکھا تو ارشاد ہوتا ہے اگر دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں وہ اور بھی اس سے زیادہ بھاگتے اور بچنے کی کوشش کرتے، ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا تم گواہ رہو کہ میں نے ان تمام مجلس والوں کو بخش دیا ایک فرشتہ عرض کرتا ہے یا اللہ فلاں شخص اس مجلس میں اتفاقاً اپنی کسی ضرورت سے آیا تھا وہ اس مجلس کا شریک نہیں تھا، ارشاد ہوتا ہے کہ یہ جماعت ایسی مبارک ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں: ”**وفيه شرف أصحاب الأذكار وأهل التصوف الذين يلازمونها ويواظبون عليها**. (حاشية البخاري ٢/٩٤٨).

یعنی اس حدیث میں ذکر کرنے والوں اور اہل تصوف کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ جو کہ ان مجالس کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی پابندی کرتے ہیں، فقیر کہتا ہے کہ اس حدیث میں فرشتوں کا مجلس کی طرف بلاواتداعی کے جواز کی دلیل ہے، کیونکہ فرشتے گناہ سے

معصوم ہیں، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:

وفی الحدیث فضل مجالس الذکر والذاکرین وفضل الاجتماع علی ذلک. الخ. (فتح الباری: ۱۱/۱۷۸).

یعنی اس حدیث میں مجالس ذکر اور ذکر کرنے والوں اور ذکر کرنے کے لیے اکھٹے ہونے والوں کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

فھؤلاء سیارة لاوظیفة لھم وإنما مقصودھم حلق الذکر وفي ھذا الحدیث فضیلة الذکر وفضیلة مجالس الذکر .الخ. (نووی علی صحیح مسلم: ۲/۳٤٤).

یعنی ان فرشتوں کا سوائے ذکر کے حلقوں کو تلاش کرنے کے اور کوئی کام نہیں ہے ...اور اس حدیث میں ذکر اور ذکر کی مجالس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

بعدازاں مفتی حمید اللہ صاحب نے چند احادیث اور فقہاء کی عبارات ذکر فرمائی ہیں چونکہ ماقبل میں یہ عبارات گزرچکی ہیں، لہذا بسببِ تکرار چھوڑ دیا جاتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

علامہ حمویؒ نے امام غزالیؒ کا قول نقل کیا ہے:

وقد شبہ الغزالي ذکر الإنسان وحدہ وذکر الجماعة بأذان المنفرد وأذان الجماعة، قال: فکما أن أصوات المؤذنین جماعة تقطع جرم الھواء أکثر من صوت مؤذن واحد کذلک ذکر الجماعة علی قلب واحد أکثر تأثیراً في رفع الحجب الکثیفة من ذکر شخص واحد.

(حموی علی الاشباہ: ۳/۱۹۲).

ترجمہ امام غزالیؒ نے اکیلے آدمی کے ذکر کو اور جماعت کے ذکر کو تشبیہ دی ہے منفرد کی اذان اور جماعت کی اذان کے ساتھ انہوں نے فرمایا جس طرح بہت سے مؤذنین

کی اذانوں کی آواز ہوا کے جسم کو اکیلے مؤذن کی آواز سے زیادہ کاٹتی ہے اسی طرح جماعت کا ذکر ایک آدمی کے دل پر گندے پردوں کے اٹھانے میں زیادہ تاثیر رکھتا ہے بنسبت اکیلے آدمی کے ذکر کے۔

اورعلامہ عبدالحی لکھنویؒ اپنے رسالہ ''سباحۃ الفکر'' میں فقہاء کی عبارات کونقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

أقول وبالله التوفيق ومنه الوصول إلى التحقيق: هذه عبارات أصحابنا فانظر فيها كيف اضطربت آراء هم واختلفت أقوالهم فمن مجوز ومن محرم ومن قائل إنه بدعة ومن قائل إنه مكروه والأصح هو الجواز مالم يجاوز الحد كما اختاره الخير الرملي. (سباحة الفكر في الجهر بالذكر، ص ۵۳).

ترجمہ: یہ ہمارے اصحاب کی عبارات ہیں تو ان کو دیکھ کہ کیسے ان کی آراء میں اضطراب ہے اوران کے اقوال میں اختلاف ہے بعض نے اسے (ذکر جہری) جائز قرار دیا ہے اور بعض اسے حرام قرار دیتے ہیں اور بعض نے اس کو بدعت کیا ہے اور بعض اس کو مکروہ سمجھتے ہیں اور واضح ان میں سے جواز کا قول ہے، جب تک حد سے تجاوز نہ کرے، جیسا کہ خیرالدین الرملیؒ نے اس کو اختیار کیا ہے، پھر علامہ نے ذکر جہری کے اثبات پر بیالیس احادیث نقل کی ہے، ان میں سے چند وہی ہیں جو ہم ماقبل میں نقل کر چکے ہیں۔ مجالس ذکر کے بارے میں پھر علامہ تحریر فرماتے ہیں:

فهذه أحاديث صحيحة يظهر منها ومن نظائرها صراحةً وإشارةً أن لا كراهة في الجهر بالذكر بل فيها ما يدل على جوازه واستحبابه كيف لا والجهر بالذكر له أثر في ترقيق القلوب ماليس في السر نعم الجهر المفرط مكروه شرعاً وكذا الغير المفرط إذا كان فيه إيذاء لأحد من نائم أو مصل. (سباحة الفكر، ص ۷۲).

یہ صحیح احادیث ہیں اوران سے اوران جیسی اوراحادیث سے صراحۃً یااشارۃً ظاہر ہوتاہے کہ ذکر جہری میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے بلکہ ان میں سے ان کا جواز یا استحباب ملتاہے اور کیوں نہ ہو جب کہ جہری ذکر میں دلوں کونرم کرنے کی ایسی تاثیر ہے جوسری ذکر میں نہیں ہے، ہاں جہرمفرط شرعا مکروہ ہےاوراسی طرح جہرغیرمفرط بھی جب کہ اس میں نمازی یاسونے والے کوتکلیف ہو۔

پھرعلامہ تحریرفرماتے ہیں: **ومنهم الشيخ عبد الحق الدهلويؒ حيث أورد في رسالته المسماة " بتوصيل المريد إلى المراد ببيان أحكام الأحزاب والأوراد" كلاماً طويلاً بالفارسية في جوازه وأناْ أذكره معرباً فنقول: الجهر والإعلان بالذكر والتلاوة والاجتماع للذكر في المجالس والمساجد جائزومشروع لحديث من ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منه الخ.** (سبحة الفكر،۷۳).

پھر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ایک اعتراض کا جواب دیاہے: **لايقال: لايلزم من اجتماع قوم لذكر جهرهم بالذكر لجواز أن يكون ذكر كل منهم سراً عليحدة لأنا نقول: إذا كان الذكر سراً فلا يظهر للاجتماع فائدة معتدة بها.** (سباحة الفكر،ص ۷٤).

یہ اعتراض نہ کیاجائے کہ کسی قوم کے ذکر کے لیے جمع ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کاذکر جہری ہو بلکہ ہوسکتاہے کہ ہرایک اپنااپناذکر آہستہ آہستہ کرلے اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ اگر ذکر ہرکوئی اپنااپنا سری طورپر کرے توپھر اجتماع کا معتدبہ فائدہ نہیں ظاہرہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ :۲/۰۷، میں فرماتے ہیں: **لاشك أن اجتماع المسلمين راغبين ذاكرين يجلب الرحمة والسكينة و يقرب من الملائكة .**

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمانوں کا جمع ہوکر ذکر کرنا رحمت وسکینہ کو کھینچتا ہے اور ملائکہ کو قریب کرتا ہے۔

باقی رہا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا مسئلہ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے جو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے مکتوب میں فرمایا ہے:

یہ روایات اور ان کے ہم معنی شیخینؒ کی مرفوعاتِ صحیحہ ہیں ان کے مقابلہ میں دارمی کی وہ روایات جو آپ نے ذکر فرمائی ہیں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ جب کہ وہ موقوف ہیں اور اس کے رواۃ متفق علیہ نہیں ہے اگر چہ ثقات ہیں، اس لیے معارضہ کیا جائے تو ان احادیثِ مذکورہ بالا کو ہی ترجیح ہوگی خصوصاً جب اطلاق آیاتِ ذکر ان کے موید ہو۔

اس کا دوسرا جواب وہ ہے جس کو علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے تعالیق الانوار حاشیہ در مختار جو کہ علامہ عبدالمولی بن عبداللہ دمیاطیؒ کی تصنیف ہے کے حوالہ سے اپنے رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر میں دیا ہے:

وفي تعاليق الأنوار حاشية الدر المختار: قوله ورفع صوته بالذكر، روي عن ابن مسعود رضي الله عنه أنه رأى قوماً يهللون برفع الصوت فى المسجد فقال: ما أراكم إلا مبتدعين وأمر بإخراجهم لكن قال العلامة الحنفي في رسالة " فضل التسبيح والتهليل": ما نقل عن ابن مسعود رضي الله عنه غير ثابت بدليل ما في كتاب الزهد بالسند إلى أبي وائل رضي الله عنه أنه قال: هؤلاء الذين يزعمون أن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه كان ينهى من الذكر ماجالسته مجلسا إلا ذكر الله أى جهراً. (سباحة الفكر فى الجهر بالذكر، ۵۰).

اور اصول فقہ کا مسلمہ اصول ہے کہ اگر کسی راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس کی روایت قابل عمل نہیں ہوتی۔...

اب اکابر ائمۃ العلم والدین، شموس الہدی، وبدور الدجی، اولیاء کاملین، فقہاء و محدثین ومحققین نور اللہ مراقدہم برد اللہ مضاجعہم میں سے مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فتویٰ

ملاحظہ ہو، مفصل فتویٰ میں جانبین کے دلائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ (تفصیلی فتویٰ پہلے گزر چکا ہے):

اور اقوالِ بعض فقہاء کے بعض پر حجت نہیں ہو سکتے یہ خلاصہ ہے اختلافِ اقوال کا و البسط فی المطولات، راقم کی ناقص رائے میں قول مجوزین کا صحیح اور ان میں سے مفصلین کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، کہ سب آیات واحادیث اقوال علماء کے جمع ہو جاتے ہیں:

إن خير الأمور أعدلها.

پس بعد ثبوتِ مشروعیتِ جہر کسی طور وہیئات کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاقِ ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو، یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے...(امداد الفتاویٰ: ۵/۱۵۴).

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ مولانا تھانویؒ کے اوائل دور کا فتویٰ ہے یعنی ۱۳۰۴ھ کا جو کہ مولانا گنگوہیؒ سے مکاتبت سے بھی پہلے دور کا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا گنگوہیؒ سے مکاتبت جو کہ (تذکرۃ الرشید) جلد اول میں موجود ہے اس میں تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جو کہ اس فتویٰ کے خلاف ہو بلکہ اس سے بھی اس کی تائید ہی ہوتی ہے کہ اشغالِ صوفیہ بدعت نہیں ہیں، اس لیے کہ حضرت گنگوہیؒ سے حضرت تھانویؒ نے مجالس ذکر کے بارے میں سوال کیا تھا جس کے جواب میں حضرت گنوگوہیؒ نے یہ جواب دیا کہ اشغالِ صوفیہ اصل سے بدعت ہی نہیں ہے نیز حضرت تھانویؒ سے اس فتویٰ سے رجوع بھی ثابت نہیں ہے۔ امداد الفتاویٰ مبوب بترتیب جدید میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے کئی ایسے مسائل جن سے حضرت تھانویؒ نے رجوع فرمایا تھا تصریح فرمائی ہے لیکن اس فتویٰ کے بعد تو کوئی ایسی تصریح ہمیں نظر نہیں آئی کہ حضرت تھانویؒ نے اس سے رجوع فرمایا ہو، ہاں البتہ بعد میں حاشیہ میں اس کی مزید تفصیل ضرور بیان فرمائی ہے۔

نیز ۱۳۴۲ھ میں حضرت تھانویؒ نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے رسالہ ''آداب

المساجد''پر ایک ضمیمہ ''دأب المساجد'' کے نام سے لکھا ہے اس میں ص ۵۱ پر فرماتے ہیں
''قولہ (مسئلہ) مسجد میں ذکر جہر کرنا اور آواز سے تلاوتِ قرآن کرنا سب ناجائز ہیں
''خلاصہ الفتاویٰ'' الی قولہ ناجائز فرمایا ہے اس پر حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: اس
میں اقوال بہت مختلف ہیں فیصلہ وہ ہے جو شامیؒ نے حاشیہ حمویؒ سے امام شعرانیؒ کا قول
نقل کیا ہے:'' **أجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها إلا أن یشوش جهرهم علی نائم أومصل أوقائ قرآن الخ.** (شامی: ۱/۴۸۸).

اس فیصلہ سے سب اقوال جمع ہو جاتے ہیں الخ، حضرت تھانویؒ کا یہ ضمیمہ تحریر فرمانا
تو حضرت گنگوہیؒ سے مکاتبت کے بعد والے دور میں ہے اس لیے کہ مکاتبت ۱۳۱۴ھ
میں ہوئی اور یہ ضمیمہ ۱۳۴۶ھ میں تحریر فرمایا ہے لہذا اگر حضرت گنگوہیؒ سے مکاتبت میں
کوئی چیز اس کے خلاف ہوتی تو حضرت تھانویؒ اس ضمیمہ میں ضرور تصریح فرماتے اور
اس ضمیمہ میں اور سابقہ فتویٰ میں اختلاف ہوتا حالانہ ان میں اختلاف نہیں ہے لہذا
حضرت تھانویؒ کا آخری فیصلہ یہی ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ ''فتاویٰ مظاہر العلوم'' جلد اول
ص ۳۲۷ پر تحریر فرماتے ہیں: ''ذکر الٰہی خواہ باخفاء ہو یا بجہر وہ عبادت ہے اور اگر چہ ذکر
خفی بوجہ عدمِ مظنہ ریاء ذکر جہر سے افضل ہے لیکن اگر ذکر جہر خالی از ریا اور دیگر مفاسد
مثلاً تاذی مصلین اور نائمین اور قارئین وغیرہ ہو تو بوجہ مشقت ذکر خفی سے افضل ہوتا
ہے۔

اس فتویٰ سے بھی ہمارے قول کی تائید ہو رہی ہے۔

باقی علامہ ابن امیر الحاجؒ نے اپنی کتاب ''المدخل'' میں اس مسئلہ میں تشدد سے کام
لیا ہے لہذا جب ہمارے معتدل المزاج محققین جیسے علامہ رملیؒ علامہ شعرانیؒ امام غزالیؒ
امام حمویؒ علامہ طحطاویؒ علامہ شامیؒ شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ مولانا عبدالحی

لکھنویؒ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ وغیرہم حضرات کی عبارات جواز پر موجود ہیں، تو پھر ان کے مقابلہ میں متشددین کے قول پر فتویٰ دینا اور امت میں ذہنی انتشار کی صورت پیدا کرنا مناسب نہیں ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(مفتی) کتبہ حمید اللہ جان (صاحب دامت برکاتہم)۔

خادم الحدیث والافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور۔

(ماخوذ از ذکر بالجہر کا شرعی حکم، از حافظ نثار احمد الحسینی، از ص ۳۱۷ تا ۳۳۶، ط: خانقاہ امدادیہ).

بڑے علماء اور مشائخ کی تقریظات و تائیدات

کتاب ''ذکر بالجہر کا شرعی حکم'' میں علماء اور مشائخ کی تقریظات بھی شامل کی گئی ہیں: جن میں سے چند نامور اور مشہور علماء کے اسمائے گرامی درجِ ذیل ہیں۔

مثلاً حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی دامت برکاتہم، صدر مفتی دار العلوم دیوبند انڈیا، بقیۃ السلف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عاقل صاحب، دامت برکاتہم، صدر مدرس جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور، انڈیا۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ جان محمد صاحب دامت فیوضہم، امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت۔ شیخ المشائخ حضرت سید نفیس الحسینیؒ شاہ صاحب رحمہ اللہ۔ شیخ المشائخ استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی فرید صاحب دامت فیوضہم سابق صدر مدرس و صدر مفتی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ (ماضی قریب میں دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرما گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً) فقیہ العصر استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب رحمہ اللہ صدر، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب دامت فیوضہم، فاضل دارالعلوم دیوبند صدر مدرس نجم المدارس، تلمیذ رشید شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ۔ بقیۃ السلف استاذ العلماء امام المجاہدین حضرت مولانا شیخ الحدیث ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب دامت فیوضہم صدر مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت فیوضہم خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ بانی و مہتمم جامعہ

زکریا کربوغہ شریف کوہاٹ۔ محقق العصر حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب دامت فیوضہم ، رشید دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ محقق العصر مولانا مفتی محمد مختار اللہ حقانی صاحب دامت فیوضہم مفتی دارالعلوم حقانیہ اکورہ خٹک۔ جانشین قطب الارشاد، حضرت مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی دامت فیوضہم ، جامعہ مدنیہ خانقاہِ مدنی مدینہ مسجد اٹک شہر۔ ادیب العصر حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت فیوضہم ، بانی و مہتمم جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ۔

(ماخوذ از ذکر بالجہر کا شرعی حکم، ص۳۳۹ تا ۳۹۰).

ذکر جہری کی ایک جھلک

اکابرین کی خانقاہوں میں

(۱) گنگوہ کی خانقاہ میں ذکر جہری:

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ نے فرمایا کہ خانقاہ کے پاس ہی تالاب تھا جس کے دوسری طرف ایک مسجد تھی اس مسجد میں حضرت مولانا یحییٰ کاندھلویؒ کا اپنے تلامذہ ومتعلقین کے ساتھ قیام تھا نصف شب کے بعد سے خانقاہ سے بھی ذکر جہری شروع ہوجاتا اور حضرت مولانا یحییٰ والی مسجد سے بھی، جس کے اثر سے پوری فضا ”لا إله إلا الله ، إلا الله اور الله الله“ کی ضربوں سے گونج اٹھتی تھی جس کے نتیجے میں تالاب پر کپڑے دھونے والے دھوبی بھی اس ذکر جہری سے متاثر ہوئے اور ان کا دائمی معمول بھی یہ بن گیا کہ جب کپڑا پتھر پر مارتے تو زبان سے ضرب کے ساتھ اللہ اللہ کا نعرہ بھی لگاتے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی طریقت کا حال یہ تھا کہ حضرت قدس سرہ کی خانقاہ کے قریب جو عام گڑھا ”تالاب“ مشہور ہے اس میں پچاس ساٹھ دھوبی آخر شب میں کپڑے دھویا کرتے تھے وہ بجائے مختلف آوازوں کے اللہ اللہ کی صدائیں لگایا کرتے تھے۔

(۲) بنگلہ والی مسجد ”مرکز تبلیغ“ میں ذکر جہری:

امام التبلیغ اسوۃ السلف الصالحین حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کے زمانہ میں بنگلہ والی مسجد ''مرکز تبلیغ'' میں ہمیشہ کا معمول تھا کہ لوگ تہجد پڑھنے کے بعد مسجد میں اور باہر صحن میں اور برآمدے میں ذکر جہری میں مشغول ہو جاتے اور ان سب کی آواز سے مسجد اور اس کے باہر کا سارا حصہ ذکر جہری سے گونجتا رہتا تھا، نیز یہی معمول حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلویؒ کے زمانہ میں بھی تھا۔

(۳) مسجد خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں ذکر جہری:

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زمانہ میں نماز فجر کے بعد لوگ مسجد میں وظیفہ پڑھتے رہتے تھے اور کچھ اہل خانقاہ اور طالب علم کلام پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور کچھ لوگ ذکر جہری میں محو ہوتے تھے پھر سورج نکلنے پر مدرسہ شروع ہوتا تھا۔

نیز حضرت تھانویؒ جب نماز تہجد کے بعد ذکر فرماتے تھے تو حضرت کے ذکر کے ساتھ ساتھ حضرت خواجہ صاحب اور دوسرے حضرات بھی ذکر شروع کر دیا کرتے تھے۔ اور آپ اس سے منع نہیں فرماتے تھے۔

(۴) مسجد شیرانوالہ میں ذکر جہری:

امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب ذکر بالجہر کا اہتمام فرماتے۔ تاعمر آپ نے اس پر مواظبت فرمائی اور اپنی اجازت سے جگہ جگہ ذکر کی مجالس قائم کروائیں آپ کے سلسلہ عالیہ میں الحمد للہ اب بھی پاک و ہند کے علاوہ عرب اور یورپین ممالک میں خانقاہیں قائم ہیں اور مجالس ذکر کا اہتمام جاری ہے۔

حضرت اقدس لاہوریؒ اور ان کے جانشین امام الہدیٰ حضرت عبید اللہ انورؒ یہ مجلس ذکر جہری ہر جمعرات کو مغرب کے بعد مسجد شیرانوالہ میں اہتمام سے منعقد کرتے رہے، اس مجلس میں عموماً دوسو کے قریب حضرات شرکت کرتے تھے۔

(۵) برکۃ العصر حضرت شیخ مولانا محمد زکریاؒ کی مجلس میں ذکر جہری:

ہر جمعہ کو حضرت شیخؒ کا معمول تھا کہ عصر سے مغرب تک مسجد میں ہی معتکف رہتے اور اس دوران مختلف لوگ مریدین و متعلقین بھی حضرت کے ساتھ ہی مسجد میں رہتے جن میں اکثر ذکر جہری میں مشغول رہتے اور ان کے ذکر سے مسجد گونجتی رہتی۔

دار العلوم دیوبند سے بھی بہت سے اساتذہ وطلبہ شرکت کرتے تھے۔ حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی بھی ہمیشہ اس مجلس میں بہت اہتمام سے شرکت فرماتے۔

یہ مجلس پورے سال ہوتی اور ہندوستان کے اکابر علماء ومشائخ اور مفتیان کرام میں سے اکثر کوئی نہ کوئی اس میں ضرور شرکت کرتا۔ کبھی کسی سے اس بارے میں نکیر سننے میں نہیں آئی۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا معمول رمضان المبارک میں اعتکاف کا تھا اس میں دیگر معمولات کے علاوہ ظہر تا عصر ذکر جہری کی مجلس ہوتی تھی جس میں وقت کے اکابر، علماء، مشائخ اور مفتی حضرات شرکت فرمایا کرتے تھے۔

چودہ سو ہجری کا رمضان حضرت مفتی زین العابدین صاحب کی مسجد فیصل آباد میں ہوا، جہاں جم غفیر شریک تھا ان میں حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی، حضرت مفتی اعظم پاکستان، حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ کے علاوہ بہت سے وقت کے اکابر نہ صرف شریک رہتے بلکہ خود بھی اس مبارک مجلس میں ذکر جہری میں محو رہتے تھے۔

(۶) چھتہ والی مسجد دیوبند میں ذکر جہری:

فقیہ الامت مفتی اعظم قطب زمان حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی قیام گاہ چھتہ والی مسجد دیوبند میں ہمیشہ مجلس ذکر پورا سال روزانہ ہوتی تھی، انتقال سے دو تین سال قبل سے یہ حال ہوگیا تھا کہ روزانہ ذکر جہر کرنے والے کافی تعداد میں آجاتے تو سب مسجد ہی میں مجتمع ہو کر ذکر جہری اپنے اپنے معمول کے مطابق کرتے۔

یہ مجلس ذکر جہری روزانہ بلا ناغہ مسجد چھتہ میں ہوتی جب تک حضرت مفتی صاحب

کا وہاں قیام رہتا اور جب سفر میں تشریف لے جاتے تو جہاں جاتے وہیں روزانہ مجلس ذکر کا اہتمام ہوتا کہیں مسجد میں اور کہیں کسی مکان پر۔آپ کا وجود ہی ایک چلتی پھرتی خانقاہ تھا۔

(۷) رائے پور کی خانقاہ میں ذکر جہری:

ہمارے اکابرؒ کی خانقاہوں میں رائے پور شریف کی خانقاہ کی بھی امتیازی شان ہے مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ سوانح حضرت رائے پوریؒ میں زیر عنوان ''رائے پور شریف کی خانقاہ'' تحریر فرماتے ہیں:

جنگل کی اس خاموش فضا میں خانقاہ اللہ کے نام کی صداؤں سے اور ذکر کی آوازوں سے گونج جاتی۔رائے پور کی فضا میں ہر آنے جانے والے کو سب سے پہلے جو چیز متوجہ کرتی تھی وہ ذکر کی کثرت ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پتہ پتہ سے اللہ کے نام کی آواز کی صدا آرہی ہے،دن رات کے کم اوقات ذکر کی آواز سے خالی نظر آتے۔

حضرت رائے پوریؒ کی ایک نصیحت: ''اللہ کے ذکر کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا اور اس میں کسی کی نہ ماننا،چاہے کوئی کتنے ہی دلائل دے۔مجھے تم اس میں تجربہ کار سمجھو''۔(ماخوذ از مساجد میں مجالس ذکر جہری کا استحباب ص ۳۹-۸۸)۔

ذکر سری اور ذکر جہری میں افضلیت کا حکم :۔

سوال: ذکر جہری اور ذکر سری میں کون سا افضل ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا موقف اس بارے میں کیا ہے؟

الجواب: اکثر مشائخؒ ذکر سری کو افضل کہتے ہیں اور بعض ذکر جہری کو مصالح کی وجہ سے بہتر فرماتے ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں:

سوال: ذکر جہری اور ذکر سری میں افضل کون سا ہے؟

الجواب: ذکر جہری بہتر ہے بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچے۔

(مکتوباتِ شیخ الاسلام :۱/۳۰).

اس کے حاشیہ میں مفتی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء أو تأذى المصلون أو النيام والجهر أفضل حيث خلا مما ذكر أنه أكثر عملاً وليتعدى فائدته إلى السامعين ويوقظ قلب الذاكر فيجمع همه إلى الفكر الخ. (شامی:٦/٩٨).

(فتاویٰ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، ص۷۰)۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں شارع کے نزدیک ان اذکار و ادعیہ میں اصل اخفا ہے خواہ خفض صوت سے حاصل ہو یا تخلیہ اختیار کرنے سے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/ ۲۲۵).

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ صاحب فرماتے ہیں ذکر خفی بلا شبہ افضل ہے۔

(رسائل الرشید، ص۲۵۴).

اور بہت سارے مشائخ اور فقہاء حالات واشخاص کے اعتبار سے کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں: رہا افضل وغیر افضل کا سوال سووہ احوال واشخاص کے اعتبار سے مختلف ہے کسی کے لیے جہر افضل ہے کسی کے لیے سر افضل ہے اور کسی وقت جہر افضل ہے اور کسی وقت سر افضل تعیین اس کی عوام کو خود نہیں کرنا چاہئے کسی شیخ کامل سے کرانا چاہئے، تقریباً یہی مضمون اس مسئلہ کے متعلق حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ نے بھی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

اور حد جہر مفرط واوسط کی عرفی ہے اس کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا، عرفاً جس کو جہر مفرط سمجھا جائے وہ مفرط ہے جس کو متوسط سمجھا جائے وہ متوسط ہے اور مشائخ کا مختار یہی ہے کہ جس کے لیے اس کا شیخ جہر تجویز کرے اس کو اتنا جہر کرنا چاہئے جس سے قلب پر اثر پہونچ سکے دماغ پریشان نہ ہو اس سے زیادہ جہر فضول ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۲۳/۲).

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

رہا آیت ودون الجہر من القول سے مقصود بظاہر جہر مفرط کی نفی کرنا ہے کہ حدیث "**إنكم لاتدعون أصم ولا غائباً**" میں اشارہ ہے کیونکہ اصم یا غائب کو آواز دینے میں نسبۃً جہر مفرط کی ضرورت پڑتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/ ۲۲۵).

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے مشروعیت جہر واضح اور لائح ہے پھر بنا علی اختلاف الاصولین فی ادنیٰ مراتب فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاباحۃ او الاستحباب۔ اس میں مختلف ہونے کو افضل کہا ہے بعض نے ثبوت عن الشارع کو دلیل اباحت ٹھہرایا اور بوجہ حدیث خیر الذکر الخفی خفی کو افضل کہا بعض نے نفس ثبوت عن الشارع کو دلیل استحباب وافضلیت قرار دیا۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/ ۱۵۲).

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: ذکر الٰہی خواہ باخفا ہو یا بجہر عبادت ہے اور اگر چہ ذکر خفی بوجہ عدمِ مظنہ

ریا ذکر جہری سے افضل ہے لیکن اگر ذکر جہر خالی از ریا و دیگر مفاسد مثل تاذی مصلین اور نائمین اور قارئین وغیرہ ہو تو بوجہ مشقت ذکر خفی سے افضل ہے۔ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱/ ۳۲۷)

حضرت تھانویؒ نے فرمایا مشروع کہنے والوں کے تین قول ہیں بعض کے نزدیک جہر اصل وافضل ہے خفی رخصت، بعض کے نزدیک خفی عزیمت اور افضل و جہر رخصت۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/ ۱۵۱).

حضرت مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں: اس معاملہ میں محقق علماء کا مسلک یہ ہے کہ ذکر دونوں طرح جائز ہے سراً بھی اور جہراً پھر مختلف حالات و مواقع کے اعتبار سے افضلیت بدلتی رہتی ہے کہیں آہستہ ذکر کرنا افضل ہے اور کہیں جہراً...الخ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱/ ۲۹۰).

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں مذکور ہے کہ عید الفطر میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف جہر کے استحباب اور عدمِ استحباب میں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جہر مستحب نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک مستحب ہے، اور یہ اس لیے کہ جہر سلفِ صالحین کی بڑی جماعت سے منقول ہے، مثلاً عبداللہ بن عمر، وعلی، وابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہم، وابراہیم نخعیؒ، و عبداللہ بن جبیرؒ، وعمر بن عبدالعزیزؒ، وابن ابی لیلیٰؒ، وابان بن عثمانؒ، وحکمؒ، وحمادؒ، اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، وابوثورؒ، کیسا کہ ابن منذر نے ”کتاب الاشراف“ میں ذکر فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو: حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۵۳۱، قدیمی).

حاشیۃ الدرر والغرر میں مولانا ابوسعید الخادمی فرماتے ہیں:

واعظ کے پاس بڑا مجمع ہو اور وہ سبحان اللہ لا الہ الا اللہ کے ذکر سے ایک ساتھ آواز بلند کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں آہستہ ذکر کرنا بہتر ہے، اور اگر ذکر اللہ کے لیے جمع ہو جائیں تو آہستہ ذکر کریں، حضرت مولانا خادمی فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر کے بارے میں ہمارے علماء سے مختلف اقوال وارد ہیں، یہاں تک کہ دانشمند حیران رہ گئے اور ذی شعور حضرات فتنہ کا شکار ہوئے، حتی کہ اس مسئلہ میں میں نے ایک خاص رسالہ

تصنیف کیا، جانبین سے اقوال بیان کرنے کے بعد میں نے فتاویٰ بزازیہ اور رسالہ ابوالسعود وغیرہ میں تطبیق دی کہ ذکر بالجہر اچھے مقاصد کے تحت جائز ہے خستہ اغراض کے لیے ناجائز ہے۔ (ملاحظہ ہو: حاشیۃ الدرر علی الغرر:۱/ ۸۸)۔

حضرت گنگوہیؒ سے سوال کیا گیا ذکر جہری بہتر ہے یا خفی بالدلائل ارقام فرمائیں:

جواب: دونوں میں فضیلت ہے من وجہ کسی وجہ سے جہر افضل ہے اور بعض وجہ سے خفی افضل ہے اور دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مطلق ذکر کا حکم فرمایا ہے: ﴿**اذکروا اللّٰه ذکراً کثیراً**﴾ مطلق کی فرد میں جو ہو وہ مامور ہے اور فضائل خارجی مختلف ہوتے ہیں الخ۔ (تالیفاتِ رشیدیہ:۲۱۹ مع فتاویٰ رشیدیہ)۔

ایک سائل نے سوال کیا کہ جہر سے ریا پیدا ہوتا ہے؟

جواب: ذکر جہر سے ریا پیدا ہوتا ہے تو اس کے واسطے لاحول بکثرت پڑھا کریں مگر اس کے لیے ترک مناسب نہیں۔ (تالیفاتِ رشیدیہ:۲۱۸ مع فتاویٰ رشدیہ:۲۲۰)۔

تذکرۃ الرشید میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے حضرت گنگوہیؒ کا قول نقل فرمایا اس دن سے ''جس دن سے بیعت فرمائی'' ذکر جہر کے ساتھ مجھے محبت ہوگئی پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اس کی ممانعت کی معلوم ہوئی۔ (تذکرۃ الرشید،ص ۴۹)۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں: **والأصح هو الجواز ما لم يجاوز الحد**. (سباحة الفكر،ص ۳۱)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں: **ولكن الحق جوازه ومشروعيته بشروطه كماحققه الإمام اللكنويؒ في هذه الرسالة والإمام السيوطيؒ قبله**.(مقدمة سباحة الفكر،۸۔۹)۔

اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تو ذکر بالجہر کے انکار کو بے وقوفی فرماتے ہیں اور فرمایا: چشتیہ اویسیہ اور قادریہ کی عمارت ذکر بالجہر پر کھڑی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ عزیزی،ص ۱۰۴۔۱۰۵)۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

ذکر بالجہر جب کہ کوئی وجہ شرعی ممانعت کی نہ ہو مندوب ہے بلکہ ذکر سری سے افضل ہے امام شافعیؒ کے مذہب میں اور یہی امام احمدؒ کی ظاہر الروایہ ہے اور امام مالکؒ کی بھی ایک روایت اسی طرح ہے حافظ ابن حجرؒ کے فتح الباری میں نقل کرنے کے مطابق۔ اور اسی قول کو امام قاضیخان نے اپنے فتاویٰ میں اختیار کیا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ سے بھی روایت ہے، بلکہ مسند ابی حنیفہؒ کے ظاہر الفاظ مطلق ذکر بالجہر پر دلالت کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: روح المعانی: ۱۶/۱۶۲)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

عید الفطر کی تکبیر امام صاحبؒ کے نزدیک سراً پڑھیں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک جہراً اور ایک روایت امام صاحب سے بھی جہراً پڑھنے کی ہے، اور یہ اختلاف افضلیت میں ہے بہر حال کراہت تو جانبین سے منتفی ہے۔ یعنی جہراً تکبیر پڑھنا کسی کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: فتاویٰ شامی: ۲/۱۷۰، سعید)۔

مزید علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

جب ریا کا اندیشہ ہو یا نماز پڑھنے والوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ یا نائمین کی ایذاء رسانی کا خطرہ ہو تو ذکر سری افضل ہے، اور جب ان مذکورہ امور میں سے کسی کا اندیشہ نہ ہو تو ذکر بالجہر افضل ہے، اس لیے کہ اس میں زیادہ عمل ہے اور اس کا فائدہ سامعین تک متعدی ہے اور ذاکر کے قلب کو بیدار کرتا ہے ذاکر کے دل کو متوجہ رکھتا ہے نیند اور سستی دور ہوتی ہے نشاط پیدا ہوتا ہے۔ (فتاویٰ شامی: ۵/۲۸۲، ۱/۶۶۰، سعید۔ والحاوی للفتاوی: ۱/۳۸۹)

علامہ طحطاویؒ نے فرمایا کہ مساجد میں ذکر بالجہر سے نہیں روکا جائیگا، آیتِ کریمہ ''اور اس سے بڑا کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے روکے'' کی وعید میں داخل ہونے سے بچتے ہوئے۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص۱۷۴)۔

تالیفاتِ رشیدیہ میں ہے:

سوال: ذکر سے یہ بات دل میں پیدا ہوتی ہے کہ اب تجھ کو ہر شخص عابد زاہد جانیگا، اس ریا کی دفع کی کیا تدبیر ہو آج کل آواز بیٹھ گئی ہے اگر حکم ہو تو آہستہ شروع کرلوں جب کہ آواز کو نفع ہوگا پھر جہر ہی کروں گا۔

جواب: ذکر جہر سے ریا پیدا ہوتا ہے تو اس کے واسطے لاحول بکثرت پڑھا کریں مگر اس کے لیے ترک جہر مناسب نہیں ہے البتہ مرض کی وجہ سے تا زوالِ مرض ترک رکھنا اور اخفا پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ (تالیفاتِ رشیدیہ، ص ۲۱۸).

علامہ ابوسعید الخادمیؒ فرماتے ہیں:

مطلق ذکر بالجہر پر ہمارا ایک مستقل رسالہ ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خواص کے لیے افضل ذکر سری ہے مگر عوارض کی وجہ سے جہر افضل ہے مثلاً غفلت کی نیند سے بیدار کرنا غافل لوگوں کو ذکر میں شامل کرنا اور مریدین کی رہبری کرنا، ہاں عوام الناس کے لیے ذکر بالجہر افضل ہے مگر ریا وغیرہ کا اندیشہ ہو۔ (ملاحظہ ہو: حاشیۃ الدرر علی الغرر: ص ۱۲۴)

ملاخسروؒ کتاب الدرر فی شرح الغرر میں فرماتے ہیں:

علامہ زیلعیؒ نے ابوجعفرؒ سے نقل فرمایا ہے کہ عوام الناس کو ذکر بالجہر سے نہیں روکنا چاہئے امورِ خیر میں قلتِ رغبت کی وجہ سے۔ (کتاب الدرر علی الغرر: ص ۱۴۲).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

اس مقام پر بعض احادیث ذکر بالجہر کا تقاضا کرتی ہیں اور بعض احادیث ذکر سری کا تقاضا کرتی ہیں، دونوں کے مابین تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اشخاص واحوال کے اعتبار سے مختلف ہے، پس جب ریا کا اندیشہ ہو یا نماز پڑھنے والوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ یا نائمین کی ایذاء رسانی کا خطرہ ہو تو ذکر سری افضل ہے، اور جب ان مذکورہ امور میں سے کسی کا اندیشہ نہ ہو تو ذکر بالجہر افضل ہے، اس لیے کہ اس میں زیادہ عمل ہے اور اس کا فائدہ سامعین تک متعدی ہے اور ذاکر کے قلب کو بیدار کرتا ہے ذاکر کے دل و دماغ اور اعضاء وجوارح کو متوجہ رکھتا ہے نیند اور سستی دور ہوتی ہے نشاط پیدا ہوتا ہے۔

جیسا کہ مؤذنین کی کثرتِ اصوات فضامیں زیادہ گونجتی ہیں بنسبت ایک مؤذن کی آواز کے، اسی طرح جماعت کا ذکر قلبِ واحد پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے حجاباتِ کثیفہ کو دور کرنے میں بنسبت ایک شخص کے ذکر کرنے سے۔(فتاوی الشامی:۶/ ۳۹۸، فصل فی البیع، سعید). واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ذکر جہری پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات

پہلا اعتراض:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ادعوا ربکم تضرعا وخفية﴾. (سورة اعراف، الآية: ٥٥).

نیز فرمانِ باری ہے: ﴿واذكر ربک في نفسک تضرعاً وخيفة و دون الجهر من القول﴾. (سورة اعراف، الآية: ٢٠٥).

ان دونوں آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاء اور ذکر آہستہ ہونا چاہئے نہ کہ جہراً۔

الجواب: پہلی آیت کریمہ کا جواب: جمہور مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ دعاء کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ ذکر کے بارے میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا: "الآية فی الدعاء لا فی الذکر، والدعاء بخصوصه الافضل فيه الاسرار لأنه اقرب الى الإجابة ولذا قال تعالى:" اذ نادى ربه نداء خفيا ومن ثم استحب الاسرار بالاستعاذة فی الصلوٰة اتفاقا لانها دعاء.

(الحاوی للفتاوی ١/ ٤٧١).

مفسرین کی عبارات حسب ذیل درج ہیں:

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

"واذكر ربک فی نفسک" الآية. وفي الصحيحين عن أنس عن

أبـي مـوسـى الأشـعـرى قـال رفـع الناس اصواتهم بالدعاء فقال رسول الله ﷺ ايها الناس اربعوا على انفسكم فانكم لاتدعون اصم ولا غائبا ان الـذى تدعون سميع قريب " الى قوله" ولقد كان المسلمون يجتهدون فـى الـدعـاء ومـا يسـمـع لهم صوت ان كان الا همسا بينهم وبين ربهم وذلك ان الـلـه تعالى يقول: " ادعوا ربكم تضرعا وخفية " وذلك ان الـلـه ذكر عبدا صالحا رضى فعله فقال: " اذ نادى ربه نداء خفيا " وقال ابـن جـريـج يـكـره رفـع الـصـوت والـنداء والصياح فى الدعاء ويومر بالتضرع والاستكانة . (تفسير ابن كثير ۲/۲٤۷).

روح المعانی میں ہے:

ادعـوا ربـكم تضرعا وخفية وانه سبحانه ذكر عبدا صالحا فرضى لـه فـعـلـه فقال تعالى اذ نادى ربه نداء خفيا وفى رواية عنه أنه قال: بين دعـوة السـر ودعـوة العلانية سبعون ضعفاً. (اس حدیث پر کلام ہے۔) وجاء من حـديث أبي مـوسـى الأشـعـرى أنـه صـلـى الـلـه عليـه وسلم قال لقوم يجتهدون " أيها الناس إلى قوله، والمعنى ارفقوا بأنفسكم واقصروا من الصياح فى الدعاء " (روح المعانی: ۸/۱۳۹).

ترجمہ: تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ اور آہستہ اور اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے نیک بندے کا ذکر فرمایا اس کے فعل سے راضی ہوتے ہوئے پس اللہ تعالی نے فرمایا: جب پکارا اپنے رب کو آہستہ۔ اور ایک روایت میں ہے آہستہ دعا کرنے اور جہرا دعا کرنے کے درمیان ستر گنا اضافہ ہے اور ابوموسی اشعریؓ کی روایت میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسی قوم کو جو دعا میں اپنے آپ کو تھکا رہی تھی "اے لوگو...الخ اور ارفقوا بانفسكم کا معنی یہ ہے کہ اپنے آپ پر نرمی کرو یعنی دعا میں چلانا کم کرو۔

الفتوحات الالہیہ میں ہے:

قـولـه خفية " أى فالأدب فى الدعاء ان يكون سرا لهذه الآية " (الفتوحات الالهية: ٢ / ١٥٠).

معارف القرآن میں ہے:

اپنے پروردگاہ سے دعا کیا کرو عاجزی سے اور چپکے یعنی دعا کا ادب یہ ہے کہ عاجزی اور فروتنی کے ساتھ ہو اور آہستہ آہستہ ہو معلوم ہوا کہ دعا میں اخفاء بہ نسبت جہر کے اولی ہے۔ (معارف القرآن ۳/۱۳۷، از مولانا ادلیس صاحبؒ).

فائدہ: تمام عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ سے دعا مراد ہے ذکر جہری کے بارے میں کسی نے تفسیر نہیں فرمائی۔

نیز **انـه لا يـحـب الـمعتدين** کی تفسیر میں بھی مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد نامناسب چیزوں کا طلب کرنا اور دعاء میں آواز حد سے زیادہ بلند کرنا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

لا يسأل منازل الأنبياء وقال احمد : حدثنا عبد الرحمن بن مهدى الـى قـولـه ان سـعـدا سـمع ابنا له يدعوا وهو يقول: اللهم انى أسئلک الجنة ونعيمها واستبرقها ونحوا من هذا واعوذبک من النار وسلاسلها واغلالها فقال لقد سألت الله خيرا كثيرا وتعوذت به من شر كثير وانى سمعت رسول الله ﷺ يقول : " انه سيكون قوم يعتدون فى الدعاء" (تفسير ابن كثير: ٢ /٢٤٧).

ترجمہ: دعا میں انبیاء کا مرتبہ نہیں مانگا جائیگا روایت میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے اپنے بیٹے کو سنا دعا کرتے ہوئے اور وہ اس طرح دعا کر رہا تھا اے اللہ میں جنت اور اس کی خوشگواری اور اس کی رونق کا سوال کرتا ہوں اور اس کے مانند اور میں دوزخ اور اس کی زنجیریں اور اس کے طوق سے پناہ چاہتا ہوں تو حضرت سعدؓ نے فرمایا البتہ تو نے بہت زیادہ خیر مانگی اور تو نے بہت برائی سے پناہ مانگی اور میں نے سنا رسول اللہ ﷺ کو

فرماتے ہوئے بے شک عنقریب ایسی قوم آئیگی جودعا میں حد سے تجاوز کریگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ عام مفسرین حضرات ﴿ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة﴾ (سورة الاعراف، الآية:٥٥). کی تفسیر میں تضرع کے معنی عاجزی اور خفیہ کے معنی مخفی دعا مراد لیتے ہیں اور اس کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

روح المعانی میں ہے:

لقد كان المسلمون يجتهدون فى الدعاء وما يسمع لهم صوت ان كان إلا همسا بينهم وبين ربهم. (روح المعانی:۸/۱۳۹).

تفسیر قرطبی میں ہے:

و الشريعة مقررة أن السر فيما لم يتعرض من أعمال البر أعظم أجراً من الجهر . (تفسیرقرطبی : ۷/۱٤۳).

روح المعانی میں ہے:

ارفقوا بأنفسكم واقصروا من الصياح فى الدعاء . (روح المعانی ۸/۱۳۹).

خازن میں ہے:

وقال الزجاج تضرعاً يعني تملقاً وحقيقته أن ندعوه خاضعين خاشعين متعبدين بالدعاء له تعالى، والأدب فى الدعاء أن يكون خفياً لهذه الآية قال الحسنؒ بين دعوة السر ودعوة العلانية سبعون ضعفاً.

(تفسیرخازن :۲/۱۹۸).

قرطبی میں ہے:

وقد استدل أصحاب أبي حنيفةؒ بهذا على أن إخفاء آمين أولىٰ من الجهر لأنه دعاء. (الجامع لاحکام القرآن :۷/۱٤۳).

قال أبوبكر الجصاصؒ في هذه الآية:وما ذكرنا من الآثار دليل على

أن إخفاء الدعاء أفضل من إظهاره. (احکام القرآن: ۲/ ۳٤).
تفسیر قرطبی میں ہے:

والاعتداء في الدعاء على وجوه منها الجهر الكثير والصياح كما تقدم. (الجامع لاحكام القرآن: ۷/ ۱٤٤).

لیکن مفسرین حضرات میں سے علامہ آلوسیؒ نے ﴿**تدعونه تضرعاً وخفية**﴾ کی تفسیر میں "**إعلاناً وسراً**" کہا ہے۔ ابن کثیرؒ نے "**جهراً وسراً**" فرمایا، ابن عطیہ اندلسیؒ نے "**تدعونه جهراً وسراً**" لکھا ہے۔ (روح المعانی: ۷/ ۱۷۹۔ تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۱۵٦۔ وتفسیر ابن عطية، ص ٦۲۹).

نیز علامہ آلوسیؒ نے ﴿**ادعوا ربكم تضرعاً**﴾ میں ابومسلم سے جہر کا قول نقل کیا ہے: **وقيل التضرع مقابل الخفية واختاره أبو مسلم أي ادعوه علانية.**

ہمارے اکابرؒ بھی سری دعا کو بہتر فرماتے ہیں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ دعا میں اصل اخفا ہے بعض مواضع میں جہر و اعلان کسی عارض کی وجہ سے ہوگا۔ (تفسیر عثمانی، ص ۲۱۰).

روح المعانی میں ہے:

وفصل آخرون فقالوا: الإخفاء أفضل عند خوف الرياء، والإظهار أفضل عند عدم خوفه وأولى منه القول بتقديم الإخفاء على الجهر فيما إذا خيف الرياء أو كان في الجهر تشويش على نحو مصل أو نائم... إلى قوله وبتقديم الجهر على الإخفاء فيما إذا خلا عن ذلك وكان فيه قصد تعليم جاهل أو نحو إزالة وحشة عن مستوحش أو طرد نحو نعاس أو كسل عن الداعي نفسه. (روح المعانی ۸/ ۱٤۰).

درج کردہ حوالہ جات سے پتہ چلا کہ دعا میں سر افضل اور جہر جائز ہے ہاں بعض عوارض کی وجہ سے کبھی جہر بہتر ہے اور "**ادعوا**" کا امر استحباب کے لیے ہے اور ابومسلم

کی تفسیر اور تدعونہ تضرعاً وخفیۃ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ تضرعاً خوشامد کر کے جہر کے معنی میں ہے۔

دوسری آیت کریمہ کا جواب:

علامہ سیوطی نے نتیجۃ الفکر میں اور مفتی خیر الدین رملیؒ نے فتاوی خیریہ میں چند جوابات تحریر فرمائے ہیں:

قلت : الجواب عن هذه الآية من ثلثة أوجه: الأول أنها مكية كآية الإسراء ولا تجهر بصلاتک ولا تخافت بها وقد نزلت حين كان النبی ﷺ يجهر بالقرآن فيسمعه المشركون فيسبون القرآن ومن أنزله فأمر بترک الجهر سدا للذريعة كما نهى عن سب الأصنام لذلک فی قوله تعالى ﴿ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم﴾ وقد زال هذا المعنى وأشار إليه ابن كثير فی تفسيره . الثانی: أن جماعة من المفسرين منهم عبد ا لرحمن بن زيد بن أسلم شيخ مالک، وابن جرير حملوا الآية على الذاكر حال قراء ة القرآن وانه أمر له بالذكر على هذه الصفة تعظيما للقرآن أن ترفع عنده الأصوات ويقويه اتصالها بقوله: ﴿واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ قلت: وكأنه لما أمر بالأنصات خشی من ذلک الإخلاد الى البطالة فنبه على أنه وان كان مأمورا بالسكوت باللسان إلا أن تكليف الذكر بالقلب باق حتی لا يغفل عن ذكر الله ولذا ختم الآية بقوله ﴿ولا تكن من الغافلين﴾ . الثالثة ماذكره الصوفية أن الأمر فی الآية خاص بالنبی ﷺ الكامل المكمل ، وأما غيره ممن هو محل الوساوس والخواطر الرديئة فمأمور بالجهر لأنه أشد تأثيرا فی دفعها ". (الحاوی للفتاوی: ۱/ ۴۷۱ ـ والفتاوی الخيرية: ۲/ ۱۸۱).

اس عبارت مذکورہ میں علامہ سیوطیؒ اور مفتی خیر الدین رملیؒ نے آیات کریمہ کے

تین جوابات دیئے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) یہ مکی آیت ہے مکہ مکرمہ میں جہراً تلاوت کرنا منع تھا تاکہ مشرکین سن کر گالیاں نہ دیں جیسا کہ نبی ﷺ کو بھی اس علت کی وجہ سے ﴿**ولا تجھر بصلاتک**﴾ کا حکم دیا گیا۔اب یہ مانع ختم ہوگیا۔

تفسیر ابن کثیر میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

"فان المشرکین کانوا اذا سمعوا القرآن سبوہ وسبوا من انزلہ وسبوا من جاء بہ فامرہ اللّٰہ تعالی ان لا یجھر بہ لئلا ینال منہ المشرکون". (تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۱۳).

ترجمہ: اس لئے کہ مشرکین جب قرآن سنتے تھے تو قرآن کو برا بھلا کہتے اور جس نے قرآن اتارا اس کو برا بھلا کہتے اور جو قرآن لے کر آیا اس کو بھی برا بھلا کہتے تھے تو اللہ تعالی نے حکم دیا کہ قرآن بلند آواز سے نہ پڑھیں تاکہ مشرکین عیب نہ لگائیں۔

(۲) اس آیت کریمہ میں آہستہ ذکر ودعاء کا حکم اس وقت ہے جبکہ قراءتِ قرآن جاری ہوتا کہ ذکر قرآن پر بلند نہ ہو قرآن پاک کی تعظیم کے لئے۔

(۳) یہ حکم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے، چونکہ آپ ﷺ کامل ومکمل تھے اور ہم لوگ تو محلِ وساوس ہیں اور ہمارے لئے وساوس کو دور کرنے کے لئے ذکر جہری مفید ہے۔

نیز مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس آیت کا تفصیلی جواب اپنے رسالہ "سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر" میں تحریر فرمایا ہے۔مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ اللہ تعالی کا حکم شفقت ونرمی کے لئے ہے فرض یا واجب کرنے کے لئے نہیں ہے۔

(۲) اس آیت کریمہ سے مطلق جہر کی ممانعت نہیں ثابت ہوتی بلکہ جہر مفرط کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، چنانچہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے: **ودون الجھر المفرط** جیسا کہ باری تعالی کا ارشاد ہے: ﴿**ولا تجھر بصلاتک**

ولاتخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلا ﴾. (سباحة الفكر في الجهر بالذكر، ص ٣٢).

نیز مذکورہ آیت مکی ہے۔اور ﴿**فاذا قضيتم مناسككم فاذكروا الله كذكركم آبائكم**﴾ یہ آیت مدنی ہے اس کے شان نزول کے بارے میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ مشرکین اپنے آباء واجداد کا تفاخر جہراً کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس طرح آباء واجداد کا ذکر کرتے ہو اسی طرح اللہ تعالی کا بھی کثرت سے ذکر کرو تو اس میں دو چیزیں مقصود ہیں:

(۱) آباء واجداد کی جگہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کو۔

(۲) تفاخر ومشاعرہ کو دل سے نکالنے اور اس کو بھلانے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر جہراً کرو تاکہ اوقع فی القلب ہو۔

روح المعانی میں اس آیت کا جواب لکھا ہے:

وفصل آخرون فقالوا : الإخفاء أفضل عند خوف الرياء، والإظهار أفضل عند عدم خوفه وأولى منه القول بتقديم الإخفاء على الجهر فيما إذا خيف الرياء أو كان في الجهر تشويش على نحو مصل أو قصد تعليم جاهل أو مشتغل بعلم شرعي ، وبتقديم الجهر على الإخفاء فيما إذا خلا عن ذلك وكان فيه قصد تعليم جاهل أو نحو إزالة وحشة عن مستوحش أو طرد نحو نعاس أو كسل عن الداعي نفسه أو ادخال سرور على قلب مؤمن أو تنفير مبتدع عن بدعة أو نحو ذلك". (روح المعاني: ٨/ ١٤٠).

ترجمہ: اور دوسرے حضرات نے تفصیل بیان کی ہیں پس فرمایا: سری افضل ہے جبکہ ریا کا اندیشہ ہو اور جہری افضل ہے جبکہ ریاء کا اندیشہ نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ سری کو مقدم کرے جہری پر ان مواقع میں جہاں ریاء کا خوف کرے یا جہر میں نمازی کو یا سونے

والے کو یا تلاوت کرنے والے کو یا علم شرعی میں مشغول شخص کو اذیت کا اندیشہ ہو اور اگر یہ موانع موجود نہ ہوں تو جہر کو سر پر مقدم کیا جائیگا اور اس میں نہ جاننے والے کو سکھانے کا یا وحشت کے دور کرنے کا یا نیند بھگانے کا یا خود اپنے آپ سے سستی دفع کرنے کا یا مومن کے قلب میں خوشی پیدا کرنے کا یا بدعتی کو بدعت سے باز رکھنے کا یا اس کے علاوہ کا ارادہ ہو یعنی ان تمام صورتوں میں جہری مقدم ہوگا سری پر۔

آیتِ کریمہ میں "في نفسک" کا مطلب:

آیتِ کریمہ ﴿**واذکر ربک في نفسک تضرعاً وخیفة و دون الجهر من القول بالغدو والآصال**﴾ (سورة الاعراف:۲۰۵) کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب اکیلے ہو تو خالی بیٹھنے سے کیا فائدہ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر عاجزی اور خوف کے ساتھ کیا کرو۔ وہاں اور تو کوئی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہے ہاں اگر جہر کرنا ہو تو بہت زیادہ جہر سے کم جہر کیا کریں، کیونکہ دوسرے ساتھ موجود نہیں کہ ان کی ترغیب مقصود ہو لہذا ہلکا جہر کافی ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف "**إذا ذکرني في نفسه**" میں "**في نفسه**" کا مطلب اکیلا ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں جماعت ہے، اور "**في نفسه**" اکیلے کے معنی میں آتا ہے۔ علامہ نوویؒ شرحِ مسلم میں مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مراد الحدیث أی إذا ذکرني خالیاً أثابه الله وجازاه عما عمل بما لایطلع علیه أحد. (شرح النووی:۲/۳۴۱).

علم نحو میں اسم کی تعریف یوں کرتے ہیں: "**کلمة تدل علی معنیً في**

نفسه غير مقترن بأحد الأزمنة الثلاثة" یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو اکیلے اپنے معنی پر دلالت کرے، بخلاف حرف کے کہ اس کو معاون کی ضرورت ہے، مثلاً من ابتدائے جزئی پر معاون کے بغیر دلالت نہیں کرتی اور ابتدائے کلی اسم کے معنی ہیں۔

صاحبِ کشاف علامہ زمخشریؒ نے ﴿**قل لهم في أنفسهم قولاً بليغاً**﴾ کی تفسیر "**خالياً بهم**" سے فرمائی ہے۔

" **قال النبي صلى الله عليه وسلم : إذا صلى أحدكم لنفسه فليطل ماشاء**" یعنی جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو جتنی تطویل چاہے کر لے۔

دوسرے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کریں۔ یا تلفظ کر کے بہت جہر سے کم جہر کے ساتھ کیا د کریں۔

قال الإمام: المراد أن يقع الذكرمتوسطاً بين الجهروالمخافتة والمراد بالجهر رفع الصوت المفرط وبما دونه نوع آخر من الجهر.
(روح المعاني:۹/ ۱٥٤).

وقال الشيخ عبد الرحمن السعدى المتوفى١٣٧٦ : في نفسه أى مخلصاًخالياً. (تيسير الكريم الرحمن فى تفسير كلام المنان،ص٢٧٦).

وقال ابن عطية الأندلسي: الجمهور على أن الذكر لايكون فى النفس ولايراعى إلا بحركة اللسان. (تفسيرابن عطية،ص٧٧٣).

دوسرا اعتراض:

صحاح ستہ کی روایت ہے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كنا مع رسول الله ﷺ فى غزاة فجعلنا لا نهبط واديا ولا نصعد شرفا إلا رفعنا أصواتنا بالتكبير فدنا ما وقال:يا أيها الناس اربعوا على أنفسكم

فإنكم لا تدعون أصم ولا غائبا إنما تدعون سميعا بصيرا إن الذى تدعون أقرب إليكم من عنق راحلة أحدكم .

خلاصہ: حضرت ابوموسی اشعری فرماتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے ہم جب کسی نیچی جگہ اترتے اوراوپر کو چڑھتے تو بلند آواز سے تکبیر پڑھتے تھے تو حضوراکرم ﷺ نے فرمایا: اے لوگواپنی ذات پرنرمی کا معاملہ کرواس لئے کہ تم لوگ کسی بہرے کواور غائب کونہیں پکارتے ہو بلکہ تم سمیع بصیر سننے والے دیکھنے والے کو پکارتے ہوجس کو تم پکارتے ہووہ تمھاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکرواذکارآہستہ کرنا چاہیے۔

الجواب: حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اپنے رسالہ میں جواب تحریرفرمایا ہے:

(۱) اربعوا: اس میں اشارہ ہے شفقت اور نرمی کی طرف اور بتانا مقصود یہ ہے کہ اپنے آپ پرنرمی اور آسانی کا معاملہ کرو، چنانچہ اللمعات شرح المشکوۃ میں ہے:

اربعوا اشارة الى ان المنع من الجهر للتيسير والارفاق لا لكون الجهر غير مشروع. یعنی جہر بذات خود ممنوع نہیں ہاں اگر ذاکر پر بہت بوجھ بنے تو جہر نہ کرے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریارحمہ اللہ کے خلفاء میں قاری امیر حسن صاحب جہر بالذکر نہیں کرتے تھے ہمارے پیارے دوست مولانا سلیمان گھانجی دامت برکاتہم نے ان سے پوچھا آپ جہر نہیں کرتے؟ انھوں نے فرمایا مجھ سے حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ نے فرمایا کہ آپ کمزور ہیں آپ ذکر سری کرلیا کریں ذکر جہری آپ کی صحت کے لئے مناسب نہیں۔

فلا يثبت من ذلك استحباب السر ولا كلام فيه وإلى هذا اشار النووى فى شرح المسلم.

(۲) جہر مفرط سے روکنا تھا جیسا کہ بعض روایات سے اشارہ ملتا ہے۔ فتح الودود شرح سنن ابی داود میں ہے: "**رفعوا اصواتھم" دلالة علی انھم بالغوا فی الجھر فلا یلزم منه المنع من الجھر مطلقا " وقال القاری " فانه ﷺ قال لبعض اصحابه حین رفعوا اصواتھم علی وجه المبالغة " اربعوا علی انفسکم "**

خلاصہ: بعض صحابہ نے آواز بہت زیادہ بلند کی تھی اس وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا اپنے آپ پر نرمی کرو ورنہ فی نفسہ جہر ممنوع نہیں ہے اس کا قرینہ:۔

(۱) یہ ہے کہ ربع کا لفظ شفقت کے لئے آتا ہے۔

(۲) غزوہ خیبر کے موقع پر جہر بالتکبیر کو منع نہیں فرمایا، بلکہ عادت کے خلاف جہر سے منع فرمایا۔

(۳) روایت میں سمیع قریب کا لفظ آیا ہے اور جب آدمی قریب سے بات کرتا ہے تو چپکے چپکے نہیں کرتا۔ اس کا مدار عرف پر ہے۔ عرفاً اتنا جہر مراد ہوتا ہے کہ سامنے والا سن لے اس سے زیادہ بلند آواز عادت کے خلاف سمجھی جاتی ہے اس حدیث میں عادت کے خلاف کچھ زیادہ آواز بلند ہوئی تھی اس وجہ سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا۔

اس کی مناسبت سے میرے استاذ اور شیخ حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ کا واقعہ یاد آیا؛ حضرت نے فرمایا میرے استاذ حضرت مولانا اسحاقؒ صاحب کانوں سے ذرا کم سنتے تھے لہٰذا ہم کو اونچی آواز سے بولنا پڑتا تھا بعد میں حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ کے پاس جانا ہوا تو عادت کے مطابق اونچی آواز سے بولنا شروع کیا تو حضرت نے فرمایا میں بہرا نہیں ہوں وہ مولانا اسحاق صاحب ہیں، ذرا پست آواز سے بولو۔ معلوم ہوا بلند آواز عادت کے خلاف معیوب ہے ورنہ فی نفسہ جہر کرنا چاہئے جو عادت کے مطابق ہو ورنہ سامنے والا بات کیسے سنے گا؟

(۳) اگر آپ ﷺ منع نہ فرماتے تو صحابہ کو یہ گمان ہوتا کہ سفر میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا یا وادی میں اترتے وقت اوپر چڑھتے وقت تکبیر بلند آواز میں پڑھنا مسنون ہے حالانکہ ایسا نہیں، اس وجہ سے منع فرمایا۔ (سباحة الفکر فی الجهر بالذکر ص: ۳۶-۳۷).

تیسرا اعتراض:

روایت میں آتا ہے کہ آہستہ ذکر بہتر ہے: "**خیر الذکر الخفی**". نیز دوسری روایت میں آتا ہے: "**فضل الذکر الخفی الذی لا یسمعه الحفظة یزید علی الذکر الذی یسمعه الحفظة سبعین ضعفا**" یعنی وہ ذکر جس کو فرشتے نہیں سنتے اس ذکر سے ستّر گنا فضیلت رکھتا ہے جس کو فرشتے سنتے ہیں۔

الجواب: اولاً تو دونوں احادیث کی سند پر کچھ کلام ہے اور راوی ضعیف ہیں لہٰذا دونوں روایتیں ضعیف ہیں اس کے بالمقابل جہر کی روایتیں پہلے گذر چکی ہیں جو صحیح ہیں۔

پہلی حدیث کی تحقیق:

قال الامام البیهقی فی شعب الایمان: أخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ حدثنا أبو العباس محمدبن یعقوب حدثنا الحسن بن مکرم حدثنا عثمان بن عمر حدثنا أسامة بن زید عن محمد بن عبد الرحمن بن أبی لبیبة عن سعد بن مالک أن رسول الله ﷺ قال: "خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی" اسناده ضعیف . فیه محمد بن عبد الرحمن بن أبی لبیبة یقال ابن لبیبة". (بیهقی فی شعب الایمان ۲/ ٤٤٦، فصل فی إدامة ذکر الله عزوجل ـ مع الحاشیة).

وفی تهذیب الکمال :

قال یحیی بن معین : لیس حدیثه بشئ . وفی حاشیته وروی ابن

لبيبة عن سعد ابن أبي وقاص مرسلا . قال ابن أبي حاتم سمعت أبي يقول ابن لبيبة لم يدرك سعداً " المراسيل. (تهذيب الكمال مع الحاشية ۲۵/۶۲۰).

قال الحافظ في تهذيب التهذيب : قلت وقال ابن سعد : كان قليل الحديث . وقال الدارقطني : ضعيف . (تهذيب التهذيب :۹/ ۲۶۰).

وفي الجامع في الجرح والتعديل :

وذكره الدار قطني في الضعفاء والمتروكين . (الجامع في الجرح والتعديل ۳/ ۳۸).

وقال الذهبي في ميزان الاعتدال قال يحيىٰ: ليس حديثه بشئ . وقال الدارقطني : ضعيف ، وقال آخر : ليس بقوى.(ميزان الاعتدال: ۵/ ۱۶).

وقال ابن حجر في تقريب التهذيب : ويقال ابن لبيبة كثير الارسال من السادسة. (تقريب التهذيب:ص۳۰۸).

خلاصہ: یہ حدیث ضعیف ہے اس میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لبیبہ راوی جو سعد بن ابی وقاصؓ سے مرسل یعنی منقطع روایت کرتے ہیں اور کثیر الارسال ضعیف راوی ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

اس کی تصحیح کی طرف سیوطیؒ نے رمزاً اشارہ کیا ہے، لیکن اس کا راوی محمد بن عبدالرحمٰن ابی لبیبہ متکلم فیہ ہے، دار قطنیؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے اور یحی بن معینؒ نے اس کی حدیث کو لاشئی قرار دیا ہے اس کی توثیق میں بجز اس کے کہ ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی نہیں ملا اور ابن حبانؒ اس معاملہ میں ذرا متساہل ہیں، چنانچہ متعدد ایسے رواۃ ہیں جن کو وہ کتاب الثقات اور کتاب الضعفاء دونوں میں ذکر کردیتے ہیں بظاہر وہ ایسے راوی ہیں جو ان کے نزدیک توثیق وتضعیف دونوں کے تحت میں آسکتے ہیں، نیز

محمد بن عبدالرحمٰن مذکور کی یہ حدیث سعد بن ابی وقاصؓ سے حافظ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں ارسال ہے۔کتبہ شبیر احمد عثمانی عفااللہ عنہ دیوبند ۵/شعبان ۱۳۶۴ھ۔(امداد المفتین: ۲/۲۲۶،دارالاشاعت)۔

دوسری حدیث کی تحقیق:

قال الامام البيهقي في شعب الايمان: اخبرنا ابو الحسن محمد بن القاسم حدثنا ابو اسحاق ابراهيم بن احمد بن رجاء حدثنا ابو الحسن الغازى حدثنا محمد بن حميد حدثنا ابراهيم بن المختار حدثنا معاوية عن الزهرى عن عروة عن عائشة ان النبیﷺ قال: " الذكر الذي لاتسمعه الحفظة " الحديث.

وعلى هامشه: إسناده ضعيف فيه ضعيفان أحدهما محمد بن حميد. ثانيهما معاوية بن يحيىٰ الصدفى. (بيهقى فى شعب الايمان ۲/۴۴۹، فى إدامة ذكر الله عزوجل، مع الحاشية).

(۱) محمد بن حميد قال الذهبى فى ميزان الاعتدال: محمد بن حميد الرازى الحافظ وهو ضعيف قال يعقوب بن شيبة: كثير المناكير وقال البخارى: فيه نظر وكذبه أبو زرعة وقال ابن خراش حدثنا ابن حميد وكان والله يكذب. وجاء عن غير واحد ان ابن حميد كان يسرق الحديث ويحدثنا بها وقا ل النسائى: ليس بثقة، وقال أبو على النيسابورى: قلت لابن خزيمة: لو اخذت الاسناد عن ابن حميد فان احمد بن حنبل قد أحسن الثناء عليه قال انه لم يعرفه ولو عرفه كما عرفناه ما اثنى عليه اصلاً. (ميزان الاعتدال ۴/۵۰ وكذا فى تهذيب الكمال ۲۵/۱۰۲).

قال ابن حجر فی تقریب التہذیب :

محمد بن حمید بن حیان الرازی حافظ ضعیف و کان ابن معین حسن الرای فیه من العاشرة . (تقریب التہذیب ص۲۹۵).

(۲) معاویة بن یحییٰ الصدفی:قال ابن حجر فی تقریب التہذیب : معاویة بن یحیی الصدفی ہالک لیس بشیٔ . وفی تہذیب الکمال: قال إبراهیم بن یعقوب الجوزجانی ذاهب الحدیث وقال أبو زرعة: لیس بقوی وقال أبو حاتم:ضعیف الحدیث، وقال أبو داود:ضعیف. وقال النسائی:ضعیف وقال فی موضع آخر: لیس بثقة، وفی موضع آخر: لیس بشیٔ . (تقریب التہذیب ص۳۴۲، وتہذیب الکمال ۲۸/۲۲۲).

وفی میزان الاعتدال : احادیثه مناکیر وقال ابن معین لیس بشیٔ وقال أبو زرعة احادیثه کانها مقلوبة وقال الدارقطنی وغیره : ضعیف وقال ابن حبان:" کان یسرق الکتب ویحدث بها. (میزان الاعتدال ۵/۲۶۳۔وکذا فی تہذیب التہذیب ۱۰/۱۹۹).

خلاصہ: یہ حدیث ضعیف ہےاس میں دوراوی ہیں:محمد بن حمید اور معاویہ بن یحییٰ الصدفی دونوں انتہائی ضعیف راوی ہیں لہٰذا دونوں رواتیں ضعیف ہیں اس سے استدلال درست نہیں۔

سوال: اگرکسی کے ذہن میں یہ خلجان پیدا ہوکہ فضائل میں تو ضعیف احادیث پرعمل درست ہے؟

الجواب: (ا) صحیح روایات جو پہلے مذکور ہوئیں اس کے مطابق عمل زیادہ راجح ہوگا۔

(۲) تطبیق:عمل کرنے کی گنجائش ہے ذکرخفی کوبھی اکثر مشائخ نے بہتر فرمایا البتہ بعض احوال اوراشخاص اورزمانہ کا اعتبار کرتے ہوئے ذکر جہری کوافضل قرار دیا ہےاور

علماء نے احادیث کی تطبیق بھی زمانہ واشخاص واحوال کے اعتبار سے دی ہے۔
چنانچہ فیض القدیر میں ہے:

اذکروا اللّٰہ ذکرا خاملا. قیل وما الذکر الخامل؟ قال الذکر الخفی الی قوله وعورض هذا بما قبله ونحوه من الاخبار الدالة علی ندب الجهر بالذکر صریحا او التزاما لحدیث الحاکم عن شداد بن اوس قال انا لعند رسول الله ﷺ اذ قال ارفعوا ایدیکم فقولوا لا اله الا الله ... وخبر البیهقی عن ابن الادرع قال : " انطلقت ...

وأجیب بأن الإخفاء افضل حیث خاف الریاء او تأذی به مصل أو نائم والجهر افضل فی غیر ذلک لان العمل به اکثر ولان فائدته تتعدی الی السامع ولانه یوقظ قلب الذاکر ویجمع همه الی الفکر ویصرف سمعه الیه ویطرد النوم ویزید فی النشاط". (فیض القدیر ۱/۴۵۷).

اس عبارت میں علامہ مناوی نے احادیث میں تطبیق دی ہے کہ اگر ریاء کا خوف ہو یا جہر کی وجہ سے نمازی یا سونے والے کو تکلیف کا اندیشہ ہو تو سری ذکر افضل ہے۔ اور اس کے علاوہ یعنی یہ باتیں نہ پائی جائیں تو ذکر جہری افضل ہے کیونکہ اس کے فوائد زیادہ ہیں۔

(۱) اس میں عمل زیادہ ہے بنسبت سری کے۔
(۲) ذکر جہری کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے؛ سری میں یہ بات نہیں۔
(۳) غفلت دور ہوتی ہے اور ذاکر کا قلب بیدار رہتا ہے۔
(۴) خیالات ذکر کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔
(۵) سننے والوں کو بھی اسی طرف متوجہ رکھتا ہے۔
(٦) نیند سے حفاظت رہتی ہے۔
(۷) ذکر جہری سے نشاط (چستی) بڑھتی ہے، کاہلی وسستی دور ہوتی ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں جب کہ غفلت دلوں پر چھائی ہوئی ہے اور قساوت کا پردہ دلوں پر پڑا ہوا ہے نیز خیالات پراگندہ ومنتشر ہیں اور لوگ برے خیالات کا شکار ہیں اس حالت میں ذکر جہری سے جتنا فائدہ ہوگا سری سے غالباً نہ ہوگا الا ماشاء اللہ۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ کسی کو ضرر وتکلیف نہ پہنچے اس کا ضرور خیال رکھے کہ ایذاء مسلم حرام ہے۔

یہ تطبیق روح المعانی ۸/۱۴۰، اور الاتقان فی علوم القرآن ۱/۱۱۲ میں علامہ نووی سے منقول ہے۔ نیز الحاوی للفتاوی ۱/۴۷۱، اسی طرح علامہ شامی نے بھی ذکر فرمایا ہے۔ شامی ۶/ ۳۹۸، نیز ۱/۶۶۰ وطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۷۴ اور یہ تمام عبارتیں اپنے اپنے موقع پر گذر چکی ہیں۔

چوتھا اعتراض:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: "**ما أراکم الا مبتدعین**"، معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے۔

الجواب (۱): علامہ آلوسی نے روح المعانی میں ذکر فرمایا کہ یہ اثر عبداللہ بن مسعود سے ثابت نہیں ہے اگر بالفرض ثابت مان لیں تب بھی اس روایت کے خلاف ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے ذکر جہری کے بارے میں ثابت ہے، نیز مولانا عبد الحی لکھنوی نے بھی فرمایا کہ یہ اثر کتب حدیث میں نہیں ملتا اور علامہ سیوطی نے فرمایا ضروری ہے کہ اس کی تحقیق کی جائے کہ اس کی سند کیا ہے اور محدثین میں سے کس نے بیان فرمایا ہے؟

چنانچہ عبارات حسب ذیل ہیں:

روح المعانی میں ہے:

وما ذکر فی الواقعات عن ابن مسعود من انه رای قوما یهللون برفع الصوت فی المسجد فقال : " ما اراکم الا مبتدعین حتی

اخـرجهـم مـن الـمسـجـد " لا يصح عند الحفاظ من الأئمة المحدثين وعـلى فرض صحته هو معارض بما يدل على ثبوت الجهر منه رضى الله عنه مما رواه غير واحد من الحفاظ اومحمول على الجهر البالغ".(روح المعانی ١٦/١٦٣).

سباحة الفکر فی الجہر بالذکر میں ہے:

ومنها اخـراج ابن مسعود رافعي أصواتهم في المساجد وقوله لهم : ما أراكم الا مبتدعين. والجواب عنه من وجوه :

أحـدها : ان هذا الأثر وان ذكره جمع من الفقهاء لكن لم يوجد له اثر في كتب الحديث بل الثابت عنه خلافه ".(سباحة الفكر ص٤٢).

الحاوی للفتاوی میں ہے:

فـان قـلـت: فـقـد نـقـل عن ابن مسعود انه رأى قوما يهللون برفع الـصـوت فـي الـمسـجـد فقال ما أراكم الا مبتدعين حتى أخرجهم من الـمسـجـد. قلت: هذا الاثر عن ابن مسعود يحتاج الى بيان سنده ومن اخرجه من الأئمة الحفاظ في كتبهم ". (الحاوى للفتاوى:١/٤٧٢).

فیض القدیر میں ہے:

وأمـا ما نقل عن ابن مسعود من انه رأى قوما يهللون برفع الصوت فـي الـمسـجـد فقال ما أراكم الا مبتدعين وامر باخراجهم فغير ثابت .

(فيض القدير ١/٤٥٧).

ان تمام حضرات کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کا اثر ثابت نہیں ہے لیکن یہ جواب درست نہیں کیونکہ یہ اثر سنن دارمی، مصنف عبدالرزاق اورطبرانی میں کئی طرق سے مروی ہے لہٰذا ان حضرات کے غیر ثابت کہنے کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔

چنانچہ سنن دارمی، مصنف عبدالرزاق اورطبرانی کی تمام روایات پرغور کرنے سے

نفس واقعہ کا ثبوت بطرق ضعیفہ ملتا ہے، لیکن مسجد سے نکالنے کا صحیح روایت سے ثبوت نہیں ملتا، چنانچہ **فأمر بإخراجهم** کے الفاظ تتبع کثیر کے باوجود کسی صحیح روایت میں نہیں ملے صرف طبرانی کی ایک روایت میں مذکور ہے **فأمرهم ان يتفرقوا** نیز مصنف عبد الرزاق میں بھی یہی الفاظ ہے ایک ہی سند سے اور اس سند میں انقطاع ہے ابوالبختری عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا سماع عبداللہ بن مسعود سے ثابت نہیں ہے لہذا مسجد سے نکالنا کسی بھی صحیح روایت میں نہیں ملا۔

تمام روایتیں حسبِ ذیل درج کی جاتی ہیں:

سنن دارمی میں ہے:

أخبرنا الحكم بن المبارك (١) أنا عمر بن يحيىٰ (٢) قال: سمعت أبي (٣) يحدث عن ابيه (٤) قال كنا نجلس على باب عبد الله بن مسعودؓ قبل صلاة الغداة، فإذا خرج مشينا معه إلى المسجد فجاء نا أبو موسى الأشعري فقا ل: أخرج اليكم أبو عبد الرحمن بعد؟ قلنا لا، فجلس معنا حتى خرج، فلما خرج قمنا إليه جميعا فقال له أبو موسى: يا أباعبد الرحمن إني رأيت في المسجد آنفا أمرا أنكرته ولم أر والحمد لله إلا خيرا. قال فما هو؟ فقال: إن عشت فستراه. قال رأيت في المسجد قوما حلقا جلوسا ينتظرون الصلاة في كل حلقة رجل وفي أيديهم حصا فيقول: كبروا مائة، فيكبرون مائة، فيقول: هللوا مائة، فيهللون مائة ويقول سبحوا مائة فيسبحون مائة. قال: فما ذا قلت لهم؟ قال: ما قلت لهم شيئا انتظار رأيك أو انتظار أمرك. قال: أفلا أمرتهم أن يعدوا سيئاتهم، وضمنت لهم أن لا يضيع من حسناتهم، ثم مضى ومضينا معه حتى أتى حلقة من تلك الحلق، فوقف عليهم فقال: ماهذا الذي أراكم تصنعون؟ قالوا: يا أبا عبدالله حصا نعد به التكبير

والتهليل والتسبيح . قال : فعدوا سيئاتكم ، فأنا ضامن أن لا يضيع من حسناتكم شئى ، ويحكم يا أمة محمد ما أسرع هلكتكم ، هؤلاء صحابة نبيكم صلى الله عليه وسلم متوافرون ، وهذه ثيابه لم تبل ، وآنيته لم تكسر ، والذى نفسى بيده إنكم لعلى ملة هى أهدى من ملة محمد ؟ أو مفتتحوا باب ضلالة ؟ قالوا : والله ياأبا عبد الرحمن ، ما أرادنا إلا الخير ؟ قال وكم من مريد للخير لن يصيبه ، أن رسول الله حدثنا فقال عمرو بن سلمة: رأينا عامة أولئک الحلق يطاعنونا يوم النهروان مع الخوارج. (سنن دارمی: ۱/۷۹).

دارمی کے رجال کی تحقیق:۔

(۱) قال الحافظ صدوق ربما وهم ، تقريب التهذيب ص ۸۰ وقال الذهبى : صدوق. (ميزان الاعتدال ۱/۵۷۹).

(۲) والصحيح عمرو بن يحيىٰ قال الذهبى : قال يحيى بن معين: ليس حديثه بشئ ، قد رأيته .(ميزان الاعتدال ۳/۲۹۳)۔ كذا فى المغنى فى الضعفاء ۲/۷٦، وأيضاً فى لسان الميزان ٦/۲۳۲). وقال ابن عدى حدثنا احمدبن على، ثنا الليث بن عبدة قال : سمعت يحيىٰ بن معين يقول : عمرو بن يحيىٰ بن سلمة سمعت منه لم يكن يرضى. (الكامل فى ضعفاء الرجال ۵/۱۲۲). وقال ابن الجوزى : قال يحيىٰ بن معين : ليس حديثه بشئ وقال مرة لم يكن بمرضى. وقال الرازى : ذكره أبى عن اسحاق بن منصور عن يحيىٰ ابن معين انه قال : عمرو بن يحيىٰ بن سلمة ثقة. (كتاب الجرح والتعديل ٦/۲٦۹).وقال ابن خراش ليس بمرضى وقال ابن عدى ليس له كبير رواية.(لسان الميزان ٦/۵۸۵).

بظاہر ابن معین نے ابتداء میں توثیق کی تھی لیکن بعد میں جب دیکھ لیا تو تضعیف فرمائی، اور کہا ''ليس حديثه بشيء قد رأيته'' وقال مرة: ''لم يكن يرضى''. لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

اگر کوئی اشکال کرے کہ یحیی بن معینؒ کبھی کسی راوی کے بارے میں "**لیس بشیء**"فرماتے ہیں اوران کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ راوی قلیل الحدیث ہے۔
دکتور بشار عواد تحریر فرماتے ہیں:

وقول ابن معين في الراوي ليس بشيء يعني أن أحاديثه قليلة أحياناً ويعني تضعيف الراوي وسقوطه أحياناً.(مقدمة التحقيق لسنن ابن ماجه للدكتور بشار عواد).

لیکن یہاں "**ليس بمرضي**"وغیرہ کے الفاظ ہیں جن سے ان کی تضعیف مقصود ہے۔
اسی طرح جب راوی پر جرح اور تعدیل دونوں مذکور ہوں تو بالفرض اگر تقدیم وتاخیر معلوم نہ ہوں تو وہ روایت مقبول نہیں بلکہ اس میں توقف کیا جائے گا۔

قال الشيخ عبد الوهاب في حاشيته على التدريب: إذا كان الجرح و التعديل من واحد فقط كما اتفق ليحيى بن معين و ابن حبان فإن العمل على آخر القولين إن علم وإلا فالوقف كما ذكره الزركشي في نكته على ابن الصلاح.(حاشية تدريب الراوي:١/ ٣٠٩).

(٣) **أبي أي يحيىٰ بن عمرو بن سلمة: قال البخاري في تاريخ الكبير : يحى بن عمرو بن سلمة الهمداني ويقال الكندي الكوفي عن ابيه روى عنه الثوري وشعبة وعاصم الاحول** . (التاريخ الكبير ٢٩٢/٨). **وقال الرازي في الجرح والتعديل: روى عن ابيه روى عنه شعبة والثوري والمسعودي وقيس بن الربيع وابنه عمرو بن يحى سمعت ابي يقول ذلك**. (كتاب الجرح والتعديل:١٧٦/٩).

(٤) **ابيه أي عمرو بن سلمة بن الحارث الهمداني الكوفي : قال الحافظ : ثقة** ، (تقريب التهذيب ص ٢٦٠). **وقال محمد بن سعد : وكان ثقة قليل الحديث** ، (الطبقات الكبرى ٢١١/٦)، **وترجم له البخاري في** (التاريخ الكبير٦/٣٣٧).

طبرانی میں ہے:

(۱) **حديث : حدثنا علي بن عبد العزيز ثنا أبو نعيم ثنا سفيان عن**

سلمة بن كهيل عن أبى الزعراء (١) ، قال جاء المسيب بن نجية الى عبدالله فقال انى تركت قوما بالمسجد يقولون من سبح كذا وكذا فله كذا وكذا قال قم يا علقمة ، فلما رآهم قال يا علقمة اشغل عنى أبصار القوم، فلما سمعهم وما يقولون ، قال انكم لتمسكون بذنب ضلالة أو أنكم لا هدى من أصحاب محمد ﷺ .

(۲) حديث : حدثنا اسحاق بن ابراهيم الدبرى عن عبد الرزاق عن ابن عيينة عن بيان عن قيس بن أبى حازم (٢) قال ذكر لابن مسعود قاص يجلس بالليل ويقول للناس قولوا كذا وقولوا كذا ، فقال اذا رأيتموه فأخبرونى قال فأخبروه، فجاء عبد الله متقنعا فقال: من عرفنى فقد عرفنى ومن لم يعرفنى فأنا عبد الله بن مسعود تعلمون انكم لأهدى من محمد ﷺ وأصحابه وإنكم لمتعلقون بذنب ضلالة. (المعجم الكبير للطبراني: ٩/ ١٣٣).

طبرانی کے رجال کی تحقیق:۔

(١) ابو الزعراء اسمه عبد الله بن هانى الكبير الكوفى و ثقه العجلى قال المحقق الدكتور بشارعواد وشعيب الارنؤوط: بل ضعيف يعتبر به وقوله وثقه العجلى كان ليس فيه الا هذا مع أن ابن سعد وثقه، ولكن قال البخارى فى تاريخه الكبير: لايتابع فى حديثه ولم يروعنه سوى ابن اخته سلمة بن كهيل وقال ابن المدينى و النسائى و ابن عدى وغيرهم عامة رواية أبى الزعراء عن عبد الله بن مسعودؓ وقال ابن عدى ان كان قد سمع عن ابن مسعودؓ ؟ وذكره العقيلى فى الضعفاء وقال سمع ابن مسعود وفيه كلام ليس فى حديث الناس و ساق له حديث الشفاعة بطوله. (تحرير تقريب التهذيب ٢/ ٢٨١).

(٢) [قيس بن أبى حازم وإن وثقه البعض لكن] قال علي بن المدينى: قال لي

يحيى بن سعيد: قيس بن أبى حازم منكر الحديث ـ ثم ذكر له يحيى أحاديث مناكير منها حديث كلاب الحوأب ـ وقال يحيى بن غنية: حدثنا إسماعيل بن أبى، خالد قال كبر قيس بن أبى حازم حتى جاوز المئة بسنين كثيرة حتى خرق وذهب عقله، قال: فاشتروا له جارية سوداء أعجمية، قال: وجعل فى عنقها قلائد من عِهْنٍ ووَدَعٍ وأجراس من نحاس، قال: فجعلت معه فى منزله وأغلق عليه باب، قال: وكنا نطلع إليه من وراء الباب وهومعها، قال: فيأخذ تلك القلائد فيحركها بيده ويعجب منها ويضحك فى وجهها.

(تهذيب الكمال: ۲٤/۱٥/٤٨٩٦، وسير أعلام النبلاء: ٤/۲۰۱، تهذيب التهذيب: ٨/٣٣٧).

قیس بن ابی حازم کی عمر سو سال سے متجاوز ہو چکی تھی ان میں اختلاط آ چکا تھا، اگر چہ بہت مشائخ نے ان کی توثیق فرمائی ہے۔ ہاں امام بخاری وامام مسلمؒ کبھی کبھی بعض متکلم فیہ راویوں سے منتخب روایات لیتے ہیں جب ان کو علم ہو کہ یہ ان کے محفوظات میں سے ہیں، یا فضائل ومغازی وتفسیر میں ہو، جیسا کہ مقدمۃ تقریب التہذیب میں ہے:

أنهما أى البخاري ومسلماً انتقيا من رواية بعض المتكلم فيهم أحاديث يعلمان أنهم قد حفظوها وهي غالباً في غير الحلال والحرام كالتفسير والمغازي والأدب والرقاق. (مقدمة تحرير تقريب التهذيب، ص۲۹، للشيخ شعيب الارنؤوط والدكتور بشار عواد).

نیز مروان کے حضرت طلحہؓ کو قتل کرنے کی روایت بھی قیس بن ابی حازم کے منکرات میں سے ہے، کیونکہ محققین علماء نے اس کا انکار کیا ہے، ابن کثیرؒ نے بھی اس بات کو ترجیح دی ہے کہ حضرت طلحہؓ کو مروان نے قتل نہیں کیا تھا، بلکہ نا معلوم تیر لگا تھا جس کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۶۴، ۲۶۵)۔

دوسری بات یہ ہے کہ مروان اور حضرت طلحہ جنگِ جمل میں ایک گروہ میں تھے پھر مروان نے ان کو کیسے قتل کیا؟ مزید ملاحظہ ہو: (العواصم من القواصم، ص۱۵۹، وصدق النبأ فی بیان حقیقۃ عبداللہ بن سبأ: ۱/ ۹۵، وتاریخ الامم والملوک: ۵/۲۱۵، وتاریخ خلیفۃ: ۱/۴۳)۔

(۳) حدیث: حدثنا اسحاق بن ابراهیم الدبری عن عبد الرزاق

عن جعفر بن سليمان (۱) **أنا عطاء بن السائب** (۲) **لا أعلمه الا عن أبى البخترى**(۳) **قال بلغ عبد الله بن مسعود ان قوما يقعدون من المغرب إلى العشاء يسبحون يقولون قولوا كذا وقولوا كذا قال عبد الله ان قعدوا فأذنونى فلما جلسوا أتوه فانطلق فدخل معهم ، فجلس وعليه برنس، فأخذوا في تسبيحهم ، فحسر عبد الله عن رأسه البرنس وقال أنا عبد الله بن مسعود ، فسكت القوم ، فقال لقد جئتم ببدعة ظلماء ، أو لقد فضلتم أصحاب محمد ﷺ علما ، فقال رجل من بنى تميم ما جئنا ببدعة ظلماء ولا فضلنا أصحاب محمد ﷺ علما، فقال عمرو بن عتبة بن فرقد استغفر الله يا ابن مسعود وأتوب اليه فأمرهم أن يتفرقوا ، قال ورأى ابن مسعود حلقتين فى مسجد الكوفة فقام منها فقال أيتكما كانت قبل صاحبتها ؟ قالت احداهما نحن، فقال للاخرى قوموا اليها فجعلهم واحدة.** (المعجم الكبير للطبرانى ۹/۱۳٤).

(۱)**قال يحيى بن معين : ثقة ،وكان يحيى بن سعيد لايكتب حديثه وكان يستضعفه** .(تهذيب الكمال:٥/٤٦).

وبهامشه قال الدكتور بشارعواد: الرجل معروف بالتشيع،بحيث وثقه الشيعة وما عدوه من رواة العامة (أى أهل السنة)كما في معجم الخوئى: (٤/٦۹). (تعليق تهذيب الكمال:٥/٤٨).

(۲) **قال الهيثمى فى مجمع الزوائد وفيه عطاء ابن السائب وهو ثقة لكنه اختلط** .(مجمع الزوائد ۱/۱۸۱). **و نقل العقيلى عن ابن المدينى عن يحيى بن سعيد القطان ان ابا عوانة وحماد بن سلمة سمعا منه قبل الاختلاط و بعده وكانا لايفصلان هذا عن هذا.**

(۳/۱٤، تحرير التقريب للدكتور بشار عواد تحت ذكر عطاء ابن السائب).

(۳) **وعلى هامش المجمع: أبوالبخترى لم يسمع من ابن مسعود فالحديث**

منقطع. (مجمع الزوائد: ۱/۱۸۲).

(۴) حدیث: حدثنا أبو مسلم الکشی ثنا أبو عمر الضریر أنا حماد بن سلمة أن عطاء بن السائب(۱) **أخبرهم عن أبی عبد الرحمن السلمی قال کان عمرو بن عتبة بن فرقد السلمی ومعضد فی أناس من أصحابهما اتخذوا مسجدا یسبحون فیه بین المغرب والعشاء کذا ویهللون کذا ویحمدون کذا ، فأخبر بذلک عبد الله بن مسعود ، فقال للذی أخبره اذا جلسوا فأذنونی فلما جلسوا آذنه ، فجاء عبد الله علیه برنس حتی دخل علیهم فکشف البرنس عن رأسه ثم قال أنا ابن أم عبد والله لقد جئتم ببدعة ظلماء ، أو قد فضلتم أصحاب محمد ﷺ ، فقال معضد وکان رجلا مفوها والله ما جئنا ببدعة ظلماء، ولا فضلنا أصحاب محمد ﷺ فقال عبد الله لئن أتبعتم القوم، لقد سبقوکم سبقا مبینا ، ولئن جرتم یمینا وشمالا لقد ضللتم ضلالا بعیدا** . (المعجم الکبیر للطبرانی: ۹/۱۳۵).

(۱) عطاء بن السائب آخر میں مختلط ہو گئے تھے حماد بن سلمہ نے بقول عقیلیؒ ان سے بعدالاختلاط سنا، ابن عدی کہتے ہیں کہ "**جمیع من رویٰ عن عطاء بن السائب رویٰ عنه فی الاختلاط إلا شعبة وسفیان**"، بعض کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ نے قبل الاختلاط وبعدالاختلاط دونوں حالتوں میں سنا۔

قال الحافظ ابن حجرؒ: " الظاهر أنه سمع منه مرتین" قبل الاختلاط وبعده. (حاشیة الکاشف للذهبی ،لابی الوفاء ابراهیم المعروف بابن العجمی الحلبی، ص۲۲).

دکتور بشار عواد کہتے ہیں: **قلت: القول الصحیح فیه قول یعقوب بن سفیان (وهو أن سماع حماد بن سلمة منه قدیم) ویتقی جداً من غیر حدیثه القدیم ،فإن الشیعة قد رووا له کما یظهر في کتبهم، بل ساق له الخوئي حدیثاً فی التقیة، ثم قال: هذه الروایة تدل علی أن عطاء بن السائب کان شیعیاً ...الخ. وللاستزادة انظر**: (تهذیب الکمال للإمام

المزی (۲۰/۹۳) وحاشية التهذيب للدكتور بشار عواد).

(۵) حديث: حدثنا علی بن عبد العزيز ثنا أبو النعمان عارم ثنا حماد بن زيد عن مجالد بن سعيد (۱) عن عمرو بن سلمة قال كنا قعودا عند باب ابن مسعود بين المغرب والعشاء، فأتى أبو موسى، فقال أخرج اليكم أبو عبد الرحمن؟ قال فخرج ابن مسعود، فقال أبو موسى ما جاء بک هذه الساعة؟ قال لا والله الا أنی رأيت أمرا ذعرنی، وانه لخير، ولقد ذعرنی وانه لخير، قوما جلوس من المسجد، ورجلا يقول لهم سبحوا كذا وكذا، احمدوا كذا وكذا، قال فانطلق عبد الله وانطلقنا معه حتى أتاهم، فقال ما أسرع ما ضللتم وأصحاب محمد ﷺ أحياء وأزواجه شواب وثيابه وآنيته لم تغير واحصوا سيئاتكم فأنا أضمن على الله ان يحصی حسناتكم. (المعجم الكبير للطبرانی: ۹/۱۳٦).

(۱) مجالد بن سعيد وثقه النسائی وضعفه البخاری وأحمد بن حنبل ويحيیٰ و فی التقريب :مجالد بضم اوله و تخفيف الجيم ابن سعيد بن عمير الهمدانی بسكون الميم ،ابو عمرو الكوفی ليس بالقوی و قد تغير فی آخر عمره من صغارالسادسة ،انما روی له مسلم مقرونا بغيره. (تحرير التقريب۳/۳٤۷).

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عبد الرزاق عن ابن عيينة عن بيان عن قيس بن أبی حازم قال: ذكر لابن مسعود قاص يجلس بالليل ويقول للناس، قولوا كذا، قولوا كذا، (فقال) إذا رأيتموه فأخبرونی، فأخبروه. قال: فجاء عبدالله متقنعا. فقال من عرفنی فقد عرفنی. ومن لم يعرفنی فأنا عبد الله بن مسعود، تعلمون أنكم لأهدى من محمد وأصحابه وإنكم لمتعلقين بذنب ضلالة.

عبد الرزاق عن جعفر قال: أخبرناعطاء بن السائب قال : لا أعلمه إلا عن أبی البختری (۱) قال : بلغ عبد الله بن مسعود أن قوما يقعدون من المغرب إلى العشاء يسبحون يقولون : قولوا كذا " قال عبدالله إن قعدوا فأنونی بهم ، فلما جلسوا آذنوه فانطلق إذا آذنوه . فدخل معهم وعليه برنس فأخذوا فی تسبيحهم فحسر عبد الله عن رأسه البرنس . وقال أنا عبد الله بن مسعود ، فسكت القوم فقال لقد جئتم ببدعة ظلماء أو لقد فضلتم أصحاب محمد ﷺ علما فقال عمرو بن عتبة بن فرقد: أستغفر الله يا ابن مسعود وأتوب إليه . قال فأمرهم أن يتفرقوا. ورأى ابن مسعود حلقتين فی مسجد الكوفة فقال : أيتكما كانت قبل صاحبتها ؟ فقالت إحداهما : نحن . قال للأخرى تحولوا إليهم فجعلها واحدة.

عبد الرزاق عن معمر عن عطاء بن السائب قال سمع ابن مسعود بقوم يخرجون الى البرية معهم قاص يقول : سبحوا ثم قال أنا عبد الله بن مسعود ولقد فصلتم أصحاب محمد ﷺ علما أو لقد جئتم ببدعة ظلماء. وان تكونوا قد أخذتم بطريقتهم فقد سبقوا سبقا بعيدا . وان تكونوا خالفتموهم فقد ضللتم ضلالا بعيدا على ما تعددون أمر الله .

(مصنف عبدالرزاق:۳/ ۲۲۱-۲۲۲).

(۱) ابو البختری لم يسمع من ابن مسعود فالحديث منقطع .

الجواب (۲): علماء نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اگر عبداللہ بن مسعود کا اثر ثابت ہے تو یہ دوسری بہت ساری صحیح مرفوع روایات سے متعارض ہے جو پہلے گذر چکیں نیز عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اس اثر کے خلاف روایت مروی ہے جس کو علامہ سیوطی اور دوسرے حضرات نے نقل کی ہے مفہوم یہ ہے کہ ابو وائل کہتے ہیں کہ یہ لوگ عبداللہ بن

مسعودؓ کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ وہ ذکر سے روکتے ہیں حالانکہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی مجلس میں جب بھی بیٹھا اس مجلس میں ذکر کرنا ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ راوی کا عمل اپنے پہلے عمل کے خلاف ہو تو اس کے دوسرے عمل کو ترجیح ہوگی اس لئے کہ شاید ان کے نزدیک وہ عمل منسوخ ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہ کی روایت **فنکاحھا باطل** اس کے خلاف ان کا عمل تھا کہ انھوں نے خود اپنی بھتیجی کا نکاح کروایا تھا والد کی عدم موجودگی میں تو علماء احناف نے اسی کو ترجیح دی۔ عبارات حسب ذیل ہیں:

الحاوی للفتاوی میں ہے:

وعلی تقدیر ثبوتہ فھو متعارض بالاحادیث الکثیرۃ الثابتۃ المتقدمۃ وھی مقدمۃ علیہ عند التعارض ثم رأیت ما یقتضی انکار ذلک عن ابن مسعود قال الإمام احمد بن حنبل فی کتاب الزھد : ثنا حسین بن محمد ثنا المسعودی عن عامر بن شقیق عن أبی وائل قال ھولاء الذین یزعمون عن عبداللہ کان ینھی عن الذکر ما جلس عبد اللہ مجلسا قط الا ذکر اللہ فیہ. (الحاوی للفتاوی:۱/۴۷۲).

نیز مذکورہ بالا روایات میں عبداللہ بن مسعود کا یہ عمل مروی ہے کہ انھوں نے مسجد میں ذکر کے دو حلقوں کو ایک بنایا۔ طبرانی اور مصنف عبدالرزاق کی حدیث ملاحظہ کیجئے۔ معلوم ہوا کہ وہ حلقات ذکر کے خلاف نہیں تھے، نیز جس روایت میں بدعۃ ظلماء کا لفظ آیا ہے وہ روایت منقطع ہے ابوالبختری کا سماع عبداللہ بن مسعودؓ سے ثابت نہیں لہٰذا وہ قابل استدلال نہیں اور سنن دارمی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سد باب کے طور پر فرمایا تھا، تا کہ آگے چل کر کہیں بدعت کا کام شروع نہ ہو جائے، چنانچہ سنن دارمی میں ہے: **أو مفتحوا باب ضلالۃ** یعنی گمراہی کا دروازہ کھل سکتا تھا اس وجہ سے پہلے ہی سے سدِ باب فرما دیا جس کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔

رواح المعانی میں ہے:

وعلى فرض صحته هو متعارض بما يدل على ثبوته الجهر منه رضى الله عنه مماروا ه غير واحد من الحفاظ أو محمول على الجهر البالغ". (روح المعانی:١٦/١٦٣).

فیض القدیر میں ہے:

وبفرض ثبوته يعارض ما فى كتاب الزهد لاحمد عن شقيق بن أبى وائل قال هولاء الذين يزعمون ان عبد الله كان ينهى عن الذكر. ما جلسته مجلسا قط الا ذكر الله فيه ".(فيض القدير:١/٤٥٧).

الجواب (۳): صاحبِ فتاویٰ بزازیہ نے جواب دیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کا نکالنا ان لوگوں کے اس طرح مجلس لگانے کو عبادت سمجھنے کی وجہ سے تھا اور لوگوں کو بتانے کے لئے کہ ذکر کی مجلس کو عبادت مقصودہ سمجھنا بدعت ہے ورنہ فی نفسہ جائز ہے۔مگر اس کو شریعت اور سنت کا درجہ نہ دیں۔

فتاوی بزازیہ میں ہے:

قلت الإخراج عن المسجد لو نسب اليه بطريق الحقيقة . يجوز أن يكون لاعتقادهم العبادة فيه ولتعليم الناس بانه بدعة والفعل جائز .

(فتاوی بزازيه على هامش الهندية:٦/٣٧٨).

یعنی فعل جائز ہے لیکن اس کو عبادت مسنونہ مقصودہ سمجھنا بدعت ہے۔

الجواب (۴): علامہ آلوسی کی ذکر کردہ عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسجد میں بہت زیادہ آواز بلند کر کے ذکر کر رہے تھے اس وجہ سے منع فرمایا۔ **أو محمول على الجهر البالغ"**.(روح المعانی:١٦/١٦٣).

الجواب (۵): سنن دارمی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی گمراہ فرقہ کے لوگ تھے جو بدعت کا رواج ڈالنا چاہتے تھے مسلمانوں کے درمیان کسی خاص طریقہ کو لازم کر کے؛ اس وجہ سے جب عبداللہ بن مسعود کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے سخت

الفاظ میں ڈانٹا اور فرمایا: **لقد جئتم ببدعة ظلماء** تم لوگوں نے گمراہی کا کام شروع کردیا۔ **انکم لا هدی من محمد ﷺ وأصحابه** ؟ کیا تم اصحاب محمد ﷺ سے زیادہ ہدایت پر ہو؟ **انکم لعلی ملة هي اهدی من ملة محمد** ؟ کیا تم لوگ محمد ﷺ کی شریعت سے زیادہ ہدایت پر ہو؟

فقال عمرو بن سلمة رأينا عامة اولئک الحلق يطاعنونا يوم النهروان مع الخوارج ". (سنن دارمی:۱/۷۹).

عمرو بن سلمہ فرماتے ہیں ان میں اکثر لوگوں کو ہم نے دیکھا جنگ نہروان کے دن خوارج کے ساتھ ملکر ہم پر نیزے سے وار کرتے تھے۔

نوٹ: یہ تمام الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ کسی گمراہ فرقہ کے لوگ تھے اور بدعت کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے اور بعد میں خوارج کے ساتھ مل گئے اور اس حقیقت کو عبداللہ بن مسعود نے اپنی ایمانی فراست سے پہلے ہی معلوم کرلیا تھا اسی وجہ سے ڈانٹا، ورنہ ذکر کرنے والوں کو برا بھلا کہنا وہ بھی ایک جلیل القدر صحابی جو ہمیشہ ذکر وفکر میں رہنے والے سے بہت بعید ہے، نیز ہمیشہ ذکر واذکار میں رہنے والے صوفیاء کرام خیر القرون والے اتنے جلدی گمراہ ہوجائیں یہ بھی سمجھ سے بعید ہے۔

یہ لوگ کسی بدعت کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں وعظ سے منع کرنے کا ذکر ہے:

عن عمرو بن زرارة قال : وقف علي عبدالله و أناْ أقص فی المسجد فقال: ياعمرو لقد ابتدعتم بدعة ضلالة أوإنكم لأهدی من محمد صلی الله عليه وسلم وأصحابه ولقد رأيتهم تفرقوا حتی رأيت مكاني مافيه أحد . (رواه الطبراني: ۸/۱۳۷/۸۶۳۷).

" أناْ أقص فی المسجد" کے معنی ہیں میں مسجد میں وعظ کہہ رہا تھا۔

طبرانی کی ایک روایت میں ہے:

" **إن عمرو بن زرارة مع أصحاب له يذكرهم فأتاهم عبد اللّٰہ فقال: أنتم أهدى أم أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم إنكم متمسكون بطرف ضلالة**". (رواه الطبرانی:۱۳۷/۸٦۳۸).

عمرو بن زرارہ نصیحت کرر ہے تھے۔"يذكرهم" کے معنی نصیحت کرتے تھے ہونا چاہئے۔

ایک روایت میں ہے وعظ کے ساتھ،"يقول سبحان الله كذا وكذا" کا بھی ذکر ہے۔(رقم الحدیث:۸٦۳۹).

وعظ تو بالاتفاق مسجد میں مستحسن ہے لیکن چونکہ یہ غلط قسم کے لوگ تھے اس لیے ان کو منع کیا تھا،ایک روایت میں:" **مر برجل يذكّر قوماً فقال: يامذكّر لاتقنط الناس**". (رقم الحدیث:۸٦۳۵) اے مقرر صاحب لوگوں کو ناامیدی میں مبتلا نہ کرو (جیسے خوارج مرتکبِ کبیرہ کو کافر کہتے ہیں)۔

اور ایک روایت میں دوحلقوں کو ایک بنانے کا ذکر ہے لیکن اس روایت میں ابوالبختری اور ابن مسعودؓ کے درمیان انقطاع ہے منقطع اور معضل اصولین کے نزدیک مرسل میں شامل ہیں۔

لأنه إما منقطع أومعضل والكل يسمى مرسلاً عند الأصولين .

(قفو الاثر،ص ۷۰).

منقطع اور مرسل میں احناف اصولین کے پانچ مسلک ہیں: چار مذاہب کو تطویل کے خوف سے چھوڑ کر پانچواں مسلک بیان کرتا ہوں:

محقق ابن ہمامؒ اور ان کے تلمیذ ابن امیر حاجؒ اور شارح التحریر امیر بادشاہ فرماتے ہیں: کہ مرسل کو قبول کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ ارسال کرنے والا ثقہ، ائمہ دین میں سے کوئی امام ہو،قرونِ ثلاثہ میں سے ہو یا بعد میں۔

ہمارے ہندوستانی اکابرؒ اور محققین نے اسی کو اختیار فرمایا،محبّ اللہ بہاری نے مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلوم نے فواتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت میں ومولانا شبیر احمد

عثمانیؒ نے مقدمہ فتح الملہم :(ص۹۲،۹۳)۔ہندوستان کے علاوہ محمد بخیت مطیعی نے سلم الاصول لشرح نہایۃ السؤل میں اس مسلک کواختیار فرمایااس کی تفصیل دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الحنفیۃ مولفہ شیخ عبدالمجید الترکمانی،ص۳۸۱ سے ۳۸۶ تک ملاحظہ فرمائیں۔

ہم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے کلام کونقل کرنے پراکتفا کرتے ہیں:

وفي مقدمة فتح الملهم للشيخ شبير أحمد العثماني (۱/۹۲): **قال العبد الضعيف عفاالله عنه: قد تكلم علمائناؒ على مسئلة مرسل في كتب الأصول فأطالوا وأشبعوا وقد لخص كلامهم الشيخ ابن الهمامؒ في التحرير تلخيصاً حسناً لطيفاً يظهر مطالعته أن أكثر ما اعترض على مذهب الحنفية في المرسل قد فشا من الغفلة عن القيود التي قيدوا بها قبوله ، فإن المرسِل بالكسر إذاكان ثقة عدلاً غيرغاش للمسلمين في دينهم، وكان إماماً من أئمة النقل،لايحدث بكل ماسمع ويعرف صدق الراوي من كذبه وله أهلية الجرح و التعديل بحيث لايكاد يخفى عليه أقوال المشاهير من أهل عصره...إلى آخر ما ذكره الشيخ.** (مقدمة فتح الملهم:۱/۹۲).

بلکہ جہری مجالس ذکر پرمعترضین جن بزرگ حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحبؒ کی تحریرات کوبطورِ دلیل پیش کرتے ہیں انہوں نے خود''ازالۃ الریب میں عجالہ نافعہ کے حوالہ سے لکھاہے کہ طبرانی کی تمام کتابیں طبقہ ثالثہ کی ہیں اوراجماع ان کے خلاف پر منعقد ہے۔

ملاحظہ فرمائیں: کیونکہ امام طبرانی کی جملہ تصانیف حضراتِ محدثین کے نزدیک کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں داخل ہیں اوراس طبقہ کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ واکثرآں احادیث معمول بہ نزدِفقہاءنشدہ انداجماع برخلاف آں منعقد گشتہ۔ (بحوالہ

عجالہ نافعہ۔ازالۃ الریب، ص۵۳۴).

بعد میں حضرت گلدستہ توحید میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر اصولِ حدیث کے رُو سے اس طبقہ کی کوئی حدیث سنداً صحیح ثابت ہو تو اس کی صحت میں کلام نہیں۔(گلدستہ توحید، ص۱۴۴).

لیکن ابن مسعودؓ کی روایت پایۂ صحت تک کہاں پہونچی؟

یہ الگ بات ہے کہ دوسرے علماء اس نظریہ کے مخالف ہیں۔

یاد رہے کہ ابن مسعودؓ کی روایات جن کتابوں میں ہیں وہ طبقہ ثالثہ کی کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

الجواب (٦) : شیخ الاسلام حضرت اقدس مدنیؒ کا جواب:

حضرت سے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت مذکورہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو حضرت نے جواب میں تین احادیث ذکر فرمائی جو فضائل ذکر میں گذر گئیں اس کے بعد فرمایا: یہ روایات اور ان کے ہم معنی شیخین وغیرہما کی مرفوعات صحیحہ ہیں ان کے مقابلہ میں دارمی کی وہ روایت جو آپ نے ذکر فرمائی ہیں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ جبکہ وہ موقوف ہیں اور اس کے رواۃ متفق علیہ نہیں ہیں اگرچہ ثقات ہیں۔(رواۃ کی مختصر تحقیق سنن دارمی کی روایت کے تحت حاشیہ میں گزر چکی ہے) اس لئے معارضہ کیا جائے گا تو مذکورہ بالا (یعنی صحیح روایات) ہی کو ترجیح ہوگی۔(فتاویٰ شیخ الاسلام، ص٦٩۔٧٠، اجتماعی مجالس ذکر).

الجواب: (٧) : عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ہم نے علی سبیل التنزل حسن تسلیم کیا تھا اور اس کے جوابات تحریر کئے تھے ورنہ حقیقت میں وہ ضعیف ہونی چاہئے اس لئے کہ اسانید کے ضعف کے علاوہ اس میں اضطراب ہے۔

اضطراب کی تفصیل ملاحظہ ہو:

اضطراب (۱) دارمی میں "قبل صلاۃ الغداۃ" کا لفظ ہے یعنی نمازِ فجر سے پہلے اور طبرانی معجمِ کبیر کی روایت میں "من المغرب إلى العشاء" کا لفظ ہے یعنی مغرب سے عشاء تک۔

اضطراب (۲) دارمی کی روایت میں ''فإذا خرج مشينا معه إلى المسجد'' یعنی مسجد کا تذکرہ ہے۔ اور مصنف عبدالرزاق میں ''إلى البرية'' کا لفظ ہے یعنی صحرا میں ذکر کی مجلس لگی تھی۔

اضطراب (۳) دارمی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پڑھوا رہا تھا اور سب اس کی اقتداء میں پڑھتے تھے اس کے برخلاف طبرانی کی بعض روایات میں ہے کہ سب ایک ساتھ پڑھتے تھے کسی کے پڑھوانے کا تذکرہ نہیں ہے اور دیگر بعض میں ہے۔

اضطراب (۴) بعض روایات میں ہے کہ ان کو نکالدیا مثلاً طبرانی کی روایت جس میں انقطاع ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ دو جماعتوں کو ایک جماعت بنادیا اور دیگر بعض میں دونوں نہیں ہے۔

یہ سب اضطراب ہے جیسے حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت کو محدثین نے مضطرب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیہقی کے حاشیہ الجوہر النقی میں ہے:

ذكر فيه نحلة بشيرؓ لابنه النعمانؓ وقوله عليه السلام (اردده) قلت: قد اضطرب متنه اضطراباً شديداً. (السنن الكبرى مع الجوهر النقي: ۶/۱۷۹، دار المعرفة).

اضطراب کی تفصیل ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

فقد اختلف الروايات في هذه العطية، ففي بعضها أنه نحله غلاماً، وفي بعضها أنها كانت حديقة، واختلفت في وقت الهبة، ففي رواية عند ابن حبان والطبراني أنه وهب حين نفست امرأته بالنعمان، وفي بعضها عند مسلم والنسائي أنه التوى بهاسنة، وفي رواية ابن حبان حولين، وفي بعضها قال: فأخذ بيدي وأنا غلام، وفي رواية لمسلم من طريق داود بن أبي هند عن الشعبي عن النعمانؓ، انطلق بي أبي يحملني إلى رسول الله ﷺ، ذكرها الحافظ في ''الفتح'' (۵/۱۵۶) **والجمع بينها**

بماقاله الحافظ لايخلوا عن تكلف وتعسف،فالحق ماقاله ابن التركمانى أن حديث النعمانؓ قداضطرب متنه اضطراباً شديداً،فلاحجة فيه. (اعلاء السنن:١٦/ ١٠٠،ادارة القرآن).

نیز ترمذی شریف کی وہ روایت جس میں فجر اور ظہر کا اختلاف ہے اس کو بھی محدثین نے مضطرب قرار دیا ہے،اور اسی اضطراب کی وجہ سے ضعیف کہہ کر حنفیہ نے عمل نہیں کیا۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

حدثنا جابربن يزيد بن الأسود عن أبيه قال شهدت مع النبى صلى الله عليه وسلم حجته فصليت معه صلاة الصبح فى مسجدالخيف فلماقضى صلاته انحرف فإذا هوبرجلين فى أخرى القوم لم يصليا معه فقال:علىّ بهمافجئ بهما ترعد فرائصهمافقال:مامنعكماأن تصليا معنا فقالا:يارسول اللّٰه إناكناقدصلينافى رحالناقال:فلاتفعلا إذا صليتما فى رحالكما ثم أتيتمامسجدجماعة فصليامعهم فإنهالكمانافلة. (رواه الترمذى:١/٥٢،باب ماجاء فى الرجل يصلى وحده ثم يدرك الجماعة،فيصل).

العرف الشذی میں ہے:

أقول:فى حديث الباب أنه مضطرب فإن فى حديث الباب أنها واقعة الفجروفى بعض الروايات أنهاواقعة الظهر. (العرف الشذى على سنن الترمذى:١/٥٨).

معارف السنن میں علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

أن الحديث مضطرب لايصلح حجة فى الباب فقد وردفى "كتاب الآثار" للإمام محمد بن الحسنؒ و"كتاب الآثار" لأبى يوسفؒ،وفى كليهما "الظهر"...... (معارف السنن:٢/ ٢٧٤،بحث اضطراب أحاديث الاعادة،سعيد).

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت اضطراب کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ اضطراب ضعف کی علامت ہے۔

ملاحظہ حافظ ابن صلاح علوم الحدیث میں فرماتے ہیں:

والاضطراب موجب ضعف الحديث لإشعاره بأنه لم يضبط، والله أعلم. (علوم الحديث لابن الصلاح:ص٩٤،دارالفكر).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت پر مزید تبصرہ:

(۱) جب کوئی عمل قرآن اور احادیث سے ثابت ہو تو کسی صحابی کا اس کو بدعت کہنا مضر نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صلوۃ الضحیٰ کو بدعت کہا لیکن صلوۃ الضحیٰ بدعت نہیں بلکہ مستحب ہے ہاں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تاویل کی جائیگی۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا وكيع قال حدثنا حاجب بن عمر عن الحكم بن الاعرج قال سألت ابن عمر رضي الله عنه عن صلوة الضحى فقال بدعة''. (مصنف ابن أبي شيبة ۲/۴۰۶، بخاری شریف ۱/۲۳۸، صحیح مسلم ۱/۴۰۹، سنن الكبرى للبيهقي ۵/۱۰، صحيح ابن حبان ۷/۱۰۴).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لئے تیمّم کو ممنوع سمجھتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن عمر رضي الله عنه قال لا يتيمم الجنب وان لم يجد الماء شهرا. (مصنف ابن ابی شیبة ۱/۵۷، المحلی ۲/۱۵۰).

وعن شقيق قال كنت جالسا مع عبد الله وابى موسى فقال أبوموسى يا ابا عبد الرحمن أرأيت لو ان رجلا اجنب فلم يجد الماء شهرا كيف يصنع بالصلوٰة فقال عبد الله رضي الله عنه لا يتيمم وان لم يجد الماء شهرا. الحديث . (بخاری شریف ۱/۵۰، مصنف ابن ابی شیبة ۱/۱۵۷، الاستذكار ۱/۳۰۲، المحلی ۲/۱۵۰).

حالانکہ جنب کے لئے تیمّم ثابت ہے لیکن منع اس لئے فرمایا تاکہ لوگ معمولی سردی کو بہانہ بنا کر تیمّم نہ کیا کریں۔

نیز عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ کے جہر کو نماز میں بدعت کہا:

ترمذی شریف کی روایت ہے:

عن عبد الله بن مغفل قال سمع أبی و أنا فی الصلوٰة اقول بسم الله الرحمن الرحيم فقال لی أبی أی بنیّ محدث اياک و الحدث . (ترمذی شریف: ۱/ ۵۷ ۔ حسنه الترمذی لکن قال الدکتور بشار عواد فی تعليقه مداره علی ابن عبد الله بن مغفل و هو مجهول، و انکر علی الترمذی تحسينه: فانکره النووی و ابن خزيمة و ابن عبد البر و الخطيب . انتهی ملخصا ۱/ ۲۸٤ الجامع الکبير للترمذی).

حلانکہ شوافع دوسرے دلائل کے پیش نظر اس کو سنت سمجھتے ہیں۔

نیز ابو مالک اشجعی کی روایت میں ہے کہ انھوں نے اپنے والد سے قنوت فی الفجر کے بارے میں دریافت کیا تو ان کے والد نے فرمایا بدعت ہے۔

مشکوٰۃ میں ہے:

عن أبی مالک الاشجعی قال قلت لأبی يا أبت انک قد صليت خلف رسول الله ﷺ و أبي بكر و عمر و عثمان و علي ههنا بالكوفة نحواً من خمس سنين أكانوا يقنتون قال أی بنی محدث. (رواه الترمذی و النسائی و ابن ماجة ، مشکوة ۱/ ۱۱٤ ، و الطحاوی ۱/ ۱۷۷ ، و ابو داود الطيالسی و ابن حبان و ابن أبی شيبة).

حالانکہ شوافع اس کو دوسرے دلائل کے پیش نظر سنت سمجھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی صحابی کے بدعت کہنے سے وہ عمل بدعت نہیں ہوگا جب اس کے سنت ہونے یا جائز ہونے کے دوسرے دلائل موجود ہوں ہاں صحابی کے قول کی مناسب تاویل کی جائیگی مثلاً یہ کہا جائیگا کہ جمع ہونے والوں میں بعض مشکوک قسم کے لوگ تھے اگر اس کو

جاری رکھتے تو لوگ اس کو مسجد کے اعمال میں شمار کرتے پھر آگے ایسی صورت حال پیدا ہو جائیگی جو بدعت ہو گی جیسے اہل بدعت مسجد میں کچھ اعمال کرتے ہیں اور اس کو مسجد کے اعمال سمجھتے ہیں اور پھر نہ کرنے والوں پر انکار کرتے ہیں اور اس کو دین کا جزء سمجھ کر بدعت کا ارتکاب کر لیتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کی تعریف بھی بیان کی جائے تاکہ بدعت کا جاننا آسان ہو جائے چنانچہ بدعت کی مختلف تعریفات علماء نے بیان فرمائی ہیں علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم مصری رحمہما اللہ بدعت کی تعریف ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

"ما احدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله ﷺ من علم أوعمل او حال بنوع شبهة واستحسان وجعله دينا قويما وصراطا مستقيما".(فتاوى الشامى ١/٥٦٠، البحر الرائق ١/٣٤٩).

ترجمہ: بدعت وہ چیز ہے جو اس حق کے خلاف ایجاد کی گئی ہو جو آنحضرت ﷺ سے لیا گیا ہو یا عمل یا حال یا اور کسی شبہ کی بنا پر اس کو اچھا سمجھ کر دین قویم اور صراط مستقیم بنا لیا گیا ہو۔

اسی طرح عبادات کے اندر اوقات اور کیفیات کا تعین کرنا بدعت ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے:

لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالى ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الأيام الا ان يكون فى صوم يصوم احدكم . (مسلم شريف ١/٣٦١).

ترجمہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کی رات کو دوسری راتوں سے نماز اور قیام کے لئے خاص نہ کرو اور جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے روزہ کے لئے خاص نہ کرو، مگر ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا ہے اور جمعہ کا دن بھی اس میں آجائے تو الگ بات ہے۔

علامہ ابواسحاق شاطبیؒ فرماتے ہیں:

ومنها التزام العبادات المعينة فى اوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين فى الشريعة ".(الاعتصام ۱/ ۲۹)

ترجمہ: وہ اپنی بدعات میں سے خاص اوقات کے اندر ایسی عبادات معینہ کا التزام کرلینا بھی ہے جن کے لئے شریعت مطہرہ نے وہ اوقات مقرر نہیں کئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی مستحب یا مباح عمل کو اس کی حیثیت سے بڑھانا اور اس کو لازم کا درجہ دینا بدعت ہے کہ بالکل رخصت پر عمل نہ کرے یا رخصت کا انکار کردے اور اس کو برا سمجھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے حدیث کی شرح کرتے ہوئے نقل فرمایا:

إن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها لأن التيامن مستحب فى كل شئ أى من أمور العبادة ، لكن خشى ابن مسعودؓ أن يعتقدوا وجوبه ". (فتح الملهم ٤/٥٩٨).

درمختار میں ہے:

وكل مباح يؤدى إليه أى إلى اعتقاد السنية او الوجوب فمكروه ".

(الدرالمختار :۲/ ۱۲۰).

علامہ شامیؒ نے فرمایا:

قوله : " فمكروه " الظاهر أنها تحريمة لأنه يدخل فى الدين ما ليس منه .(رد المختار :۲/ ۱۲۰).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلاته يرى حقا عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه لقد رأيت رسول الله ﷺ كثيراً ينصرف عن شماله "**. (رواه البخارى:۱/ ۱۱۸).

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال الطیبی : من أصر علی أمر مندوب وجعله عزما ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال فکیف من أصر علی بدعة أو منکر". (مرقاۃ: ۳/۳۵۳)

لیکن یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں عمل نہیں کیا اور اگر کسی نے کیا تو **بدعت** ہے یہ بات درست نہیں ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ موجودہ ترتیب کے ساتھ مجالس ذکر اور عمل دعوت آنحضرت ﷺ اور صحابہ نے نہیں کیا تو یہ **بدعت** ہے، یہ بات صحیح نہیں، جو کام شریعت میں مسکوت عنہ ہو وہ مباح ہے۔ اس کا کرنا اس وقت **بدعت** ہوگا جب اس کو شریعت اور سنت کا درجہ دے کر کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ما أمرتکم به فخذوه وما نهیتکم عنه فانتهوا**". (ابن ماجه ۱/۲، مسند ابی یعلی ٤/٢٤٣). یہ نہیں فرمایا: **ما سَکَتُّ عنه فانتهوا** .

فقہاء اور اصولیین کے یہاں احکام کے ثبوت کے لئے چار دلائل ہیں: قرآن و سنت اجماع وقیاس۔ حرمت کے ثبوت کے لئے بھی چار دلائل میں سے ایک ہے: ترک رسول ﷺ کو دلیل خامس کے طور پر اصولیین نے پیش نہیں کیا، نیز حدیث کی مصطلحات میں سنت قولیہ، سنت فعلیہ، سنت تقریریہ کا ذکر ہے۔ سنت ترکیہ کا ذکر نہیں۔

متروکات کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) ضب (گوہ) کا کھانا عندالشوافع:

بخاری شریف میں ہے:

عن عبد الله بن دینار قال سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہ قال النبی ﷺ: الضب لست آکله ولا احرمه وفی روایة له عن خٰلد بن الولید انه دخل مع رسول اللّٰه ﷺ بیت میمونة فاتی بضب محنوذ فاهوی الیه رسول اللّٰه ﷺ بیده فقال بعض النسوة اخبروا رسول الله ﷺ بما یرید ان یأکل

فقالوا هو ضب يا رسول الله فرفع يده فقلت أحرام هو يارسول اللّٰه قال لاولكن لم يكن بارض قومى فاجدنى اعافه الخ (رواهما البخارى:۲/۸۳۱، باب الضب۔ومسلم ۲/۱۵۔والنسائى ۲/۱۹۷۔ وابوداود۲/۵۳۲۔ وابن ماجة۱/۲۳۳).

(۲) رکعتین قبل المغرب:

بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك قال كان المؤذن اذا اذن قام ناس من اصحاب النبى ﷺ يبتدرون السوارى حتى يخرج النبى ﷺ وهم كذلك يصلون ركعتين قبل المغرب لم يكن بين الاذان والاقامة شئ". (رواه البخارى ۱/۸۷، والنسائى ۱/۹۷، وابو داود ۱/۱۸۲).

(۳) کعبہ کی تعمیر:

بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة زوج النبى ﷺ ان رسول الله ﷺ قال لها الم ترى ان قومك حين بنوا الكعبة اقتصروا عن قواعد ابراهيم فقلت يا رسول الله الا تردها على قواعد ابراهيم قال لولا حدثان قومك بالكفر لفعلت الخ .(رواه البخارى ۱/۳۱۵، باب فضل مكة ۔ ومسلم ۱/۴۲۹).

(۴) صوم داودی:

بخاری شریف میں ہے:

عبد الله بن عمروبن العاص قال قال لى النبى ﷺ انك لتصوم الدهر وتقوم الليل فقلت نعم فقال : انك اذا فعلت ذلك هجمت له العين ونفهت له النفس لا صام من صام الدهر صوم ثلاثة ايام صوم الدهر كله فقلت انى اطيق اكثر من ذلك قال فصم صوم داود وكان يصوم يوما ويفطر يوما ولا يفر اذا لاقى . (رواه البخارى ۱/۲۶۶،

ومسلم ۱/۳۶۶).

یہ سب متروکات میں سے ہیں ۔آنحضرت ﷺ نے یہ کام نہیں کئے ، لیکن ممنوعات میں سے نہیں، بلکہ ان میں سے بعض تو مطلوب افعال ہیں۔(رسالة حسن التفهم والدرك لمسألة الدرك ،ص ۱۰-۱۱۔ اس رسالہ کے تمام مندرجات سے ہمارا اتفاق نہیں ہے۔)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **ما احل الله فی کتابه فهو حلال وما حرم فهو حرام ، وما سکت عنه فهو عفو** . (إسناده حسن ـ أخرجه البيهقى ۱۰/۲۱، وعبد الرزاق ٤/٥٣٤، والحاكم ۲/۳۱۷، سورة الأنعام ، وقال : هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه بهذه السياقة ـ والهيثمى فى مجمع الزوائد ۱/۱۷۱ ، وقال : رواه البزار والطبرانى فى الكبير واسناده حسن ورجاله موثقون).

اس سے معلوم ہوا کہ مسکوت عنہ معاف ہے۔ہاں اس کو شریعت کا درجہ دیا جائے تو بدعت ہے ہمارے علماء دیو بند تیجہ، برسی، چہلم اور وفات کے بعد کے رسوم کو اس لئے منع کرتے ہیں کہ اس کو شریعت کا درجہ دے کر مقصود سمجھا جاتا ہے۔مجالس ذکر اور ان کے مخصوص طرق کو کوئی بھی شریعت اور مقصد کا درجہ نہیں دیتا، بلکہ بعض صوفیہ نے ایک طریق کو سالک کی اصلاح میں مفید پا کر اختیار کیا اور بعض نے دوسرے طریق کو، کسی نے جہر کو، کسی نے اخفاء کو، کسی نے ضرب کے ساتھ بارہ تسبیح کو، یہ طرق ایسے ہیں جیسے جہاد جو مقصود ہے اور اس کے لئے مختلف طریقے مثلاً تلوار، بندوق، ٹینگ، ہوائی جہاز سب کو اختیار کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ شریعت نہیں، بلکہ وسائل ومصالح ہیں ۔اسی طرح مدارس کا نصاب اور چھٹیاں وغیرہ۔ان کا شمار مقاصد میں نہیں۔اگر چہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ سے ثابت نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: **من احدث فی امرناهذا ما لیس منه فهو رد** . (متفق علیه ، مشکوٰۃ ۱/۲۷).

احداث فی الدین منع ہے۔

حاصل یہ ہے کہ غیر دین کو دین سمجھنا بدعت ہے اور متروک کو شریعت اور سنت کا درجہ دینا بھی بدعت ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ بقرہ عید کے ایام میں بازاروں میں گھومتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر پڑھتے تھے، لیکن چونکہ اس کو شریعت کا درجہ نہیں دیتے تھے لہٰذا بدعت میں شمار نہیں۔درج ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں:

وکان ابن عمر وأبو هريرة يخرجان الى السوق فى الأيام العشر يكبران ويكبر الناس بتكبيرهما . (رواه البخارى تعليقا ۱/۱۳۲).

نیز ایک صحابی ہر رکعت میں قل ہو اللہ احد سورہ فاتحہ کے بعد سورت سے پہلے پڑھتے تھے۔ان کے مصلیوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی شکایت کی، کیونکہ یہ عمل رسول اللہ ﷺ کا متروک عمل تھا، کبھی آنحضرت ﷺ نے سورہ اخلاص ہر سورت سے پہلے نہیں پڑھی۔تو آنحضرت ﷺ نے ان کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ ایسا عمل کیوں کرتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ مجھے اس سورت سے محبت ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا اس سورت کی محبت آپ کو جنت میں داخل کردیگی۔

حدیث کے الفاظ وشرح ملاحظہ ہوں:

عن أنس رضی اللہ عنہ كان رجل يؤمهم فى مسجد قباء وكان كلما افتتح سورة يقرأ بها لهم فى الصلاة مما يقرأ به افتتح بقل هو الله احد حتى يفرغ منها ثم يقرأ بسورة اخرى معها وكان يصنع ذلك فى كل ركعة فكلمه أصحابه وقالوا انك تفتتح بهذه السوة ثم لا نرى إنها تجزئك حتى تقرء بأخرى فاما تقرء بها واما ان تدعها وتقرء بأخرى فقال: ما انا بتاركها ان احببتم ان أؤمكم بذلك فعلت وان كرهتم تركتكم وكانوا يرون انه من افضلهم وكرهوا ان يؤمهم غيره فلما اتاهم النبى ﷺ اخبروه الخبر فقال يا فلان ما يمنعك ان تفعل ما يأمرك به

أصحابک وما یحملک علی لزوم ھذہ السورۃ فی کل رکعۃ فقال انی احبھا قال حبک ایاھا ادخلک الجنۃ . (رواہ البخاری:۱/۱۰۷).

قال العلامۃ العینی فی شرح ھذا الحدیث : فکأنہ قال أقرء ھا لمحبتی لھا وأقرء سورۃ اخری اقامۃ للسنۃ کما ھو المعھود فی الصلاۃ". (عمدۃ القاری:٤/٤٩١).

مطلب یہ ہے کہ قل ہواللہ احد محبت کی وجہ سے پڑھتے تھے نہ کہ سنت ہونے کی وجہ سے۔اور بعد میں سورت اس وجہ سے پڑھتے تھے کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے۔اس حدیث نے علم کا بہت بڑادروازہ ہمارے لئے کھول دیا وہ یہ کہ اگر ہم آپ ﷺ کا کوئی متروک عمل سنت سمجھ کر معمول بنادیں تو یہ قابل اشکال اور بدعت ہے اور اگر کسی عمل کو مصلحت یا محبت یا کسی اور وجہ سے اختیار کریں تو یہ بدعت نہیں۔حدیث کے الفاظ بار بار پڑھئے اور اس نکتہ کو سمجھئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حج کے تلبیہ میں **لبیک اللھم لبیک** کے بعد **سعدیک والخیر بیدیک لبیک والرغباء الیک والعمل**. (رواہ مسلم ۱/۳۷٥، باب التلبیۃ، والترمذی ۱/٦۹، وابن ماجۃ ۱/۲۰۹، والبیھقی فی الکبری ٥/٤٤، ومالك فی المؤطا ۱/۳۳۱، والنسائی فی الکبری ۲/۳٥۳، وابن جارود فی المنتقی ۱/۱۱٤).

اضافہ فرماتے تھے، لیکن اس اضافہ کو سنت سمجھ کر دوسروں کو اس کی تلقین نہیں کرتے تھے لہٰذا یہ بدعت نہیں۔

امام بخاریؒ ہر حدیث درج کرنے سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نفل پڑھتے تھے، مقدمۃ جامع المسانید والسنن میں ہے:

کان (البخاری) لا یصنف حدیثاً الا بعد ان یغتسل ویصلی رکعتین ثم یستخیر اللہ تعالی فی وضعہ . (مقدمۃ جامع المسانید والسنن

،ص٥٦ ـ ارشاد الساری ١ /٤٤ـ ارشاد القاری ١ /٥٥، سيرة البخاری ،ص١٥٩).

امام ابوحنیفہؒ فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے تھے۔

مقدمہ نورالایضاح میں ہے:

وروى الخطيب عن حماد بن يوسف قال سمعت اسد بن عمرو يقول صلى ابو حنيفة فى ما حفظ عليه صلاة الفجر بوضوء العشاء اربعين سنة وكان عامة الليل يقرأ جميع القران فى ركعة واحدة حفظه أنه ختم القران فى الموضع الذى توفى فيه سبعين الف مرة .

(مقدمة نور الايضاح ،ص٤ ـ سيرة النعمان ،ص٥٤).

ان سب امور کو شریعت کا درجہ نہیں دیا گیا، بلکہ محبت کا درجہ دیا گیا لہٰذا یہ بدعت نہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اشکال: یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی رسول اللہ ﷺ کے ترک یا کسی کام نہ کرنے سے بعض افعال کے بدعت ہونے پر استدلال کرتے ہیں مثلاً: عید سے پہلے نفل نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ آپ ﷺ نے نہیں پڑھی۔

ہدایہ میں ہے:

ولا يتنفل فى المصلى قبل العيد لان النبى ﷺ لم يفعل ذلك مع حرصه على الصلاة. (هداية ١ /١٧٣).

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ودليل الكراهة ما فى الكتب الستة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبى ﷺ خرج فصلى بهم العيد لم يصل قبلها ولا بعدها. (بحر الرائق ٢ /١٦٠).

الجواب: شیخ ابوالفضل عبداللہ بن محمد بن الصدیق الغماری نے اس کے جواب

میں جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی کام نہ کرنا دلیل بدعت نہیں ہاں عبادات میں **السکوت فی موضع البیان حصر** کا قاعدہ جاری ہوتا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے عید کے احکام اور آداب قولا اور فعلا بیان کئے اور نفل کو قولا وفعلا بیان نہیں فرمایا تو یہ حصر اور نوافل کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔(حسن التفہم والدرک لمسائلۃ الترک ص ۲۴۔ یاد رہے کہ اس رسالہ کے تمام مندرجات سے ہمارا اتفاق نہیں۔)

یا اذان کے آخر میں لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا بیان نہ کرنا اس کے نہ ہونے کی دلیل ہے یا عصر کی چار رکعت چار سے زائد نہ ہونے کی دلیل ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی چیز یا کسی کام کی طرف رغبت شرعی یا طبعی ہونے کے باوجود اس کو ترک کرنا کراہت کی دلیل ہے جبکہ بظاہر کوئی رکاوٹ و مانع نہیں مثلاً آپ ﷺ اشراق اور چاشت کی نماز پڑھتے تھے۔

اشراق کی نماز کا ثبوت:

ابن ماجہ میں ہے:

حدثنا علی بن محمد قال حدثنا وکیع قال حدثنا سفیان وأبی واسرائیل عن أبی اسحاق عن عاصم بن حمزة السلولی قال : سألنا علیا عن تطوع رسول الله ﷺ بالنهار فقال انکم لا تطیقونه فقلنا أخبرنا به نأخذ منه ما استطعنا قال : کان رسول الله ﷺ اذا صلی الفجر یمهل حتی اذا کانت الشمس من ههنا یعنی من قبل المشرق بمقدارها من صلاة العصر من ههنا یعنی من قبل المغرب قام فصلی رکعتین ثم یمهل حتی اذا کانت الشمس من ههنا یعنی من قبل المشرق بمقدارها من صلاة الظهر من ههنا قام فصلی اربعا ". الحدیث .

قال الدکتور بشار عواد فی تعلیقه علی ابن ماجة اسناده حسن ، ثم قال : ما حاصله أن عاصم ابن حمزة فی اسناده وثقه ابن المدینی

والعجلی وابن سعد والترمذی لکن قال فیه ابن حبان کان ردی الحفظ فاحش الخطأ یرفع عن علی قوله کثیرا ، ثم قال وانما قلنا بحسن الحدیث لأن حبیب بن ثابت قال فی آخر الحدیث : یا ابا اسحاق ما احب أن لی بحدیثک هذا ملأ مسجدک هذا ذهبا مما یشیر الی قوته. (ابن ماجة ۲/۳٤٦).

چاشت کی نماز کا ثبوت:

مسلم شریف میں ہے:

عن معاذة أنها سألت عائشة رضی الله عنها کم کان رسول الله ﷺ یصلی صلاة الضحی قالت أربع رکعات ویزید ما شاء . (رواه مسلم، رقم ۷۱۹-).

عن أبی سعید الخدری رضی الله عنه قال کان نبی الله ﷺ یصلی الضحی حتی نقول لا یدع ویدعها حتی نقول لا یصلی". (رواه الترمذی، رقم ٤۷۷- جمع الفوائد ۱/۳٦۳- وعلی هامشه: أخرجه :أحمد، رقم ۱۰۷۷۱).

عن علیؓ أن رسول الله ﷺ کان یصلی من الضحی . (أحمد، رقم ٦۸٤، والموصلی - قال الهیثمی (۳٤۰٤): رواه احمد وأبو یعلی إلا أنه قال: کان یصلی الضحی . رجال أحمد ثقات . أخرجه الترمذی، رقم ۵۹۸ ، والنسائی، رقم ۸۷۵، وابن ماجة رقم ۱۱٦۱ -جمع الفوائد ۱/۳٦٤ مع الحاشیة).

اور عید کے دن نہیں پڑھی یہ اس کی کراہت کی دلیل ہے یا ہمیشہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا جملہ ہوتا تھا اور اذان کے آخر میں نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل ہے یا جمعہ کے لئے اذان کا ہونا اور عیدین کے لئے نہ ہونا یا گوشت طبعاً مرغوب تھا پھر بھی ضب (گوہ) نہ کھانا کراہت کی دلیل ہے۔

اس علت کی طرف صاحب ہدایہ نے لم یفعل ذلک مع حرصه علی

الصلوٰۃ میں اشارہ فرمایا ورنہ اگر صاحب ہدایہ عدم فعل کو بدعت اور کراہت کی دلیل مانتے تو نماز سے پہلے تلفظ بالنیۃ کو کیوں حسن یعنی مستحب فرماتے **ویحسن ذلک لاجتماع عزیمته.** (الهداية ١/٩٦، باب شروط الصلوٰة) جبکہ تلفظ بالنیۃ نماز سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کے کرنے کا مقتضی وسبب موجود ہوتے ہوئے پھر بھی نہ کرنا کراہت کی دلیل ہے۔

شیخ غماری لکھتے ہیں:

قسم العلماء ترک النبی ﷺ لشئ ما علی نوعین نوع لم یوجد ما یقتضیه فی عهده ثم حدث له مقتضی بعده فهذا جائزعلی الأصل وقسم ترکه النبی ﷺ مع وجود المقتضی لفعله فی عهده وهذا الترک یقتضی مع المتروک ومثل ابن تیمیة لذلک بالاذان بصلوٰة العیدین فمثل هذا الفعل ترکه النبی ﷺ مع وجود ما یقتضی لانه امر بالاذان للجمعة وصلی العیدین بلا اذان ولا اقامة دل ترکه علی ان ترکه سنة فلیس لاحد ان یزید فیه وذهب الیه الشاطبی وابن حجر الهیثمی . انتهی ملخصا .(حسن التفهم والدرك، ٢٤).

(۲) نیز عبد اللہ بن مسعود کا فرمانا احتیاط اور سد باب کے طور پر تھا تاکہ لوگ اس کو مسجد کے اعمال میں سے اور خاص خاص تعداد کو اور طریقہ کو سنت سمجھ کر بدعت شروع نہ کردیں۔ اور اس کا واضح قرینہ سنن دارمی کی روایت ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: **او مفتتحوا باب ضلالة** یعنی گمراہی کا دروازہ کھل سکتا تھا اس لئے پہلے ہی سے اس کو ختم کردیا۔ (اور جس روایت میں بدعۃ ظلماء کا لفظ آیا ہے وہ روایت منقطع ہے۔) پھر جب لوگوں کو معلوم ہوگیا تو اب درست ہے شریعت میں اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں چند ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) زیارت قبور سے آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا بعد میں اجازت دیدی۔
ترمذی شریف کی روایت ہے:

عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال قال رسول الله ﷺ قد كنت نهيتكم عن زيارة القبول فقد اذن لمحمد فى زيارة قبر امه فزوروها فانها تذكر الآخرة ". (ترمذی شریف ۱/۲۰۳).

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمتع کرنے سے منع فرمایا تھا اور وجہ یہ تھی کہ بیت اللہ خالی نہ رہے ہمیشہ آباد رہے پھر جب مقصود حاصل ہوگیا تو اب بلا اختلاف تمتع جائز ہے کوئی منع نہیں کرتا۔
مسلم شریف کی روایت ہے:

عن أبى نضرة قال كنت عند جابر بن عبد اللّٰه فاتاه آت فقال ابن عباس وابن الزبير اختلفا فى المتعتين فقال جابر فعلنا هما مع رسول الله ﷺ ثم نهانا عنهما عمر فلم نعد لهما".(مسلم شریف ۱/۴۰۸).

(۳) جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمایا تا کہ حرمت اچھی طرح دلوں میں بیٹھ جائے پھر مقصد حاصل ہوگیا تو برتنوں کے استعمال کی اجازت مرحمت فرمائی۔
بخاری شریف کی روایت ہے:

باب ترخيص النبى ﷺ فى الأوعية والظروف بعد النهى حدثنا يوسف بن موسى الى قوله - عن جابر قال نهى رسول الله ﷺ عن الظروف فقالت الانصار انه لا بدلنا منها قال فلا اذا ". (بخاری شریف ۲/۸۳۷).

(۴) ابتداءً قربانی کا گوشت صرف تین دن کھانے کی اجازت تھی ذخیرہ کرنے

کی اجازت نہ تھی مصلحت کی بناء پر، پھر جب مصلحت پوری ہوگئی تو اب اجازت ہے تین دن کے بعد کھانے کی بھی اور ذخیرہ اندوزی بھی کر سکتے ہیں۔

ابوداود شریف کی روایت ہے:

عن ابن بريدة عن ابيه قال قال رسول اللهﷺ نهيتكم عن ثلاث وانا امركم بهن نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فان في زيارتها تذكرة ونهيتكم عن الأشربة ان لا تشربوا الا في ظروف الإدام فاشربوا في كل وعاء غير أن لا تشربوا مسكرا ونهيتكم عن لحوم الأضاحي ان تاكلوها بعد ثلاث وكلوا واستمتعوا بها في اسفاركم ".(ابو داود شريف ۲/ ۵۰۲).

(۵) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ موت کی خبر دینے سے منع فرماتے تھے تاکہ کہیں حضور اکرم ﷺ کی بیان کردہ ممانعت میں شامل نہ ہوجائے حالانکہ ممانعت کا مطلب زمانہ جاہلیت والی خبر تھی کہ جس میں چیخ وپکار ہوتی تھی اور خاص طریقہ پر اعلان کیا جاتا تھا ورنہ موت کی خبر دینے میں کوئی حرج نہیں آپ ﷺ نے بھی نجاشی کے انتقال کے وقت اور حضرت جعفرؓ، زید بن حارثہؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کے وقت صحابہ کو خبر دی لیکن حضرت حذیفہ احتیاط پر عمل کرتے تھے۔

ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن بلال بن يحيىٰ قال كان حذيفة اذا مات له الميت قال لا تؤذنوا به احدا انى اخاف ان يكون نعيا انى سمعت رسول الله ﷺ بأذني هاتين ينهى عن النعي" (ابن ماجه شريف ،ص۱۰٦).

(۶) عید کے دن لڑکیاں دف بجاتی رہیں آنحضور ﷺ نے منع نہیں فرمایا بلکہ اجازت دی اور ابوبکر صدیقؓ نے منع فرمایا کیونکہ ابوبکرؓ کے نزدیک اس کا قلیل عمل زیادہ غنا کا سبب بنے گا جس میں دوسرے آلات شامل ہوسکتے ہیں۔ اس لئے سد باب کے

لئے منع فرمایا۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عائشةؓ قال دخل علی النبی ﷺ وعندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش وحول وجهه ودخل ابو بکر فانتهرنی و قال مزمارة الشیطان عند النبی ﷺ فأقبل علیه رسول الله ﷺ فقال دعهما فلما غفل غمزتهما خرجتا وکان یوم العید . (رواه البخاری ۱/ ۱۳۰، فی باب الحراب والدرق یوم العید).

(۷) حضرت عبداللہ بن عباسؓ قاتل عمد کو دائمی جہنمی کہتے ہیں یہ سد باب کے لئے تھا، ورنہ ایمان والا اپنے ایمان کی بدولت جنت میں ضرور جائیگا اگر چہ سزا بھگت کر ہی ہو۔

روح المعانی میں ہے:

وشاع القول بنفی التوبة عن ابن عباسؓ وأخرجه غیر واحد عنه وهو محمول علی ما ذکرنا، ویؤید ذلک ما أخرجه ابن حمید و النحاس عن سعید بن عبیدة ان ابن عباسؓ کان یقول : لمن قتل مؤما توبة فجاء ه رجل فسأله ألمن قتل مؤمنا توبة ؟ قال : لا إلا النار فلما قام الرجل قال له جلساؤه : ما کنت هکذا تفتینا کنت تفتینا أن لمن قتل مؤمنا توبة مقبولة فما شأن هذا الیوم ؟ قال : إنی أظنه رجلا مغضبا یرید أن یقتل مؤمنا فبعثوا فی أثره فوجدوه کذلک، وکان هذا أیضا شأن غیره من الأکابر فقد قال سفیان : کان أهل العلم إذا سئلوا قالوا: لا توبة له فاذا ابتلی رجل قالوا له : تب ".(روح المعانی ۵/ ۱۱۶).

(۸) حضرت عمرؓ نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا تا کہ لوگ ہر طرح کے اشعار اور شور شغب اور مقابلہ اور مفاخرہ مسجد میں نہ کیا کریں۔ ورنہ اچھے اشعار جو حمد وثنا

اور حضور ﷺ کی تعریف پر مشتمل ہوں اس کا پڑھنا جائز ہے خود آپ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو مسجد میں اشعار پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

بخاری شریف میں ہے:

عن سعيد بن المسيب قال مر عمر فی المسجد وحسان ينشد فقال كنت انشد فيه وفيه من هو خير منک ثم التفت إلى ابی هريرة فقال انشدک بالله اسمعت رسول الله يقول اجب عنی اللهم ايده بروح القدس قال نعم ".(رواه البخاری ، كتاب بدء الخلق ١/٤٥٦).

(۹) حضرت عمرؓ تبرکات کا انکار کرتے تھے جب ایک شخص نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ والی جگہ میں نماز پڑھتا ہوں تو انھوں نے کہا یہود ونصاریٰ اس عمل کی وجہ سے ہلاک ہوگئے تھے۔

ملاحظہ ہو:

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن المعرور بن سويد قال: كنت مع عمر بين مكة والمدينة فصلى بنا الفجر فقرأ الم تر كيف فعل ربک ولئيلاف قريش ثم رأى اقواما ينزلون فيصلون فی مسجد فسأل عنهم فقالوا : مسجد صلى فيه النبی ﷺ فقال: انما هلک من كان قبلكم انهم اتخذوا آثار انبياء هم بيعا". الخ . (مصنف عبد الرزاق ٢/١١٩) وكذا فی كنز العمال ١٤/١٧٣ـ مشكل الآثار للطحاوی ١٢/٤١٤).

اور شجرہ رضوان جہاں لوگ نماز پڑھتے تھے اس کو کٹوا دیا تھا۔ یا اس لئے کہ وہ معلوم نہیں تھا لوگوں نے ایک درخت کو شجرہ رضوان سمجھا تھا یا فتنہ کے خوف سے۔

ملاحظہ ہو:

فتح الباری میں ہے:

ثـم وجـدت عـند ابن سعد بإسناد صحيح عن نافع ان عمر بلغه ان قوماً يأتون الشجرة فيصلون عندها فتوعدهم، ثم أمر بقطعها فقطعت"۔

(فتح الباری ۷/۴٤۸ ـ طبقات ابن سعد ۲/۷٦ ـ المنتظم ۳/۲۷۲).

حضرت عمرؓ خوف شرک وفتنہ کی وجہ سے اس کا سد باب چاہتے تھے، لیکن صحابہ کرام تبرکات کے قائل تھے اور تبرکات ثابت ہیں۔ چند مثالیں حسب ذیل درج ہیں:

(۱) بخاری شریف میں ہے: حضرت زبیرؓ نے نیزے سے ایک کافر کو قتل کیا تھا تو حضور ﷺ نے اس کو طلب کیا پھر آپ کے بعد دوبارہ حضرت زبیرؓ کے پاس آیا اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے طلب کیا پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہا اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے پاس رہا، اسی طرح چلتا رہا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ نے تبرک حاصل کیا۔

ملاحظہ ہو:

هشام بن عروة عن ابيه قال قال الزبير لقيت يوم بدر عبيدة بن سعيد بن العاص وهو مدجج لا يدرى منه الا عيناه وهو يكنى ابو ذات الكرش فـقـال انـا ابـو ذات الكرش فحملت عليه بالعنزة فطعنته فى عينه فمات ...قـال عـروة فسأله اياها رسول الله ﷺ فـاعطاه فلما قبض رسول الله ﷺ اخـذهـا ثـم طلبها ابو بكر فاعطاه فلما قبض أبو بكر سألها اياه عمر فـأعـطـاه اياها فلما قبض عمر اخذها ثم طلبها عثمان منه فاعطاه اياها . الحديث . (رواه البخاری ۲/۵۷۰).

(۲) عبدالرحمٰن بن رزین اوران کے ساتھیوں نے حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے تبرک حاصل کیا:

ملاحظہ ہو:

الادب المفرد میں ہے:

عـن عـبـد الرحمن بن رزين قال مررنا بالربذة فقيل لنا هاهنا سلمة

ابن الأکوع فاتیته فسلمنا علیه فأخرج یدیه فقال : بایعت بهاتین النبی ﷺ فأخرج کفاله ضخمة کانها کف بعیر فقمنا الیها فقبلناها ". (حسن الاسناد ، رواه البخاری فی الادب المفرد ،ص٢٦٤، رقم ١٠٠٢).

(۳) حضرت ثابتؓ نے حضرت انسؓ سے تبرک حاصل کیا۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن جد عان قال ثابت لانس امسست النبی ﷺ بیدک؟ قال: نعم، فقبلها ". (ضعیف الإسناد ـ فیه جدعان و اسمه علی بن زید وهو ضعیف ـ رواه البخاری فی الأدب المفرد ،ص٢٦٤، رقم١٠٠٣).

(۴) صحابہ کرام نے تبرک حاصل کیا حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے پانی پینے کی جگہ سے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن نافع ان عبد الله بن عمرؓ اخبره ان الناس نزلوا مع رسول الله ﷺ أرض ثمود الحجر فاستقوا من بئرها و اعتجنوا به فأمرهم رسول الله ﷺ ان یهریقوا ما استقوا من بئرها و ان یعلفوا الابل العجین و امرهم ان یستقوا من البئر التی کانت تردها الناقة ".(رواه البخاری ١/٤٧٨).

(۵) ابومحذورہؓ کی پیشانی کے بالوں پر نبی پاک ﷺ کا دست مبارک لگا تھا تو برکت کے لئے پوری زندگی بال نہیں کٹوائے۔

ملاحظہ ہو:

ابو محذورة الجمحی موذن رسول الله ﷺ ، نزل بالشام ، کانت له قصة فی مقدم راسه یرسلها فتبلغ الأرض اذا جلس فقلنا له : لاتحلقها ؟ فقال : ان رسول الله مسح علیها بیده فلست احلقها حتی اموت ، فما حلقها حتی مات.(معرفة الصحابة(٢/٥١٩) فی ترجمة سمرة بن معیر رقم ١٣١٦).

(۶) حضرت عتبان بن مالکؓ نے حصول برکت کے لئے نبی پاک ﷺ کو اپنے گھر

نماز پڑھنے کی دعوت پیش کی تا کہ پھر اس جگہ کو خاص نماز کے لئے متعین کر لیں، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

بخاری شریف میں ہے:

ان عتبان بن مالک وهو من اصحاب رسول الله ممن شهد بدرا من الانصار انه اتى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله قد انكرت بصرى و انا اصلى لقومى ... وَوَدِدتُ يا رسول الله انک تأتينى فتصلى فى بيتى فاتخذه مصلى قال : فقال له رسول الله ﷺ :سأفعل ان شاء الله تعالى قال عتبان : فغدا علىّ رسول الله ﷺ وأبو بكر حين ارتفع النهار فاستاذن رسول الله ﷺ فاذنت له فلم يجلس حين دخل البيت ثم قال :اين تحب ان اصلى من بيتک قال فاشرت له الى ناحية من البيت فقام رسول الله ﷺ فكبر فقمنا فصففنا فصلى ركعتين ثم سلم". الحديث .

(رواه البخارى ١/ ٦٠، باب المساجد فى البيوت).

(۷) حجۃ الوداع کے موقع پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حلق فرمایا اور حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے حصول برکت کے لئے صحابہ کے درمیان بال مبارک تقسیم فرمائے۔

مسلم شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک ؓ قال لما رمى رسول الله ﷺ الجمرة ونحر نسكه وحلق ناول الحالق شقه الأيمن فحلقه ثم دعا ابا طلحة الانصارى فاعطاه اياه ثم ناوله الشق الايسر فقال احلق فحلقه فاعطاه ابا طلحة فقال اقسمه بين الناس ". (رواه مسلم ١/ ٤٢١) ، باب بيان السنة يوم النحر).

(۸) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تابوت کا ذکر فرمایا ہے اس میں کچھ تبرکات تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیاء کے، بنی اسرائیل اس صندوق کو لڑائی میں آگے

رکھتے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے فتح دیتا۔(معارف القرآن ۱/۶۰۶).

رواح المعانی میں ہے:

وعن ابی جعفرؓ انہ قال : التابوت الذی انزل علی ام موسی فوضعتہ فیہ والقتہ فی البحر وکان عند بنی اسرائیل یتبرکون بہ".

(روح المعانی ۲/۱۹۸).

یعنی بنی اسرائیل اس تابوت سے تبرک حاصل کرتے تھے۔اوراس صندوق میں انبیاء کے تبرکات تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وبقیۃ مما ترک آل موسی وآل ھرون**﴾.(سورۃ البقرۃ، الآیۃ: ۲۴۸).

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منع کرنا ذکر جہری سے منع کرنا نہ تھا۔ذکر جہری کا کسی روایت میں ذکر نہیں۔ہاں دارمی کی روایت میں **یکبر فیکبرون** کا لفظ آتا ہے لیکن اس سے جہر مستفاد نہیں ہوتا بلکہ تلقین کے بعد جب لوگ کچھ پڑھنے لگے تو راوی سمجھے کہ تکبیر ہی ہے جیسے **اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد** جب امام **سمع اللہ** پڑھے تو مقتدی **ربنا لک الحمد** پڑھتا ہے اگرچہ جہراً نہیں لہٰذا اس اثر پر اگر عمل کرنا ہو تو چاروں سلسلوں کے جو بھی اعمال مسجد میں ہونگے وہ اس روایت کے تحت بدعت ہوں گے اور درست نہیں ہوں گے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں چاروں سلسلوں والے برابر اپنے اعمال مسجد میں کرتے ہیں تو پھر ایک خاص جماعت کو روکنا کیسے صحیح ہوگا ؟ حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت میں جہر بالذکر کا کوئی تذکرہ ہی نہیں مسجد میں پڑھنے والوں سے جہر ثابت نہیں جو ایک آدمی کہتا تھا اتنی مرتبہ سبحانہ اللہ پڑھو وہ تلقین وتذکیر کے لئے تھا۔

حضرت ابن مسعودؓ کو شمار کرنے پر اشکال تھا۔ **کان عبد اللّٰہ یکرہ العدّ ویقول: أیمن علی اللہ حسناتہ** . (مصنف بن ابی شیبۃ:۵/۲۲۰).

اور یہ ان کی خاص رائے تھی۔

آخر حرم محترم میں بھی عید کے دن صلوٰۃ فجر سے اشراق تک موذن **الله اكبر كبيرا سبحان الله بكرة و اصيلا** بلند آواز سے پڑھتا ہے اور سب لوگ ان کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس پر علماء نکیر نہیں فرماتے، ورنہ یہ عمل تو ابن مسعود کی روایت کی روشنی میں سب سے بہتر مسجد میں بدعت کا عمل ہو جائیگا۔

(۴) بعض مسائل عبداللہ بن مسعود کی خاص آراء میں شامل ہیں۔ ملاحظہ ہو:

اوجز المسالک میں ہے:

وفي رواية أن المنصور قال: ضع هذا العلم و دوّن كتابا وجنّب فيه شدائد ابن عمر و رخص ابن عباس و شواذ ابن مسعود رضى الله عنهم واقصد أوسط الأمور، وما أجمع عليه الصحابة والأئمة. (أوجز المسالك: ۱/۹۲، الفصل الثانی فی المؤلف، دارالقلم، دمشق).

یعنی خلیفہ منصور نے امام مالکؒ سے کہا کہ ایک کتاب لکھو اور اس میں عبداللہ بن عمرؓ کی سختیوں سے، عبداللہ بن عباسؓ کی رخصتوں سے اور عبداللہ بن مسعودؓ کے شذوذ سے بچنا اور میانہ روی اختیار کرنا اور جس پر صحابہ اور ائمہ کا اجماع ہو اس کو اختیار کرنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شذوذ تھے۔

لہٰذا عبداللہ بن مسعود کے ہر بیان کردہ مسئلہ کو قانون سمجھنا درست نہیں۔

(۱) وہ رکوع میں تشبیک کیا کرتے تھے۔

(۲) دو مقتدیوں کے درمیان میں کھڑے رہتے تھے۔

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن ابراهيم عن علقمة والاسود انهما دخلا على عبد الله فقال اصلى هؤلاء خلفكم فقالا نعم فقام بينهما وجعل احدهما عن يمينه والآخر عن شماله ثم ركعنا فوضعنا أيدينا على ركبتنا فضرب أيدينا

فطبق ثم طبق بيديه نجعلهما بين فخذيه فلما صلى قال هكذا فعل النبی ﷺ.(شرح معانی الآثار ١/١٦٥).

حالانکہ تشبیک منسوخ ہے، اور امام کو دو مقتدیوں کے آگے ہونا چاہئے۔

تشبیک کے منسوخ ہونے کے دلائل:

شرح معانی الآ ثار میں ہے:

عن ابی یعفور قال سمعت مصیب بن سعد یقول صلیت الی جنب ابی فجعلت یدی بین رکبتی فضربیدی فقال یا بنی انا کنا نفعل هذا فأمرنا ان نضرب الاکف علی الرکب .

عن مصعب بن سعد قال صلیت مع سعد فلما أردت الرکوع طبقت فنهانی عنه وقال کنا نفعل حتی نهینا عنه".

قال الامام طحاوی رحمه الله تعالی فقد ثبت بما ذکر نا نسخ التطبیق و انه کان متقدما لما فعله رسول الله ﷺ من وضع الیدین علی الرکبتین.(شرح معانی الآثار ١/١٦٦).

امام کے آگے ہونے کی دلیل:

بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک ان جدته ملیکة دعت رسول الله ﷺ لطعام صنعته له فأکل منه ثم قال قوموا فلا صلی لکم قال انس فقمت الی حصیر لنا قد اسود من طول ما لبس فنضحته بماء فقام رسول الله ﷺ وصففت والیتیم ورواءه والعجوز من ورائنا فصلی رسول الله ﷺ رکعتین ثم انصرف "(بخاری شریف ١/٥٥، باب الصلاة علی الحصیر).

(۳) نیز والذکروالانثی کی قرات پڑھتے تھے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن ابراهيم قال قدم اصحاب عبد الله على ابى الدرداء فطلبهم فوجدهم فقال ايكم يقرأ على قرائة عبد الله قال كلنا قال فايكم احفظ فاشاروا الى علقمة قال كيف سمعته يقرأ والليل اذا يغشى قال علقمة والذكر والانثى ". الحديث . حالانکہ " **وما خلق الذكر والانثى** " ہے۔

(بخاری شریف ۷۳۷/۲).

(۴) جنبی کے لئے تیمّم کے قائل نہیں تھے حالانکہ وہ تیمّم کرے گا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن شقيق قال كنت جالسا مع عبد الله وابى موسى فقال ابوموسى يا أبا عبد الرحمن ارايت لو ان رجلا اجنب فلم يجد الماء شهرا كيف يصنع بالصلوٰة فقال عبد الله لا يتيمم وان لم يجد الماء شهرا " الحديث. (مصنف ابن ابی شیبة ۱۵۷/۱).

حضرت ابن مسعودؓ کا یہ منع کرنا ایسا تھا جیسے حضرت ابوذرؓ مال جمع کرنے سے منع فرماتے تھے جو ان کا خاص مزاج تھا اس لئے لوگ کسی کے پاس مال دیکھتے تھے تو حضرت ابوذرؓ کو متوجہ کراتے تھے اور وہ پھر خوب ان کی خبر لیتے تھے۔

بخاری شریف میں: **ان الاحنف بن قيس حدثهم قال جلست الى ملاء من قريش فجاء رجل خشن الشعر والثياب والهيأة حتى قام عليهم فسلم ثم قال بشر الكانزين برضف يحمى عليه فى نار جهنم ثم يوضع على حلمة ثدى احدهم حتى يخرج من نفض كتفه ويوضع على نفض كتفه حتى يخرج من حلمة ثديه يتزلزل ثم ولى فجلس الى سارية و تبعته وجلست اليه وانا لا ادرى من هو فقلت له لا ارى القوم الا قد كرهوا الذى قلت. قال : انهم لا يعقلون شيئا، قال لى خليلى: قال :قلت :ومن خليلك تعنى، قال النبى ﷺ : يا ابا ذر اتبصر أحدا قال**

فنظرت الی الشمس ما بقی من النهار وانا اری ان رسول الله ﷺ یرسلنی فی حاجة له قلت نعم قال ما احب ان لی مثل احد ذهب انفقه کله الا ثلثة دنانیر وان هولاء لا یعقلون انما یجمعون الدنیا ولا والله لا اسألهم دنیا ولا استفتیهم عن دین حتی القی الله ". (رواه البخاری ۱/۱۸۹، باب ما ادی زکاته فلیس بکنز).

اسی طرح ابن مسعودؓ کا مزاج بنا تھا کہ مسجد میں ایسا اجتماعی عمل نہ کیا جائے جس کو بعد والے سنت کا درجہ دیں اس لئے دارمی اور طبرانی وغیرہ کے آثار میں مختلف روایات میں اس عمل کو روکنے کے لئے ابن مسعودؓ کو بلایا گیا۔

پانچواں اعتراض:

ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوۃ میں فرمایا:

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام ". (مرقات شرح مشکوة ۱۰/۱۷۱).

بعض علماء نے فرمایا کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے۔

الجواب (۱): خود ملا علی قاری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں ذکر کرنا بلند آواز سے مستحب ہے مرقات میں دوسری جگہ نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال القاری عند شرح الحدیث ناقلا عن المظهر هذا یدل علی جواز الذکر برفع الصوت بل علی الاستحباب اذا اجتنب الریاء اظهارا للدین وتعلیما للسامعین وایقاظالهم من الغفلة وایصالا لبرکة الذکر الی مقدار ما یبلغ الصوت الیه من الحیوان والشجر والمدر وطلبا لاقتداء الغیر بالخیر ولیشهد له کل رطب ویابس وبعض المشائخ یختارون اخفاء الذکر لانه ابعد من الریاء وهذا متعلق بالنیة انتهی "

(مرقات شرح مشکوۃ ۳/۱۷۲، فوائد الذکر بالجھر).

احسن الفتاوی میں ہے:

ولا یخفی ان سکوت علی القاری عن الرد علی المظھر وتقریرہ علیہ مع کون دأبہ فی جمیع تصانیفہ الرد علی خلافہ یدل علی انہ أیضا من مجوزیہ والیہ یمیل بعض عباراتہ فی شرح الحصن الحصین وان کان بعض عبارتہ فی مواضع آخر من ذلک یأبی عنہ " .(احسن الفتاوی: ۹/۲۱۰).

خلاصہ: ملاعلی قاری نے مظہر سے نقل فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ ریاء سے بچے کیونکہ ذکر جہری میں بہت سارے فوائد ہیں:

(۱) دین کا اظہار ہے۔

(۲) سننے والوں کو تعلیم ہے۔

(۳) سننے والوں کو غفلت سے بیدار کرنا ہے۔

(۴) جانور اور درخت وغیرہ جہاں تک اس کی آواز پہنچے وہاں تک ذکر کی برکت پہنچتی ہے۔

(۵) دوسرے کو خیر کی دعوت دینے کے لئے۔

(۶) تاکہ ہر تر و خشک چیز اس کی گواہی دے۔

مرقات میں دوسری جگہ مذکور ہے:

(قالوا وما ریاض الجنۃ ؟ قال حلق الذکر)

قیل ھذا الحدیث مطلق فی المکان والذکر فیحمل علی المقید المذکور فی باب المساجد والذکر ھو سبحان اللہ والحمد للہ الخ".

(مرقات شرح مشکوۃ ٥/٦٤).

مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث جگہ میں مطلق ہے کہ ذکر کے حلقے کہاں لگنے چاہئیے تو مطلق کو مقید پر یعنی مساجد میں ذکر کے حلقے جس میں اللہ تعالی کی پا کی بیان کی جائے اور اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان کی جائے اس پر محمول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ملا علی قاری کا خود اپنا رجحان بھی ذکر کی مجالس کے استحباب پر ہے نیز بلند آواز سے ذکر کے جواز پر بلکہ استحباب پر ہے اور وہاں صرف بعض علماء کا قول بیان کرنا مقصود تھا کہ بعض حرام کہتے ہیں ورنہ اکثریت تو استحباب پر ہے۔

والله تعالى أعلم بالصواب.

ذکر مفرد پراعتراضات

اوران کے جوابات

پہلا اعتراض:۔

صرف اِلا اللہ کے ذکر پر بعض کا اعتراض ہے کہ مستثنیٰ بدون مستثنیٰ منہ اور عامل کے عبارت بے معنی ہے۔ایسا ذکر بے معنی نہ معتد بہ ہے نہ موجب اجر۔پس عبث ہوا۔پھر کیوں اختیار کیا گیا؟

الجواب (۱): حضوراقدس ﷺ کا فتح مکہ کے موقع پر خطبہ میں یہ ارشاد فرمانا کہ اس کیگھاس نہ کاٹی جائے اس پر حضرت عباسؓ کا یہ عرض کرنا کہ **یا رسول اللہ إلا الإذخر** اس پر حضوراقدس ﷺ کا ارشاد فرمانا **إلا الاذخر** (متفق علیه ، مشکوۃ ۱/۲۳۸) اس سے جواز حذف عامل و مستثنیٰ منہ کا وقت قیام قرینہ کے معلوم ہوتا ہے۔پس **الا اللہ** میں بھی اس قرینہ سے کہ اس سے قبل **لا الہ الا اللہ** کا ذکر ہو چکا ہے۔یا بقرینہ عقیدہ ذاکر کے مستثنیٰ منہ عامل محذوف کر دیا تو کیا حرج ہے؟

الجواب (۲): اس سے قبل جو **لا الہ الا اللہ** کہا گیا اس میں صرف **الا اللہ** کو مکرر لایا گیا اس کا عامل اور مستثنیٰ منہ ہر بار مراد ہوگا اور تاکید کے لئے جو تکرار کیا جاتا ہے کوئی دلیل اس کی تحدید پر قائم نہیں جس قدر اہتمام ہوگا اتنا تکرار مستحسن ہوگا چنانچہ بعض روایات میں بعض مضامین کی نسبت ہے **ما زال یکررھا حتی قلنا لیتَه سکت** (متفق علیه ، ریاض الصالحین ،ص۶۷۶) **أو نحو** (یعنی حضوراقدس ﷺ بار بار

کہتے رہے یہاں تک کہ ہمارا جی چاہتا حضور خاموش رہتے۔

احادیث میں کثرت سے اس کی نظائر موجود ہیں:۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ایک آدمی کے قتل کرنے کے قصہ میں جس کو انھوں نے منافق سمجھ کر قتل کر دیا تھا حضور اقدس ﷺ کا بار بار فرمانا کہ قیامت میں جب وہ **لا الہ الا اللہ** لائیگا تو اس کا کیا جواب دوگے بار بار اس کو فرمایا (رواہ مسلم، مشکوۃ، ص ۲۹۹).

دونوں جوابوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے جواب میں مستثنیٰ منہ یعنی **لا الہ** بار بار مقدر ہوگا اور دوسرے جواب میں ایک مرتبہ مستثنیٰ منہ مقدر اور بعد میں **الا اللہ** جو مستثنیٰ ہے اس کی تکرار اہتمام اور مقصود ہونے کی وجہ سے ہوگی۔

مشکوۃ شریف میں ہے:

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک اور بات بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالی اپنے بندے کے سو درجے بلند فرمادیگا اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے، صحابی نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے اے اللہ کے رسول؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: **الجھاد فی سبیل اللہ الجھاد فی سبیل اللہ الجھاد فی سبیل اللہ** (رواہ مسلم، مشکوۃ ۲/۳۳٤، کتاب الجھاد) سینکڑوں حدیثیں کتب حدیث میں موجود ہیں جو حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر مخفی نہیں ہیں جن میں ایک ہی لفظ کا تکرار کیا گیا ہے۔(مجالس ذکر، ص۱۰٦-۱۰۷، بحوالہ التکشف، ص ۷۰۲).

دوسرا اعتراض:۔

لفظ اللہ اللہ پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ صرف اللہ اللہ کہنا لفظ مفرد ہے اس لئے نہ کسی معنی خبری کو مفید ہے نہ معنی انشائی کو پھر اس ذکر بے معنی سے کیا فائدہ؟ حافظ ابن تیمیہؒ ذکر مفرد کو بدعت کہتے ہیں: **والذکر بالاسم المفرد مظھراً ومضمراً**

بدعة فی الشرع. (فتاوی ابن تیمیه: ۱۰/۳۹۶).

الجواب(۱) اس کے جواب میں حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری نے اپنے رسالہ "**هل الشيخ ابن تيميةؒ من أهل السنة**"، میں تقریباً دو صفحے تحریر فرمائے ہیں۔اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ذکر مفرد: ﴿**ألا بذكر الله تطمئن القلوب**﴾، ﴿**ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها**﴾، ﴿**قل ادعو الله أو ادعوا الرحمن أياً ما تدعو فله الأسماء الحسنى**﴾ وغیرہ آیات سے ثابت ہے۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی قید یا جملے کا ذکر نہیں، حافظ ابن تیمیہؒ نے دلیل میں وہ جملے ذکر فرمائے ہیں، جو احادیث میں وارد ہیں، جیسے: "**سبحان الله والحمد لله، ولا إله إلا الله**"، اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ان اذکار کے پڑھنے سے یہ کیا لازم آتا ہے کہ ذکر مفرد ممنوع ہو، پھر حافظ ابن تیمیہؒ نے دلیل میں یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ صحابہ کرام سے ذکر مفرد منقول نہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ جب قانون اور اصول سے کوئی چیز ثابت ہو تو خصوصی نقل کی ضرورت نہیں، کیا صحابہ کرام سے امام کے پیچھے تمام نمازوں میں اللہ اکبر سراً یا جہراً ثابت ہے؟ ہرگز ثابت نہیں، لیکن "**إذا كبر فكبروا**" کے قانون کے تحت پڑھنا چاہئے یہی معاملہ ذکر مفرد کا بھی ہے۔(هل الشيخ ابن تيميةمن اهل السنة والجماعة، ص ۴۰ تا ۴۲، بحزف و زيادة).

الجواب (۲): حدیث شریف میں خود اسی افراد کے ساتھ اس نام پاک کو معقول بتایا گیا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایسی حالت ہو جائے گی کہ دنیا میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔

عن أنس ان رسول الله ﷺ قال: لا تقوم الساعة حتى يقال في الأرض الله الله. (رواه مسلم ۱/۸۴، والبيهقى فى شعب الايمان ۲/۴۲۰).

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض اس کا تکرار بھی مشروع ہے اور معنی کچھ خبر اور انشاء میں منحصر نہیں ہے اگر اس سے تبرک و استحضار محض مقصود ہو تو بے معنی اور غیر مفید

کیوں ہوگا؟(مجالس ذکر،ص ۱۰۸،بحوالہ التکشف ص ۲۰۷، بوادر النوادر، ص ۶۹).

تیسرا جواب:۔

عن أبی هریرة قال قال رسول الله ﷺ سبق المفردون قالوا یا رسول الله وما المفردون؟ قال المستهترون فی ذکر الله یضع الذکر عنه اثقالهم فیأتون یوم القیامة خفافا ". (اسناده حسن، رواه الترمذی ۲/ ۲۰۰، قال هذا حدیث حسن غریب، والبیهقی فی شعب الایمان ۲/۴۰۳).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: آگے بڑھ گئے مفرد لوگ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مفرد لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو اللہ کے ذکر کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ یاد اور ذکر ان کا بوجھ اتار دیگا اور وہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے ہو کر آئیں گے۔

فیض القدیر میں ہے:

المستهتر الذی لا یشبه کلامه بکلام العقلاء وقال الحکیم الترمذی الذی نطق عن ربه یشبه کلامه کلام من لم یستعمل عقله". (فیض القدیر ۴/۹۳).

ترجمہ: "المستهتر" وہ شخص ہے کہ جس کا کلام عقلمندوں کے کلام کے مشابہ نہ ہو اور حکیم ترمذیؒ نے فرمایا وہ شخص ہے جو اپنے پروردگار کی جانب سے بات کرے اس کی بات اس شخص کی بات کے مشابہ ہے جو اپنی عقل استعمال نہ کرے۔

وقیل: المفرد المولع . (لسان العرب ۱۵/ ۲۵).

ترجمہ: جو ذکر و تسبیح میں بہت گرویدہ، فریفتہ اور حریص ہو۔

وقیل: الذاکرین الله کثیرا والذاکرات. (صحیح . رواه مسلم فی الصحیح عن امیة ابن بسطام ۲/۳۴۱، والبیهقی فی شعب الایمان ۲/۴۰۲، وکذا احمد فی مسنده ۲/ ۴۱۱، والبغوی فی شرح السنة ۵/۱۸).

وقیل: الذین اھتروا بذکر اللہ (اخرجه البيهقي في شعب الايمان ٢/٤٠٤).

مفرد کے لغوی معنی صرف اور صرف اللہ کا نام لینا ہے جو معانی بیان کئے گئے وہ ذکر مفرد کے ساتھ عادۃ لازم ہے یعنی جس کا کلام عقلاء کی طرح نہیں ہے یا جو بے عقلوں کی طرح اللہ اللہ کی رٹ لگاتا ہے یا جو حریص اور بکثرت ذکر کرتا ہے ظاہر ہے کہ ذکر مفرد مرکب کے مقابلے میں زیادہ کیا جاتا ہے۔

چوتھا جواب:۔

معارف القرآن میں ہے:

واذکر اسم ربک : اس آیت کریمہ میں ذکر اللہ کے حکم کو لفظ اسم کے ساتھ مقید کر کے واذکر اسم ربک فرمایا ہے واذکر ربک نہیں فرمایا اس میں اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ اسم رب یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مطلوب و مامور بہ ہے۔ (مظہری) بعض علماء نے جو صرف اسم ذات اللہ اللہ کے تکرار کو بدعت کہہ دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں۔ (معارف القران ۵۹۴/۸).

پانچواں جواب:۔

یہ بھی توجیہ ہوسکتی ہے کہ حرف ندا محذوف ہو اور حذف ندا شائع اور مشہور ہے یہ ندا شوق اور نام کے ساتھ تلذذ کی وجہ سے ہوئی۔ (مجالس ذکر ص ۱۰۸، بحوالہ التکشف ص ۷۰۲)۔

حذف ندا کی مثالیں:

(۱) یوسف أعرض عن ھذا . (سوره يوسف ، الآية :٢٩، مثال مأخوذ از هداية النحو ،ص٣٨، كافية ،ص٣٤، اوضح المسالك الى الفية ابن مالك ،ص٥٤٦).

(۲) سنفرغ لکم ایھا الثقلان " (سورة الرحمن ، الآية: ٣١، مثال مأخوذ از اوضح المسالك الى الفية ابن مالك ،ص٥٤٦).

(۳) ان ادوا الی عباد اللہ " (سورة الدخان الآية ١٨ ، مثال مأخوذ از اوضح المسالك الى الفية ابن مالك ،ص٥٤٦).

(۴) **ربنا** (مثال مأخوذ از حاشیة الکافیة ،ص ٣٤).

چھٹا جواب:۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کا جواب:

دین سیکھنا سکھانا ضروری ہے اور اس کا نہایت تاکیدی حکم ہے نیز زمانہ نبوی میں صرف صحبت کافی تھی کوئی مستقل انتظام نہیں تھا نہ مدرسے تھے نہ کتابیں تھیں لیکن بعد میں حالات ایسے ہوگئے کہ صحبت اس مقصد کے لئے کافی نہیں رہی بلکہ کتابوں کی اور پھر مدرسوں کی ضرورت پڑ گئی اب اس کا انتظام ہوگیا تو اس کو دین میں اضافہ اور بدعت نہیں کہا جائیگا۔ اسی طرح سلوک کے جن اعمال واشغال پر بدعت کا شبہ ہوتا ہے ان سب کی نوعیت بھی یہی ہے ان میں کوئی چیز بھی مقصد سمجھ کر نہیں کی جاتی بلکہ یہ سب نفس کے تزکیہ اور تخلیہ کے لئے کرایا جاتا ہے جو دین میں مقصد اور مامور بہ ہے۔

اسی طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لئے اور طبیعت میں رقت اور یکسوئی پیدا کرنے کے لئے ضرب کا طریقہ نکالا گیا ہے تو اس میں کسی چیز کو بھی مقصد اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ طریق اپنے اپنے زمانہ کے حالات اور اپنے تجربوں کے مطابق ان چیزوں میں ردو بدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں۔ (مجالس ذکر، ص ۱۱۶-۱۱۸).

تیسرا اعتراض:۔

ذکر کے وقت بعض لوگوں پر وجد طاری ہوجاتا ہے اور بے اختیار ان کی چیخ نکلتی ہے اس کو سلفی حضرات بہت معیوب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو دیوار پر بٹھا کر دیکھ لیں کہ اس پر وجد آتا ہے یا نہیں؟ علامہ ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں وجد کو رد فرمایا ہے لیکن ان کے کلام کا رخ اس وجد کی طرف ہے جس میں کپڑے پھاڑنا اور تالیاں بجانا شور مچانا شامل ہے۔ (تلبیس ابلیس ،ص ٣٤٤-٣٤٧).

نیز علامہ قرطبی نے بھی تفسیر میں اسی وجد کو رد فرمایا چنانچہ سورہ زمر کی تفسیر میں تحریر

فرمایا:

عن أسماء بنت أبي بكر الصديق رضي الله عنهما قالت كان أصحاب النبيﷺ اذا قرىء عليهم القرآن خر أحدهم مغشيا عليه فقالت : أعوذ بالله من الشيطان الرجيم ، وقال سعيد بن عبد الرحمن العجمي : مر ابن عمر برجل من أهل القرآن ساقط فقال: ما بال هذا ؟ قالوا إنه إذا قرىء عليه القرآن وسمع ذكر الله سقط . فقا ل ابن عمر : إنا لنخشى الله وما نسقط، ثم قال إن الشيطان يدخل في جوف أحدهم، ماكان هذا صنيع أصحاب محمد ﷺ ، وقال عمر بن عبد العزيز : ذكر عند ابن سيرين الذين يصرعون إذا قرىء عليهم القرآن ، فقال: بيننا وبينهم أن يقعد أحدهم على ظهر بيت باسطا رجليه ، ثم يقرأ عليه القرآن من أوله إلى آخره فإن رمى بنفسه فهو صادق وقال ابوعمران الجوني : وعظ موسى عليه السلام بني اسرائيل ذات يوم فشق رجل قميصه ، فأوحى الله إلى موسى : قل لصاحب القميص لا يشق قميصه فإني لا أحب المبذرين ، يشرح لي عن قلبه . (تفسير قرطبي ١٥/١٦٢).

جوابِ اول:۔

بلا اختیار وجد کا طاری ہونا کوئی معیوب نہیں ہے سلف صالحین وصحابہ میں واقعات پیش آئے ہیں اوراس کا کوئی انکارنہیں کرسکتا مثلاً حضرت زرارہ بن ابی اوفی نے جب یہ آیت کریمہ پڑھی فاذا نقر في الناقور تو ایسارعب طاری ہوا کہ وفات پاگئے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن بهز بن حكيم قال كان زرارة بن أبي أوفى قاضي البصرة فكان

یؤم بنی قشیر فقرأ یوما فی صلاۃ الصبح فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر خر میتا و کنت فی من احتمله الی داره ‘‘ (رواہ الترمذی ۱/۱۰۰).

(۲) **’’خر موسی صعقا ‘‘** (سورۃ الاعراف ، الآیۃ : ۱٤۳) جب رب کی تجلی ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر گئے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ بے ہوش ہوگئے جب یہ حدیث سنی کہ سب سے پہلے عالم، سخی اور مجاہد کو جہنم میں ڈالا جائیگا۔

ترمذی شریف میں ہے:

ان شفیا الاصبحی حدثه انه دخل المدینة فاذا هو برجل قد اجتمع علیه الناس فقال من هذا فقالوا ابو هریرة فدنوت منه حتی قعدت بین یدیه وهو یحدث الناس فلما سکت وخلا قلت له اسألک بحق وبحق لما حدثتنی حدیثا سمعته من رسول الله ﷺ عقلته وعلمته فقال أبوهریرة افعل لاحدثنک حدیثا حدثنیه رسول الله ﷺ عقلته وعلمته ثم نشغ أبو هریرة نشغة فمکث قلیلا ثم افاق قال لاحدثنک حدیثا حدثنیه رسول الله ﷺ فی هذا البیت ما معنا احد غیری وغیره ثم نشغ أبو هریر ة نشغة شدیدة ثم افاق ومسح وجهه وقال افعل لأحدثنک حدیثا حدثنیه رسول الله ﷺ انا وهو فی هذا البیت ما معنا احد غیری وغیره ثم نشغ أبو هریرة نشغة شدیدة ثم مال خارا علی وجهه فاسندته طویلا ثم افاق فقال حدثنی رسول الله ﷺ ان الله تعالی إذا کان یوم القیامة ینزل الی العباد لیقضی بینهم ‘‘ الحدیث. (رواہ الترمذی ۲/٦۳، باب ماجاء فی الریاء والسمعة وقال الترمذی : هذا حدیث حسن غریب).

ترجمہ: حضرت شفی اصبحی بیان کرتے ہیں کہ وہ مدینہ منورہ آئے تو انھوں نے دیکھا

کہ ایک شخص کے پاس لوگ جمع ہیں پوچھا کہ یہ کون شخص ہے لوگوں نے بتایا یہ تو صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ ہیں پس میں ان کے قریب گیا اوران کے پاس بیٹھ گیا وہ لوگوں کو حدیث بیان کرتے تھے جب وہ خاموش ہوئے اور تنہا ہوئے تو میں نے ان سے عرض کیا میں آپ سے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں البتہ آپ مجھے حدیث بیان کریں جو حدیث آپ نے حضور اکرم ﷺ سے سنی ہو آپ نے اس کو سمجھا ہو اور جانا ہو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا میں ضرور حدیث بیان کروں گا جو حدیث آپ ﷺ نے مجھ سے بیان کی تھی اور میں نے اس کو سمجھا اور جانا ہے پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے ۔پھر تھوڑی دیر بعد افاقہ ہوا تو فرمایا کہ میں ضرور حدیث بیان کروں گا جو حدیث مجھے رسول اللہؐ نے بیان کی تھی اس گھر میں، ہمارے ساتھ میرے اوران کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہ تھا۔پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے سخت چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے پھر افاقہ ہوا اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا میں ضرور آپ کو حدیث بیان کروں گا جو حدیث مجھے آپ ﷺ نے بیان کی تھی اور ہم اس گھر میں تھے ہمارے ساتھ میرے اور حضور اکرم ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے پھر چہرے کی طرف مائل ہو کر گر گئے تو میں نے کافی دیر تک ان کو سہارا دیا پھر افاقہ ہوا تو فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان کی تھی کہ بے شک اللہ تعالی قیامت کے دن بندوں کی طرف نزول فرمائیں گے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔الخ

باقی یہ بات کہ اگر ان کو دیوار پر بٹھا دیں تو کیوں وجد نہیں آتا تو یہ بات حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت موسی علیہ السلام کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے کہ نازک جگہ پر بیٹھ کر کیوں حالت متغیر نہیں ہوتی ؟

تحقیقی جواب: یہ ہے کہ ولی کو وجد تب آتا ہے جب اللہ کا خوف اور عظمت غالب ہو جائے اور کامل توجہ ہو جب کسی نازک شاخ پر بیٹھا ہو تو اس وقت کامل توجہ کہاں ہوگی اس وقت تو بشریت کے تقاضا کی وجہ سے دنیوی مصیبت سے نجات کی فکر ہوتی ہے

لہذا وجد نہیں آتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ کی تجلی کے وقت بے ہوشی طاری ہوئی لیکن جب پہلی مرتبہ لاٹھی سانپ بن گئی تو بے ہوشی طاری نہیں ہوئی بلکہ خوف زدہ ہو گئے۔

حاصل یہ کہ خوف مع العظمت ہو جس کو خشیت کہتے ہیں تو وجد آ سکتا ہے صرف خوف کے وقت وجد نہیں آتا۔

سلسلہ قادریہ میں ذکر ''ھُوْ'' ''یَاھُوْ'' پر اشکال اور جواب

اشکال: سلسلہ قادریہ کے بعض حضرات ''ھُوْ'' ''یَاھُوْ'' والے ذکر پر اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ''ھو'' کہاں ہے، تو یہ ذکر کیوں کیا جاتا ہے؟

الجواب: یہ ذکر اس سلسلہ کے اکابر سے منقول ہے اور قرآنِ کریم میں اس کی طرف اشارات موجود ہیں: ﴿**قل هو اللّٰه أحد**﴾، ﴿**اللّٰه لا إله إلا هو**﴾، ﴿**هو السميع العليم**﴾، ﴿**إنه هو التواب الرحيم**﴾، ﴿**هو الذی خلق لكم ما فی الأرض جميعاً**﴾ اور دیگر آیات میں ''ھُوَ'' میں اس کی طرف اشارات موجود ہیں کہ یہ لفظ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے بلکہ صوفیہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ اصل میں ''ھو'' پھر بعض کہتے ہیں کہ ''ھو'' میں لام کا اضافہ تملیک کے لیے کیا گیا اور الف لام کو تعریف وتعظیم کے لیے لایا گیا اور آخر میں واو کے حذف کرنے کے بعد لام اور ھاء کے درمیان الف کو لایا گیا تاکہ مدِ صوت حاصل ہو جائے کیونکہ دعاؤں میں اور مصیبتوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے اور پکارنے میں مدِ صوت یعنی الف معاون ہے تو اللّٰه بن گیا۔

پھر بعض صوفیہ ''ھو'' کو ضمیر اور بعض اسم ظاہر کہتے ہیں۔

واختلفوا في لفظة هو هل هي ضمير الغيبة أو اسم ظاهر قولان.

(فتح الله :٢/٤٣٣).

اور بعض صوفیہ فرماتے ہیں اللہ اصل میں "ھو" ہے پھر الف لام کو داخل کیا گیا اور لام کو تعظیم کے لیے مشدد کیا گیا اور اس کے بعد الف کو مدصوت کے لیے لایا گیا اور "ھو" سے واو کو حذف کر دیا گیا تو اللّٰـہ بن گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صوفیہ کے نزدیک "ھو" اسم ذات ہے، ہمارے بزرگ حضرت مولانا موسیٰ خان روحانی رحمہ اللہ تعالیٰ "فتح اللہ" میں فرماتے ہیں:

إن لفظ هو اسم الذات عند الصوفية و العارفين وفي أذكارهم يا هو يا هو . (جلد اول، ص ۳۵۸)۔ حضرت مولانا روحانی صاحبؒ نے لفظ اللہ کی خاصیات پر دو ضخیم جلدوں میں کتاب لکھی ہے، کتاب کا نام " **فتح اللّٰه بخصائص الاسم اللّٰه**" ہے یہ کتاب اربابِ تحقیق کے لیے لائق مطالعہ ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں: **فنقول: فيه أسرار: الأول : إن الرجل إذا قال: يا هو فكأنه يقول: من أناْ حتى أعرفك ومن أناْ حتى أكون مخاطباً لك وما للتراب ورب الأرباب وأى مناسبة بين المتولد عن النطفة والأم وبين الموصوف بالأزلية والقدم إلى قوله فلهذا السبب خاطبه العبد بخطاب الغائبين فقال: يا هو** . (التفسير الكبير:١/١٥٣).

امام رازیؒ فرماتے ہیں لفظ **یا ھو** میں کچھ اسرار ہیں، پہلا راز یہ ہے کہ جب آدمی **یا ھو** کہتا ہے تو گویا بزبانِ حال یہ کہتا ہے کہ میری کہاں رسائی کہ آپ کی ذاتِ عالی کو پہچانوں، اور میری کیا حیثیت کہ آپ سے براہِ راست خطاب کروں، اور مٹھی خاک اور

جہاں کے پالنہار میں کیا تعلق، اور نطفہ سے پیدا ہونے والے کے درمیان اور ذاتِ لازوال، ہمیشہ رہنے والے کے درمیان کیا مناسبت ہو سکتی ہے، پس اسی وجہ سے بندہ اللہ رب العالمین کو غائبانہ خطاب کرتے ہوئے "**یا ھو**" کہتا ہے۔

شیخ عبدالکریم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "**الإنسان الکامل**" (ص۵۸) پر لکھتے ہیں:

ھویۃ الحق غیبہ الذی لایمکن ظھورہ ، اسکے بعد لکھتے ہیں: **وھی ماخوذۃ من لفظۃ "ھو" التي للإشارۃ إلی الغائب وھي في حق اللّٰہ تعالیٰ إشارۃ إلی کُنْہِ ذاتہ باعتبار أسماءہ وصفاتہ** . (کتاب الانسان الکامل بحوالہ فتح اللہ، ص۴۳۵).

اور حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو مزید نکات اور حکمتیں لکھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان اتنی اونچی اور ذات ایسی چھپی ہوئی ہے کہ تین بلکہ چار آلات تعریف کے باوجود آپ کی ذاتِ عالی عقل کے فہم وادراک سے ماوراء ہے اصل میں **ھو** ہے جو معرفہ ہے پھر اس پر الف لام داخل ہوا پھر اس کو اللہ تعالیٰ کے لیے علم بنادیا گیا ان سب کے باوجود وہ ہماری عقلوں کی پہونچ سے ماورا ہے پھر لام کو مشدد کرنا تعریف کے مبالغہ کے لیے ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی ہمارے ادراک سے مخفی ہے۔ شعر:

تو دل میں آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا ☆ پس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

عربی شاعر کہتا ہے:

العجز عن درک الإدراک إدراک ☆ والبحث عن سر ذات اللّٰہ إشراک

وہ فرماتے ہیں: **فاجتمع في هذا الإسم المبارک ثلاثة أنواع من التعريف و في اجتماعها إشارة إلى أن مسماه لكمال عظمته و علو درجته لا يتعرف بشيء من آلات التعريف** . پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں: **وفي هذا الاسم الشريف أى اسم اللّٰه دخلتا أى الألف واللام على المعرفة وهي هاء الضمير كما ذكره بعض المحققين من أن اسم اللّٰه تعالیٰ مسماه وهو الهاء الدالة على غيب الهوية والألف واللام للتعريف ففي إتيان حرف التعريف إيماء إلى أن تعريف الضمير لايكفى لتعين المشار إليه ولابد من آلة أخرى ثم تشديد اللام للمبالغة فى التعريف** .

یہ تحقیقات مولانا موسیٰ صاحبؒ نے مجددِ الف ثانی کے رسالہ ''المعارف اللدنیہ'' سے نقل فرمائی ہیں۔ (۲/۴۳۵)۔

علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

وقيل: أصله الكناية لأنها للغائب وهو سبحانه الغائب عن أن تدركه الأبصار أو تحيط به الأفكار وأيضاً ''الهاء'' يخرج مع الأنفاس فهو المذكور وإن لم تشعر الحواس ومتى انقطع خروجه انقطعت الحياة وحَلَّ بالحى الممات . (روح المعانی: ۱/٥٦). اور یہ بھی لکھا ہے: **فالأصل هو إذا لايبقى سواه** . یہ بھی لکھا ہے: **مال كثير من الصوفية إلى هذا القول وهو إلى المشرب قريب** .(روح المعانی: ۱/ ٥٦).

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ اصل میں ھــو ہے اور یہ ضمیر غائب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نگاہوں کے ادراک سے اور عقلوں کے احاطہ سے غائب ہے اور جب ہم سانس

لیتے ہیں تو اس میں بھی ھُوْ، ھُوْ کی آواز محسوس ہوتی ہے یعنی جب تک ہو کی آواز نکلتی ہے تو حیات ہے ورنہ موت ہے۔

شمس المعارف میں ہے:

فأما اسمه تعالیٰ هو فهو ضمير الغيبة وهو من أسماء ه تعالیٰ إذ الغيبة الحقيقية إنما هي له إذ لا تصوره العقول ولا تجده الأوهام .

(شمس المعارف لاحمد بن علی: ۱/۱۴۸، کذا فی فتح الله : ۱/۳۵۸).

چشتیہ حضرات ضرب لگاتے ہیں اس کی حقیقت

(۱) ضرب لگانا بذات خود مقصود نہیں بلکہ دل ودماغ میں ذکر کا اثر اور رقت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور مختلف روایات سے اثر پیدا کرنے کے طریقوں کا ذکر احادیث میں ملتا ہے اس سلسلہ میں چند احادیث پیش خدمت ہیں:

(۱) بخاری شریف میں ہے

عن البراء قال كان النبی ﷺ ينقل التراب يوم خندق حتى اغمر أو اغبر بطنه يقول :

والله لو لا الله ماهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

فانزلن سكينة علينا وثبت الاقدام ان لاقينا

ان الاولى قد بغوا علينا اذا ارادو فتنة أبينا

ورفع بها صوته أبينا أبينا، وبطريق آخر قال ثم يمد صوته باخرها (أى أبينا) ". (متفق عليه، رواه البخاری ج۲/۵۸۹، ومسلم ۲/۱۱۲، وابن حبان فی صحيحه ۱۰/۳۹، ذكر ما يستحب للإمام، والنسائی فی سننه الكبرى ۵/۲۶۵، والبيهقی فی سننه الكبرى ۴/۱۶، والدارمی فی سننه ۲/۲۹۱، باب حفر الخندق).

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوہ خندق میں یہ چھوٹا سا شعر پڑھ رہے تھے **والله لو لا الله ماهتدينا** الخ اور اس کے ختم پر **أبينا** کے کلمہ کو مکرر اور آواز کو دراز اور بلند کر کے پڑھتے تھے۔ اس حدیث کی دلالت ضرب کی مشروعیت پر اس طرح ہے

کہ ضرب سے مقصود خاص اثر پیدا کرنا ہے۔اور یہی اثر پیدا ہوگیا حضور پرنور ﷺ کے کلمہ أبینا کے تکرار اور بلند آواز سے پڑھنے میں اور یہی کام صوفیہ حضرات ضرب سے لیتے ہیں اور اثر کے وسائل کی تبدیلی معیوب نہیں ہے جیسے آنحضور ﷺ کے زمانے میں آلات جہاد اور تھے اور اس زمانے میں اور ہیں۔

(۲) جو تاثیر رسول اللہ ﷺ نے أبینا کی تطویل سے پیدا کی وہی تاثیر صوفیہ ذکر کو دل پر لگانے سے پیدا کرتے ہیں۔اس کی نظیر حدیث شریف میں موجود ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

(۱) عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه قا ل کان رسول الله ﷺ إذا خطب احمرت عیناه وعلا صوته و اشتد غضبه حتی کأنه منذر جیش " الحدیث (صحیح ۔ رواه مسلم ۱/۲۸٤، فصل فی خطبة الجمعة ۔ والحاکم ٤/٥٢٣، کتاب الفتن والملاحم، وابن الجارود فی المنتقی ۱/۱٤۷، باب الجمعة ،و ابن حبان ۱/۱۷۰، والنسائی ۳/۱۸۸، وابن خزیمة ۲/۸٦٥،باب صفة خطبة النبی ﷺ ، وابن ماجة ۱/٦، باب اجتناب البدع، واحمد ۳/۳۳۷، والبیهقی ۳/۲۰٦، والبغوی فی شرح السنة ۱٥/۹۸، وابن رجب فی جامع العلوم والحکم ،ص٤۹۸).

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ جب خطبہ دیتے تھے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہوجاتی تھیں اور آواز میں ایک قسم کی بلندی ہوتی اور سخت غضبناک حالت ہوجاتی گویا کہ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے دوران نبی پاک ﷺ کے چہرہ انور پر ایک خاص قسم کا اثر پیدا ہوا یہی اثر صوفیہ کرام ضرب سے لیتے ہیں۔

(۲) بخاری شریف میں ہے:

عن عبد الله بن المغفل المزنی قال رأیت رسول الله ﷺ یوم الفتح علی ناقة له یقرأ سورة الفتح أو من سورة الفتح قال فرجع فیها

قال ثم قرأ معاوية يحكي قراء ة ابن مغفل قال لولا ان يجتمع الناس عليكم لرجعت كما رجع ابن مغفل يحكي عن النبي ﷺ فقلت لمعاوية كيف كان ترجيعه قال ء آ ء آ ء آ ثلث مرات". (صحيح ۔ رواه البخاري في فضائل القرآن، باب الترجيع ۲/۷۵۵، وباب القراء ة على الدابة ۲/۷۵۳، وفي المغازي، باب أين ركز النبي ﷺ يوم الفتح ۲/۶۱۴، وفي تفسير سورة الفتح، باب إنا فتحنا لك فتحا مبينا ۲/۷۱۶).

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ فتح مکہ کے دن اونٹنی پر سوار تھے اور آپ سورہ فتح تلاوت فرمارہے تھے اور تلاوت کے دوران آپ نے آواز کو حلق میں گھمایا اور اس ترجیع کو حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنایا کہ آپ ﷺ کی ترجیع آ آ آ تھی تین مرتبہ۔

زادالمعاد میں ہے:

علمت أن هذا الترجيع منه ﷺ كان اختيارا لا اضطرارا لهز ناقة له فإن هذا لو كان لأجل هز الناقة لما كان داخلا تحت الإختيار، فلم يكن عبد الله بن مغفل يحكيه ويفعله اختيارا ليؤتسى به وهو يرى هز الراحلة له حتى ينقطع صوته، ثم يقول : كان يرجع في قراء ته، فنسب الترجيع إلى فعله. ولو كان من هز الراحلة لم يكن منه فعل يسمى ترجيعا. (زاد المعاد ۱/۴۸۳۔ بواد رالنوادر، ص۴۴۷).

خلاصہ یہ ہے کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی ترجیع اپنے اختیار سے تھی اونٹنی کی حرکت اور ہلنے کی وجہ سے نہیں تھی اگر یہ اونٹنی کے ہلنے کی وجہ سے ہوتی تو یہ ترجیع اختیاری نہ ہوتی پھر عبداللہ بن مغفل اس کی نقل نہ اتارتے اور اس کو قابل اقتدا سمجھ کر اپنے اختیار سے ترجیع نہ فرماتے، جبکہ وہ اونٹنی کی حرکت کو دیکھ رہے تھے یہاں تک ان کی آواز ختم ہوئی پھر فرماتے ہیں آنحضور ﷺ قراءت میں ترجیع کرتے رہے، تو ترجیع کو

آنحضور ﷺ کی طرف منسوب فرمایا اگر یہ فعل غیر اختیاری ہوتا، تو اس کا نام ترجیع نہ رکھتے۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قراءت میں آواز کو حلق میں گھمایا، اس میں ایک خاص قسم کا اثر پیدا ہوا، اور یہی تاثیر چشتیہ حضرات ضرب سے پیدا کرتے ہیں۔

(۳) ضرب کے وقت سر ہلا کر ضرب لگانے کے بارے میں طریقہ محمدیہ میں لکھا ہے کہ جیسے تشہد کے اشارہ میں انگلی اٹھانے میں نفی اور رکھنے (یا جھکانے) میں اثبات کی طرف اشارہ ہے اسی طرح سر اوپر کرنے میں نفی اور سر جھکا کر ضرب لگانے میں اثبات کی طرف اشارہ ہے، ہاں اس کو مقصود اور شریعت کا حکم نہیں سمجھنا چاہیئے، بلکہ اصلاح قلب اور جوش وسرور پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

بریقہ محمودیہ میں ہے:

وأما تحريك الرأس فقط يمنة ويسرة تحقيقا لمعنى النفي والإثبات في لا إله إلا الله فالظن الغالب جوازه بل استحبابه إذا كان مع النية الخالصة الصالحة فيخرج عن حد العبث واللعب) ؛ لأن العبث ما لا فائدة فيه والتحقيق المذكور من أعظم فوائد (فيكون) ذلك التحريك (فعلا دالا) دلالة عقلية (على التوحيد مقارنا للقول) وهو قول لا إله إلا الله (الدال عليه) دلالة وضعية فيجمع بين التوحيد الفعلي والقولي (فتكون) الكلمة الطيبة (كلمة ككلمتين) فالقول بلا حركة مرتين كالقول بالحركة مرة واحدة (وأصله) المقيس عليه (رفع المسبحة في التشهد في الصلاة عند أشهد أن لا إله إلا الله ، وقد روى عن النبي ﷺ في الأحاديث الصحاح مع أن الصلاة موضع سكون ووقار حتى كره فيها الالتفات يمنة ويسرة . قال المولى المحشي يعني

لیس فی حق التحریک المذکور روایة لا من صاحب الشرع ولا من الصحابة ولا من التابعین ولکن المظنون قیاسا علی رفع المسبحة فی الصلاة فی التشهد عن کلمة التوحید المروی عن صاحب الشرع فی الصحاح الجواز بل الاستحباب مع نیة التحقیق المذکور بجامع التحقیق لأن علة الرفع هی التحقیق ؛ وهو متحقق هاهنا فالظن جواز التحریک مع نیة التحقیق کالرفع ".(بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة ٤/١٣٩-١٤٠).

(۴) شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ نے فرمایا:

ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لئے اور طبیعت میں رقت اور یکسوئی پیدا کرنے کے لئے ضرب کا طریقہ نکالا گیا ہے، تو ان میں سے کسی چیز کو بھی مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور اسی لئے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ طریق اپنے اپنے زمانہ کے حالات اور اپنے تجربوں کے مطابق ان چیزوں میں ردوبدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں، اور اب بھی کرتے رہتے ہیں، بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کے لئے ان کے خاص حالات اور ان کی استعداد کے مطابق الگ اعمال واشغال تجویز کر دیتا ہے اور بعضے ایسی اعلی استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنھیں اس طرح کا کوئی ذکر شغل کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، اور اللہ تعالی ان کو یونہی نصیب فرما دیتا ہے، اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کو صرف علاج اور تدبیر کے طور پر ضرورۃً کیا کرایا جاتا ہے۔(مجالس ذکر، ص۱۱۷).

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب ذکر جہری کے منکر ہیں۔

ہم ان کی کتاب ''اخفاء الذکر'' صفحہ ۶۹ سے ان کی عبارت پیش کرتے ہیں تاکہ منکرین کے لئے سرمۂ بصیرت ہو۔

ملاحظہ ہو اخفاء الذکر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ہم نے حکم الذکر بالجھر میں تصریح کی ہے کہ اپنے مقام پر ذکر بالجہر جائز ہے اس کا کوئی منکر نہیں وہ یہ کہ کسی کی نماز، نیند، مطالعہ اور آرام وغیرہ میں خلل نہ پڑتا ہو اور یہی کچھ بقول مؤلف مذکور حضرت مولانا عبد الحی ؒ فرماتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اہل بدعت حضرات رَل مِل کر ذکر میں جو جلیاں ڈالتے ہیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر لاؤڈ اسپیکر پر جو راگیں نکالتے ہیں کہ نہ کوئی نماز پڑھ سکے نہ تلاوت کر سکے نہ مطالعہ کر سکے نہ سو سکے اس کا ان کے نزدیک کیا نام ہے؟ اور ان کی مساجد میں جب امام سلام پھیرتا ہے تو یہ لوگ نہ صرف یہ کہ جھر مفرط کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ مسجد کو سر پر اٹھا لیتے ہیں حالانکہ کئی نمازی جو بعد میں آکر ملتے ہیں وہ ابھی نمازیں پڑھ رہے ہوتے ہیں کیا اس چلّانے سے ان کی نمازوں میں خلل نہیں پڑتا؟ یا اس کا وہ کیا نام رکھتے ہیں۔

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتادو قاعدہ

اے اسیرانِ ہوس تم تو گرفتاروں میں ہو

ضمیمہ

معترضین حضرات کے اشکالات

اوران کے جوابات

ذکر جہری واجتماعی مع التداعی پرتداعی

کے بدعت ہونے کا اشکال اور جواب:۔

اشکال:(۱) ذکر کی مجالس کے لیے تداعی ممنوع ہے اور آج کل ذکر کی مجالس کے لیے تداعی اور اعلان ہوتا ہے پس جولوگ مروجہ اجتماع کو جس میں تمام اہل مجلس ایک ذکر کا التزام کرتے ہیں اور اس کے لیے تداعی کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور احادیث رسول کی طرف منسوب کر کے سنت قرار دیتے ہیں، یہ درست نہیں جیسے نفل کی جماعت کے لیے اعلان کر کے جمع ہونا ممنوع ہے؟

الجواب: جب اجتماعی ذکر کرنے والے حضرات اجتماعی اور انفرادی دونوں قسم کے ذکر کو صحیح اور درست سمجھتے ہیں اور اکثر و بیشتر انفرادی ذکر ہی کرتے ہیں ہاں کبھی کبھی ہفتہ یا مہینہ میں ایک بار شیخ کی صحبت میں مزید فائدہ حاصل کرنے کے لیے

اور ذکر کے مزہ کو دوبالا کرنے کے لیے اور مجلس ذکر میں وعظ ونصیحت سننے کے لیے نیز دل لگانے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں، تو یہ تداعی اور اعلان بشرطیکہ اعلان ہوتا ہو امر مباح کے لیے ہوا، جب دونوں جانب جائز ہوں تو اجتماع مباح ہوا، اور امر مباح کے لیے تداعی میں کوئی حرج نہیں۔

مدرسہ کے افتتاح کی تقریب ،مدرسہ کا داخلہ، مدرسہ کا نصاب، چھٹیاں، امتحانات سب کے لیے اعلانات ہوتے ہیں، دارالعلوم کراچی کے فتویٰ کی روشنی میں یہ مباحات کے قبیل سے ہیں۔

تنبیہ: لیکن بظاہر یہ کارِ خیر اور مندوب ہے، لوگ کارِ خیر اور ثواب سمجھ کر اس میں شرکت کرتے ہیں، اگر چہ دین اور ضروری نہیں سمجھتے۔

مورخہ ۱۷، رجب مطابق ۱۱ جولائی ۲۰۰۹ء جامعہ دارالعلوم کراچی میں ختم بخاری کے موقعہ پر ایک سادہ پروکار تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت رئیس الجامعہ مدظلہم نے ختم بخاری کے موقعہ پر موجودہ حالات کے تناظر میں علماء اور خصوصاً دورِ حدیث کے طلباء سے ایک فکر انگیز خطاب فرمایا۔

(از رسالہ مسلکِ دیو بند کسی فرقہ کا نام نہیں، اتباعِ سنت کا نام ہے، ص ۷، از مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی)۔

نیز ماہنامہ ''البلاغ'' مورخہ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ مطابق جولائی ۲۰۰۰ء میں اجتماع اور تداعی کے جائز اور مباح ہونے پر ایک مسئلہ چند مفتیانِ کرام کے دستخط کے ساتھ بعنوان ''جلسہ دستار بندی کا شرعی حکم، ختمِ بخاری پر اجتماع کا حکم'' شائع ہوا ہے وہ بھی ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حال ہی میں پاکستان کے ایک بہت بڑے مدرسہ میں جلسۂ دستار بندی بڑے جوش وخروش اوراہتمام سے منعقد کیا جس میں پورے مدرسہ کو سجایا گیا۔ بیرونی راستوں پر بڑے بڑے استقبالیہ کلمات سے مزین بینرآویزاں کیے گئے ۔اورتین دن تک عوام کو لاکھوں روپے کا کھانا کھلایا گیا۔پورے ملک میں اوربعض بیرونِ مما لک میں خصوصی دعوت نامے ارسال کیے گئے...اب آپ سے سوال یہ ہے کہ!

(۱)جلسۂ دستار بندی فرض ہے،واجب ہے،سنت ہے یا مستحب ہے؟

(۲)اس کے لیے جوتداعی کی گئی شرعاًاس کی کیا حیثیت ہے؟ ....؟

الجواب: کسی دینی مدرسہ کا اپنے یہاں فاضل اورعالم ہونے والوں کو دستارِ فضیلت دینے کے لیے جمع کرنا اوران کو دستارِفضیلت دینا فرض یا واجب یا سنت نہیں، بلکہ جائزاورمباح ہے ،اوراس میں شرکت کے لیے لوگوں کو اطلاع دینا ایک مباح اجتماع میں شرکت کی دعوت دینا ہے جوممنوع تداعی میں داخل نہیں ہے....کاتب : عصمت اللہ عصمہ اللہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۔

درجِ ذیل مفتیانِ کرام کے دستخط موجود ہیں:

(۱)مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ۔(۲)مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلہ۔ (۳)مفتی محمد عبدالمنان صاحب مدظلہ ۔(۴)مفتی محمود اشرف صاحب مدظلہ۔ (۵)مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ۔(ماہنامہ''البلاغ''ص ۲۴۷۔۲۴۸)۔

جن بعض مندوبات کے لیے اجتماع کے جواز کو ہمارے بعض اکابرؒ نے تحریر فرمایا ہے ان میں ایصالِ ثواب کے لیے علماء طلبہ یا عوام کا جمع ہونا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا اگر بلا تعین یوم جمع ہو کر ختم قرآن کرلیں یا کلمہ طیبہ اور ایصالِ اس کا کریں تو جائز ہے اکثر علماء کے نزدیک، اگر چہ علامہ مجدالدین فیروز آبادی ایصالِ ثواب کے اجتماع کو بھی بدعت لکھتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۳۷)۔

یاد رہے کہ تعین یوم پر انکار اس وقت ہے جب تعین کو ثوابِ زائد سمجھا جائے اگر مصلحۃً ہو تو ممنوع میں شامل نہ ہوگا۔ (کمافی کفایت المفتی: ۴/۱۲۷)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ایصالِ ثواب کے لیے جمع ہو کر پڑھنے کے بارے میں لکھا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں میت کو نفع پہونچتا ہے ہاں رسوم اور بدعت سے اجتناب کا حکم فرمایا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳/۸۶-۹۲)۔

خود فتاویٰ رشیدیہ میں قیود کو مباح فرمایا۔ ہاں اگر ان کو سنت یا ضروری جانے تو بدعت وتعدی ہوگی۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۴۹)۔

دارالعلوم دیوبند میں اہم شخصیات کی وفات پر ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کے لیے جمع ہونے کا طریقہ شروع سے رائج ہے۔ علامہ بنوری ٹاؤن میں حضرت مولانا بنوریؒ کے زمانے سے بڑی شخصیات کی وفات پر جمع ہو کر قرآن خوانی کا طریقہ رائج ہے بلکہ اکثر اہل حق کے مدارس میں یہ طریقہ چلا آرہا ہے، یہ سب امر مندوب کے لیے تداعی کے قبیل سے ہے، ہاں اس کو لازم نہیں سمجھتے حضرت تھانویؒ نے بھی جمع ہونے کی صورت کو اس لیے نامناسب فرمایا کہ اس میں اہل میت کو جتلانا ہوتا ہے یہ نہیں فرمایا کہ امر مندوب کے لیے تداعی ناجائز ہے۔ (انفاس عیسیٰ، ص ۶۰۵)۔

ہاں محفل میلاد کو بریلوی حضرات بہت اہمیت اور سنت کا درجہ دیتے ہیں اور نہ

کرنے والوں کو وہابی کہتے ہیں تاریخ کی تخصیص کو اہم سمجھتے ہیں، ۱۲ربیع الاول کو شاندار طریقہ پر مناتے ہیں، اس لیے علمائے دیوبند اس پر انکار کرتے ہیں۔

بلکہ فقہاء نے نفل کی جماعت کو بھی احیاناً درست لکھا ہے: **الجماعة في التطوع ليست بسنة** . (فتاوى الشامي :٢/ ٤٩،سعيد).

ويمكن أن يقال الظاهر أن الجماعة فيه غير مستحبة ثم إن كان أحياناً كما فعل عمر رضي الله عنه كان مباحاً غير مكروه وإن كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة، لأنه خلاف المتوارث . (فتاوى الشامي :٢/ ٤٨، سعيد).

نیز عربی فتاویٰ میں صرف نفل نماز کی جماعت اور اس کے لیے تداعی کی ممانعت مذکور ہے:

ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد، قال في الحاوي القدسي: ولا يصلى تطوع بجماعة غير التراويح، وما روي من الصلوات في الأوقات الشريفة كليلة القدر وليلة النصف من شعبان وليلتي العيد وعرفة والجمعة وغيرها تصلى فرادى انتهى، ومن ههنا يعلم كراهة الاجتماع على صلاة الرغائب التي تفعل في رجب في أول ليلة جمعة منه وأنها بدعة. (البحر الرائق:٢/ ٥٣، كوئته).

ہاں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے دوسرے مندوبات کو بھی نوافل کی طرح فرمایا ہے جیسے براہین قاطعہ پڑھنے والوں پر مخفی نہیں اس کا مطلب بھی میرے خیال میں یہ ہے کہ اجتماع کو عبادت، مقصود اور زیادہ ثواب والا سمجھا جائے۔

اگر کسی امر مندوب کے لیے تداعی اور اعلان ہوتا ہو اور اس اجتماع کو مصلحت اور منفعت سمجھتے ہوں، عبادت وثواب نہیں سمجھتے ہوں، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

ہاں نفل کی جماعت کے لیے اعلان درست نہیں کیونکہ نماز میں جماعت عبادت ہے۔

امداد الفتاویٰ میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا فتویٰ مذکور ہے اور اس پر حضرت تھانویؒ کے دستخط ہیں: **والاحتفال بذكر الولادة الشريفة إن كان خالياً من البدعات المروجة فهو جائز بل مندوب.** (امداد الفتاویٰ: ۶/ ۳۲۷)۔

یہ فتویٰ ۱۳۳۰ھ کا ہے یعنی حضرت گنگوہیؒ سے خط وکتابت کے بعد کا ہے۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ذکر ولادت کے اجتماع کو مندوب فرمایا جب بدعات سے خالی ہو، یہ نہیں فرمایا کہ خود یہ اجتماع امر مندوب کے لیے بدعت ہے۔

معترض صاحب بھی لکھتے ہیں کہ اجتماع ثواب کے لیے نہ ہو بلکہ رقیہ کے لیے ہو تو جائز ہے۔

آخر سالانہ جلسہ، دستار بندی کا جلسہ، بزرگوں کی تقریروں کے لیے اعلانات واجتماعات ہوتے رہتے ہیں، ان کو معترضین حضرات بھی بدعت نہیں کہتے۔

ولیمہ عقیقہ کی دعوت کے لیے لوگوں کو بلایا جاتا ہے تو کیا یہ اجتماع بدعت ہے، بلکہ ولیمہ کے لیے بلانے سے تو کتب احادیث بھری ہوئی ہیں، فقہاء اور شارحین حدیث نے دعوت کے مختلف انواع لکھے ہیں، حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے بخاری شریف کے حاشیہ میں تحریر فرمایا:

قال الكرماني: قالوا: والضافة ثمانية أنواع: ـ الوليمة للعرس

والخرس للولادة و العذار للختان و الوكيرة للبناء و النقيعة لقدوم المسافر من النقع وهو الغبار و الوضيمة للمصيبة و العقيقة لتسمية الولد يوم السابع و المأدبة للطعام المتخذ للضيافة بلاسبب و كلها مستحبة إلا الوليمة فإنها تجب عند قوم . (حاشية البخاري باختصار:۲/۷۷٦).

(اس میں دعوتِ ختان کو بعض علماء منع کرتے ہیں اور میت کے گھر تین دن ضیافت بھی ممنوع ہے۔)

کھانا کھلانے کے لیے تداعی کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

کھانا کھلانے کی بہت سی اقسام ہیں۔جن کو اس جملہ میں جمع کیا گیا ہے:

''أنعموا مُخًّا''. (اچھے آدمی کے ساتھ احسان کرو، اس کو کھانا کھلاؤ)۔

ا: إعذار: ختنہ کی دعوت۔اسے عذیرۃ بھی کہتے ہیں۔

ن: نقیعہ: سفر سے واپس آنے کے وقت جو کھانا تیار کیا جائے۔یہ لفظ ''نقع'' سے مأخوذ ہے، جو غبار کے معنی میں ہے۔

ع: عقیقہ کا کھانا۔

ع: عتیرۃ: جو قبل الاسلام غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جاتا تھا۔اسلام میں اللہ کے لئے ہو گیا پھر بعد میں اللہ کے لئے ذبح کرنا بھی منسوخ ہو گا۔

م: مائدۃ/مأدبۃ: دوست واحباب کو کھانے کے لئے بلانا، جس کا کوئی ظاہری سبب نہ ہو۔

و: ولیمہ کی دعوت۔ و: وکیرۃ: نیا گھر بنانے کے وقت۔ و: وضیمۃ:

مصیبت کے وقت فقراء کو کھانا کھلانا۔

م: **ملاک**: نکاح کے وقت کا کھانا۔

خ: **خرص**: ولادت کے موقع پر جو کھانا تیار کیا جائے۔

مختصر تشریح:

☆نقیعة کی تعیین کے بارے میں دو قول ہیں: **یصنعها القادم من السفر أو تُصنع له.**

یعنی جو کھانا آدمی سفر سے واپس آنے پر لوگوں کے لئے تیار کرے۔ یا لوگ اس کے لئے تیار کریں۔

بعض کہتے ہیں: جو کھانا مسافر تیار کرے اسے نقیعہ کہتے ہیں اور جو کھانا لوگ مسافر کی آمد پر بنائیں اسے تحفہ کہتے ہیں۔(فتح الباري۹/۲٤۱).

☆عتیرۃ کے بارے میں حدیث شریف میں ہے: **عن مِخنف بن سليم قال: ونحن وقوف مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بعرفات قال: أيها الناس! إن علٰى أهل كل بيت في كل عام أضحية وعتيرة. أتدرون ما العتيرة ؟ هذه التي يقول الناس "الرجبية". قال أبو داود: العتيرة منسوخة . هذا خبر منسوخ.** (ابو داود:۳۸۵، ما جاء في إيجاب الأضاحي) .

منسوخ ہونا صحیحین کی اس حدیث سے ثابت ہے: **عن أبي هريرة** رضی اللہ عنہ **عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا فرع ولا عتيرة ... والعتيرة فی رجب.**

(بخاری۲/ ۸۲۲ باب العتيرة. مسلم ۲/۱۵۹ باب الفرع والعتيرة).

☆ مأدبة میں علماء نے یہ تفصیل بیان فرمائی ہے:

نَقَرٰی: إن کانت لقوم مخصوصین. وجفلٰی: إن کانت عامة.

طرفہ بن عبد اپنی قوم کی تعریف میں کہتے ہیں:

نَحنُ فِی المَشْتَاةِ نَدعُو الجَفَلٰی لا تَری الآدبَ فینا یَنتَقِر

یعنی جب ہماری قوم کا کوئی آدمی (موسمِ سرما میں) دعوت دیتا ہے تو سب کو بلاتا ہے۔ دعوت دینے والا آدمی کبھی خاص دعوت نہیں کرتا۔ (فتح الباري ۹/۲٤۱-۲٤۲. دیوان طرفة بن العبد ص ۲۹).

مـــأدبة: دوست واحباب کو بغیر کسی ظاہری سبب کے کھانے کے لئے جمع کرنا۔ یہ مستحب ہے، اور متعدد روایات وواقعات میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ نمونہ کے طور پر دو چار روایات ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

جاءَت ملائکة إلی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم وهو نائم، فقال بعضهم: إنه نائم، وقال بعضهم: إن العین نائمة والقلب یقظان، فقالوا: إن لصاحبکم هذا مثلاً فاضرِبوا له مثلاً ... فقالوا: مَثَلُه کَمَثل رَجل بنٰی دَارًا وجَعل فیها مأدُبةً وبَعث داعیاً، فَمن أَجابَ الداعيَ دَخل الدارَ وأَکلَ مِن المأدبة، ومَن لَم یُجِب الداعي لَم یدخل الدارَ ولم یأکل من المأدبة. (بخاری ۲/۱۰۸۱، الاقتداء بسنن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم).

اس حدیث شریف میں کھانے کی عام دعوت کے لئے آدمی کو بھیج کر لوگوں کو بلانے کا ذکر ہے، جس کا کوئی ظاہری سبب نہیں۔

(۲) مسلم شریف کی روایت ہے:

قال (عبد الله بن رباح): وَفَدتُ وفودا إلٰى معاوية رضي الله عنه، وذلك في رمضان، فكان يصنع بعضنا لبعض الطعام، وكان أبو هريرة رضي الله عنه مما يكثر أن يدعونا إلٰى رَحله. فقلت: ألا أصنع طعاما فأدعوهم إلى رحلي، فأمرت بطعام يُصنع، ثم لقيت أبا هريرة من العشي فقلت: الدعوة عندى الليلة، فقال: سبقتني؟ قلت: نعم، فدعوتهم، فقال أبو هريرة رضي الله عنه: ألا أُعلِمكم بحديث من حديثكم يا معشر الأنصار، ثم ذكر فتح مكة.

(مسلم ۲/۱۰۲، باب فتح مكة).

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ بہت کثرت سے اپنے ساتھیوں کی دعوت کیا کرتے تھے اور ایک دن عبداللہ بن رباح نے ساتھیوں کی دعوت کی، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی کھانے میں شرکت کی اور پھر انہیں فتح مکہ کا قصہ سنایا۔

(۳) صحیحین کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ دیگر چار صحابہ کی دعوت فرمائی۔

عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله عنه قال: كان من الأنصار رجل يقال له: أبو شعيب، وكان له غلام لحّام، فقال: اصنع لي طعامًا أدعو رسولَ الله صلى الله عليه وسلم خامسَ خمسة، فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم خامسَ خمسة، فتبعهم رجل... الحديث. (بخاری ۲/...، الرجل يتكلف الطعام لإخوانه. مسلم ۲/۱۷٦، ما يفعل الضيف إذا تبعه غير من دعاه صاحب الطعام).

(۴) مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پڑوسی

نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط لگائی کہ میرے ساتھ حضرت عائشہؓ کو بھی دعوت ہے؟ اس نے دو مرتبہ انکار کرنے کے بعد تیسری مرتبہ میں حضرت عائشہؓ کو بھی دعوت دی۔

حدیث شریف یہ ہے:

عن أنس رضي الله عنه أن جاراً لرسول الله صلى الله عليه وسلم فارِسِيًّا كان طيِّب المَرق، فصنع لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثم جاء يدعوه، فقال: وهذه؟ لعائشة، فقال: لا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا، فعاد يدعوه ... قال: نعم، في الثالثة. (رواه مسلم:۲/۱۷۶).

(۵) متعدد روایات میں یہ مضمون بکثرت وارد ہوا ہے کہ جب تمہیں تمہارا بھائی دعوت دے تو اسے قبول کرو، اس لئے کہ یہ فائدہ سے خالی نہیں۔

نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اگر روزہ دار ہو تب بھی دعوت قبول کرے۔

اس حدیث سے دلالۃ النص کے طور پر اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانے میں دوستوں کو دعوت دینے کا رواج تھا۔

نیز صحابہ کرام کا دعوت کرنا اور اسے قبول کرنا بھی متعدد مقامات پر مذکور ہے۔

(٦) عن أبي وائل قال: ما شهِد عبد الله مَجمعا ولا مأدُبةً فيقومَ حتّى يحمد ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم. (مصنف ابن أبي شيبه ۱۵/۳۸۰/۳۰۴۲۹، من كان يصلي على النبي ﷺ ويحمد الله قبل أن يقوم من مجلسه).

امام بخاری نے الادب المفرد میں مأدبۃ سے متعلق مستقل باب قائم کیا ہے۔

☆اہل میت کے واسطے کھانا بھیجنا پڑوسیوں کے لئے مستحب ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عبداللّٰہ بن جعفر ﷺ قال: لماجاء نعي جعفر ﷺقال النبي صلى اللّٰہ علیہ وسلم:اصنعوا لأهل جعفرطعاماً، فإنه قدجاء هم مايَشغَلهم. (رواه الترمذي ١/١٩٥، ما جاء فی الطعام يصنع لأهل الميت).

ابن ماجہ میں ہے:

قال: لما أصيبَ جعفر ﷺ رجع رسول اللّٰہ صلى الله عليه وسلم إلى أهله فقال: إن آل جعفر قد شُغِلوا بشأن ميتهم فاصنعوا لهم الطعامَ. قال عبداللّٰہ (أحد الرواة): فما زال سنة حتّٰى كان حديثاً فتُرِك. (سنن ابن ماجه:١١٥، فی الطعام يبعث إلى أهب الميت).

شامی میں ہے:

قال فی الفتح: ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة الطعام لهم، يشبعهم يومَهم وليلهم لقوله صلى الله عليه وسلم: "اصنعوا لآل جعفرؓ طعاماً... حسنه الترمذي وصحّحه الحاكم.

(رد المحتار ٢/٢٤٠).

وينظر: (رد المحتار(٦/٦٦٥). والفتاوى الهندية (١/١٦٧ و٥/٣٤٤). وفتح القدير (٢/١٤٢).

نیز اہل میت کا اپنے اہل وعیال اور جنازہ میں شرکت کے لئے جو رشتہ دار وغیرہ آئے ہوں، ان کے لئے کھانا پکانا جائز ہے بشرطیکہ کھانے کی عام دعوت نہ ہو، کھانا

متوسط درجے کا ہو اور کسی دن کی تخصیص نہ ہو۔اس کے بارے میں مدلل ومفصل فتویٰ ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی دار العلوم زکریا ۳/ ۵۸-۶۱)۔

☆ ''ملاک'' کا دوسرا نام بعض نے ''شندخیة'' ذکر کیا ہے۔

نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ جائز ہے، لیکن اس کی عادت نہ بنانا چاہیئے، نیز اگر شادی میں شرکت کے لئے آنے والے رشتہ داروں کے لئے کھانا بنایا جائے تو درست ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی دار العلوم زکریا ۳/ ۶۳۶-۶۳۸)۔

مذکورہ بالا اقسام کے علاوہ ان قسموں کا ذکر بھی ملتا ہے:

(۱) حِذاق/حذاقة: الطعام الذي يصنع عند حفظ القرآن.

یعنی ختمِ قرآن کی دعوت کو حذاق کہتے ہیں۔بعض کہتے ہیں جب بچہ بولنا شروع کرے اس وقت کی دعوت کو حذاق/ حذاقہ کہتے ہیں۔

☆ حذاق: عند حفظ القرآن.

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل۔قرطبی میں ہے:

وذكر أبوبكر أحمد بن علي بن ثابت الحافظ فی كتابه المسمّٰى (أسماء من روىٰ عن مالک) عن مرداس بن محمد أبي بلال الأشعري قال: حدثنا مالک عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه قال: تعلَّمَ عمر رضي الله عنه البقرة فی اثنتي عشرة سنة ، فلما ختمها نَحر جَزوراً. (تفسير القرطبی: ۱/ ۳۰، مقدمة. كيفية التعلم والفقه لكتاب اللّٰه).

وروى البيهقي بسنده عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه قال: تعلم عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ البقرة في اثنتي عشرة سنة، فلما أتمها نحر جزورا. (شعب الإيمان للبيهقي ٢/٣٣١، الباب:١٩، فصل في تعاليم القرآن).

(۲) علامہ ابن طولون نے "**فص الخواتم في ما قيل في الولائم**" میں حفظ قرآن کے موقع پر دعوت کرنے اور اس میں لوگوں کو جمع کرنے سے متعلق ایک فصل قائم کی ہے۔

چنانچہ لکھتے ہیں: **الاحتفال بحذاق الصبي: وروى الدوري في جزئه عن أبي بكر الهذلي قال: سألت الحسن يعنى البصريَّ وعِكرمة عن الصبي نبتت أسنانه فينثر عليه الجوز، فقالا: حلال.**

وعن يونس بن عبيد قال: طرق ابن لعبد الله بن الحسن فقال عبد الله: إن فلانا قد حذِق و المعلم يطلب، قال: فماذا يريد؟ أعطه درهما. قال: سبحان الله! قال: فأَعطِه درهمين. قال: إنه لا يرضٰى. فقال الحسن رضى الله عنه: كانوا إذا حذِق الغلام قبل اليوم نحروا جزورا، واتخذوا طعاما.

وعن بن سلمة عن حميد قال: كانوا يستحبون إذا جمع الصبيُّ القرآنَ أن يذبح الرجل الشاة ويدعو أصحابه. (فص الخواتم فيما قيل فى الولائم، ص٩).

(۲) **قِرى: ما يُصنَع للضيف.**

(۳) **السُّلفة واللُّهنة:** وہ مختصر کھانا جو دو پہر کے کھانے سے پہلے کھایا جائے، یا اصل کھانا تیار ہونے سے پہلے تھوڑا سا کھانا کھایا جائے۔

کھانے کی ان اقسام کو بعض علماء نے اشعار میں جمع کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: (رد المختار ٦/١٦، نقلا عن حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار ٤/١٠).

اسی طرح ''فصّ الخواتم فیما قیل فی الولائم'' کے آخر میں علامہ ابن طولونؒ نے مختلف علمائے کرام کے (۸) منظومے ذکر فرمائے ہیں، جو کھانے کی ان اقسام کے بیان پر مشتمل ہے۔

مزید ملاحظہ فرمائیں:

(شرح النووي علی مسلم (١/٤٥٨) باب صداق المرأة۔ وفتح الباری (٩/٢٤١-٢٤٢). و عمدة القاري (١٤/١١١). ورد المحتار (٦/١٦). الموسوعة الفقهية الكويتية. مادة: دعوة. و فقه اللغة للثعالبي (ص٢٦٤، الباب الرابع والعشرون).

انتهى. والله تعالى أعلم.

مذکورہ بالا اکثر امور کارِ خیر اور امورِ مندوبہ ہیں۔

اور مندوب کا حکم یہ ہے کہ اس کو بجالانا اس کے ترک سے بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

ما فعله خير من تركه، وقيل مايمدح به المكلف ، ولايذم على تركه، وقيل المطلوب فعله شرعاً من غير ذم على تركه. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص ٧٥،فصل من آداب الوضو، قدیمی۔ و كذا فی فتاوی الشامی: ١/١٠٢،سعيد).

مفتی رشید احمد میواتی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں: مفتاح العلوم جلال آباد ''جو مولانا مسیح اللہؒ کا مدرسہ ہے'' میں دورۂ حدیث سے پہلے منطق وفلسفہ اور ادب وغیرہ کی تمام

اہم کتابیں پڑھی، اس کے بعد ۱۳۷۹ھ میں مفتاح العلوم میں دورۂ حدیث شریف پڑھا مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں دستار بندی ہوئی۔(ترجمۃ المولف ملحقہ افاتِ مسیح الامت مفید السالکین)۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ مظاہر العلوم کے سالانہ جلسہ کے متعلق فرماتے ہیں:

حق سبحانہ وتقدس کے ان انعاماتِ خاصہ میں سے جو مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپورن پور کے ساتھ ہمیشہ مخصوص رہے ہیں، مدرسے کا سالانہ جلسہ ہے جو ہر سال مدرسے کے اجمالی حالات سنانے کے لیے منعقد ہوتا ہے مدرسے کے اس جلسہ میں مقررین واعظین ومشاہیر اہل ہند کے جمع کرنے کا اس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا جتنا کہ اللہ والے، قلوب والے، گمنامی میں رہنے والے مشائخ کے اجتماع کی سعی جاتی ہے، وہ زمانہ اگرچہ کچھ دور ہوگیا ہے جب کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز اور قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی تشریف آوری حاضرین جلسہ کے قلوب کو منور فرمایا کرتی تھی، مگر وہ منظر ابھی آنکھوں سے زیادہ دور نہیں ہوا، جب کہ ان مجددینِ اسلام اور شموسِ ہدایت کے جانشین حضرت شیخ الہندؒ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں مجتمع ہوکر مردہ قلوب کے لیے زندگی ونورانیت کے لیے چشمے جاری فرمایا کرتے تھے، اور عشق کے پیاسوں کو سیراب فرماتے تھے۔

دورِ حاضر میں مدرسہ کا جلسہ ان بدورِ ہدایت سے بھی گو محروم ہوگیا مگر ان کے

سچے جانشین حضارِ جلسہ کو اب بھی اپنے فیوض و برکات سے مالا مال فرماتے ہیں جو لوگ امسال جلسہ میں شریک رہے ہیں وہ اس کے لیے شاہد عدل ہیں، آنکھوں والے برکات دیکھتے ہیں لیکن ہم سے بے بصر بھی اتنا ضرور محسوس کرتے ہیں کہ کوئی بات ضرور ہے۔ (فضائل قرآن، ص ۲۰۶).

دار العلوم دیوبند کے جلسہ کا ذکر اور اس کے بعد والے دن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے جمعہ کے بعد بیان کا ذکر اور قلوب پر تاثیر اور لوگوں کا گریہ وبکا وغیرہ تفصیلات ملاحظہ ہو: (تذکرۃ الرشید، از ص ۲۵۰ تا ۲۵۱)۔

ختمِ بخاری کے جلسہ اور اجتماع کے بارے میں علماء کا اختلاف موجود ہے مولانا عبدالحلیم جونپوریؒ ''خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب اور استاذ شیخ محمد یونس جونپوری شیخ الحدیث جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور'' نے اس کے خلاف رسالہ لکھا ہے۔ لیکن اکثر اکابرؒ اس کو حدود میں رہ کر جائز اور مفید سمجھتے ہیں۔

جب شیخ محمد عابد سندھی انصاریؒ نے فتح الباری کو ایک جلد میں اور صحاحِ ستہ کو ایک جلد میں لکھا تو اظہارِ خوشی میں علماء اعیان کی دعوت فرمائی۔ دیکھئے (الامام الفقیہ المحدث الشیخ محمد عابد الانصار، ۱۳۵، ۲۲۵، بقلم الشیخ سائد بکداش)۔

نیز شیخ الاسلام علامہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری کی تکمیل فرمائی تو بڑے علماء کی دعوت فرمائی۔ دیکھئے: (مقدمہ بلوغ المرام، ص ۶)۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے لامع الدراری کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ تداعی اگر ثواب اور دین سمجھ کر ہو تو مکروہ ہے اور اگر آسانی کے لیے ہو تو مکروہ اور قبیح نہیں ہے۔

ملاحظہ ہولامع الدراری میں ہے:

باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة ؛ لما كان من المسلم أن التعيين الزماني والمكاني فيما لم يثبت شرعاً مما يعد بدعة وكراهة، دفعه بأن التعيين فيه جائز إذ لولا ذلك لأدى إلى الحرج لهم... قال الشيخؒ : إن البدعة هو التعيين الذي يعد فيه ثواب وأجر خاص بهذا المعين وأما التعيين لساعات الدروس مثلاً فلا يعده أحد أجراً وثواباً .

(لامع الدراری مع الحاشیة: ۱/٤۷).

نیز بخاری ومسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کے لیے تداعی محبوب عمل ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

" إن للّٰه ملائكة يطوفون في الطريق يلتمسون أهل الذكر فإذا وجدوا قوماً يذكرون اللّٰه تنادوا هلموا إلى حاجاتكم . (بخاری شریف: ۲/۹٤۸).

اور یہ بات تو واضح ہے کہ فرشتے وہی کام کرتے ہیں جس کام کا ان کو حکم دیا جاتا ہے: ﴿**لا يعصون اللّٰه ما أمرهم ويفعلون ما يؤمرون**﴾ (سورۃ التحریم، الآیۃ:).

اب آیتِ کریمہ اور حدیث کی روشنی میں عبارت شکل اول کی صورت میں یوں بنے گی:۔ "**المسلمون مأمورون بحضور مجالس الذكر من الملائكة والملائكة مامورة بهذا من اللّٰه تعالىٰ** ".

نتیجہ یہ ہوگا:۔" **المسلمون مأمورون أومدعون لمجالس الذکر من اللّٰہ تعالیٰ**"۔

"ذکر سے عام ذکر مراد ہو یا خاص امر ندب کے لیے ہو یا اباحت کے لیے اس سے استدلال میں فرق نہیں پڑیگا"۔

مزید براں اکابرؒ اور صوفیہ کرام ومشائخ عظام کی مجالس منعقد کرنے کا اہم مقصد وعظ ونصیحت ہوتا ہے، ذکر آخر میں تابع کی حیثیت رکھتا ہے، بنابریں تداعی وعظ ونصیحت کے لیے ہوئی جو کہ مقصود ہے، نہ کہ ذکر کے لیے جو تابع ہے، اور جلسے وعظ وغیرہ کے لیے تداعی کو معترضین بھی تسلیم کرتے ہیں پھر خصوصاً اس تداعی پر انکار کی کیا وجہ ہے؟

ع: ببیں تفاوتِ راہ از کجا تا کجا۔

مجالس ذکر اور مجالس وعظ کے لیے تداعی

امر مندوب کے لیے تداعی ہے:

اشکال: بعض حضرات یہ اشکال فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے براہینِ قاطعہ (۱۵۳) میں مجلس مولود کو تداعی اور اہتمام کی وجہ سے غیر مشروع فرمایا اور وعظ اور درس کی مجلس کے لیے تداعی کو فرائض صلوات کیطرح جائز فرمایا۔

الجواب: (۱) اگر ذکر کی مجالس احیاناً ہوں اور اس کے لیے لوگ جمع ہوتے ہوں تو حضرت گنگوہیؒ کے نزدیک یہ تداعی اور اہتمام کے زمرے میں نہیں آتا حضرت گنگوہیؒ سے ایک سائل نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کی عبارت کے متعلق سوال کیا جو مولود کے جواز سے متعلق ہے اس کے جواب میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا کہ اس وقت شاید گاہ گاہ کسی کو اتفاق ہوتا ہو اور کچھ بھی اہتمام نہیں ہوتا تھا بر خلاف اس وقت کے کہ عوام تو اس کو فرض نماز سے بھی زیادہ موجبِ مغفرت سمجھتے ہیں۔ (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص۷۴) اہتمام مثل اہتمام نماز روزہ وغیرہ ضروریاتِ دین بلکہ بقدر زائد عوام تو اس کو مثل نماز روزہ وغیرہ ضروریاتِ دین نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص۷۶)۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر مندوب کو ضروری نہ سمجھے یا اجتماع

کبھی کبھار ہوتو یہ ممنوع کے زمرے میں نہیں آتا۔

(۲) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے براہین قاطعہ میں وعظ کی مجلس کو فرائض میں شمار کر کے اس کے لیے تداعی واہتمام کو جائز فرمایا لیکن وعظ کی ہر ایک مجلس کو فرائض میں شامل کرنا فہم سے بالاتر ہے، ہاں اگر مجلس ان ضروری مسائل پر مشتمل ہو جو لوگوں کو معلوم نہیں تو پھر لازم ہوگی، چنانچہ خود حضرت سہارنپوریؒ نے براہین قاطعہ کے لکھنے کے بعد بذل المجہود شرح ابی داود لکھی، اس میں خواتین کی مجلس وعظ میں حاضری کو نماز باجماعت سے کم درجہ قرار دیا اور جو سنت سے کم ہوتو وہ مستحب ہی کہلاتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: **ومتى كره حضورهن في المسجد للصلوة فلأن يكره حضورهن في مجالس الوعظ خصوصاً عند هولاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء أولى** . (بذل المجهود: ٣/ ٤١٧).

یاد رہے کہ بذل کا زمانہ تصنیف براہین قاطعہ کے بعد ہے، یہ بھی ملحوظ رہے کہ مجلس وعظ میں خواتین کی حاضری شرائط وآداب کی رعایت کے بعد شوہر یا محرم کی اجازت سے درست ہے اس کی تحقیق ہمارے دوسرے رسالہ میں موجود ہے جو پاکستان سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکا ہے۔

نیز چونکہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت سہارنپوریؒ کے دور میں انگریزوں کی حکومت تھی اور اس سے پہلے مغلیہ دور کے آخر میں شیعہ حکمرانوں کا زور تھا۔ مدارس برائے نام رہ گئے تھے، اس لیے مدارس کے جلسے لوگوں تک دین پہونچانے کا ایک اہم ذریعہ تھے اس لیے انہوں نے ان جلسوں کو زیادہ اہمیت دی، فقہاء کا دور اسلامی حکومتوں کا دور تھا اس لیے مجالس وعظ کو مستحب کا درجہ دیا۔

(۳) مجلس وعظ اور تدریس عام فقہاء کے نزدیک بھی فرائض میں داخل نہیں۔

فتاویٰ سراجیہ میں مرقوم ہے: **طلب العلم فریضة بقدر ما یحتاج إلیه ،لأمر لابد منه من أحکام الوضوء، والصلاة، وسائر الشرائع ، ولأمور معاشه، وما وراء ذلک لیس بفرض، فإن تعلمهما فهو أفضل، وإن ترکها فلا إثم علیه** .(الفتاوی السراجیه، ص ۳۱۰) (وکذا فی الهندیة) ۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر مجلس علم فرض نہیں، ہاں اگر وہ ان ضروریاتِ دین پر مشتمل ہو جن کا علم مخاطبین اور سامعین کو نہ ہو تو پھر فرض ہوگی۔ ورنہ عام حالات میں جب آدمی کا گمان غالب ہو کہ لوگ مسئلہ قبول نہیں کریں گے تو امر بالمعروف مستحب ہے ضروری اور فرض نہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ ابن عابدین الشامی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں رقمطراز ہیں:

ولو علم أنهم لا یقبلون منه ولا یخاف ضرباً ولا شتماً فهو بالخیار والأمر بالمعروف أفضل. (تنقیح الفتاوی الحامدیة:۲/۵٦۹).

علاء الدین بن علامہ محمد امین الشامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الأنبیاء والمرسلین.

(الهدیة العلائیة ،ص ۲۳۰). اس عبارت میں تذکیر کو سنت فرمایا فرض نہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: **ومسجد أستاذه لدرسه أولسماع الأخبار أفضل من الجوامع** ۔اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس مسجد میں وعظ کا اہتمام ہو وہاں جانا بہتر ہے لازم نہیں۔ بزازیہ علی حاشیۃ الہندیہ میں مرقوم ہے:

ولا بأس بالجلوس للوعظ إذا أراد به وجه اللّٰه قال اللّٰه تعالیٰ: وذکر فإن الذکری تنفع المؤمنین وکان ابن مسعود ﷺ یذکر کل عشیة

خميس . (الفتاوى البزازية بهامش الفتاوى الهندية: ٦ /٣٧٨).

اس روایت سے ظاہر ہوا کہ مجلس وعظ لازم نہیں مندوب ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت علم میں ''شوہر یا محرم کی اجازت کے بغیر'' نہ جائے اس لیے کہ عورت باجماعت نماز کے لیے مسجد میں نہیں جاسکتی تو مجلس وعظ میں بطریق اولیٰ نہیں جاسکتی، اس لیے معلوم ہوا کہ وعظ کی مجلس اور مدرسوں کے جلسے سنتِ مؤکدہ سے کم یعنی مستحب ہیں۔ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستورات کے پاس وعظ ونصیحت کے لیے تشریف لائے ،اس کے ذیل میں علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے: **ذكر ما يستفاد منه: فيه استحباب وعظ النساء وتعليمهن أحكام الإسلام و تذكيرهن بما يجب عليهن وما يستحب** . (عمدة القارى: ٥/ ١٩٩).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا بأس بالجلوس للوعظ إذا أراد به وجه الله تعالىٰ كذا فى الوجيز الكردرى. (٥/ ٣١٩) معلوم ہوا کہ وعظ ونصیحت سنانے کے لیے بیٹھنا فرض اور لازم نہیں ہے۔صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے: **كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بالموعظة فى الأيام كراهة السآمة علينا** . (صحيح بخارى شريف : ١ /، كتاب العلم).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض ایام میں وعظ ونصیحت کے ساتھ ہماری خبر گیری فرماتے تھے۔صحیح بخاری کی شرح فتح الباری لابن رجب میں علامہ ابن رجبؒ نے لکھاہے، **وفى الحديث: أن الإمام إذا رأى لم يسمع الموعظة النساء،**

فإنه يأتيهن بعد فراغه من موعظة الرجال، فيعظهن ويذكرهن، وقد قال عطاء: إن ذلك حق عليه، ولعله أراد أنه مندوب إليه متأكد للندب.

(فتح الباری: ٦/٩٦).

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے مجلس وعظ مندوبات میں سے ہے جیسے مردوں کے لیے مجلس وعظ کا مندوب ہونا عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے معلوم ہوا، علامہ علاء الدین بن علامہ ابن عابدین شامیؒ کے کلام سے بھی مجالس وعظ کا استحباب مترشح ہوتا ہے۔(۲۱۷، و۲۳۰، ملاحظہ کیجئے) مدارس کے سالانہ جلسے جن کی ابتدا تلاوتِ کلامِ پاک اور نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے پھر تقریریں اور کارگزاریاں اور دوسرے پروگرام ہوتے ہیں، مستحب کے درجہ میں ہیں۔ بشرطیکہ ان کو دین کا حصہ نہ سمجھا جائے اور نہ کرنے والے پر انکار نہ کرے۔

اشکال: جلسوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوتی ہے اور یہ فرض کفایہ ہے تو یہ اجتماع فرض کفایہ کے لیے ہے؟

الجواب: (۱) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جلسوں میں فرق ہے اول الذکر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا کوئی خاص جماعت کسی معروف سے مجتنب یا کسی منکر میں مبتلا ہو تو اس کو امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کر لی جائے اور مجلس وعظ وتذکیر عام لوگوں کے سامنے فضائل ومسائل کی تقریر وتذکیر ہوتی ہے کسی خاص فرد یا چند افراد کو مخاطب نہیں بنایا جاتا۔

(۲) پھر اگر جلسوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے زمرے میں داخل سمجھا

جائے تو اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک مرتبہ ہو چکی ہے تو اس کے بعد اس کا درجہ فرض سے کم ہو کر مسنون یا مندوب بن جاتا ہے۔فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کفار کو اسلام کی دعوت پہونچ چکی ہو تو دوبارہ دعوت دینا فرض نہیں مستحب ہے ، یہ مسئلہ البحر الرائق (۵/۷۵) ،فتاویٰ شامی (۴/۱۲۹)، فتح القدیر(۵/۴۴۵) پر مرقوم ہے اختصار کے پیش نظر عبارات نقل نہیں کی گئیں ، نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تمام افراد فرض نہیں ہیں۔مثلاً (۱) اگر یقین ہو کہ مخاطب بات نہیں مانے گا ،اور سب وشتم کریگا یا پٹائی کریگا، اور صبر مشکل ہو یا قتل وقتال کی نوبت آئے گی تو ترک اولیٰ ہے۔(۲) اگر یہ یقین ہو کہ بات نہیں مانے گا اور سب وشتم بھی نہیں کریگا تو کرنے نہ کرنے میں اختیار ہے، فتاویٰ ہندیہ (۵/۳۵۳) ،فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ اگر کسی کے کپڑے پر نجاست ہے اور غالب گمان ہے کہ بات مانیگا تو بتلانا ضروری ہے ورنہ ضروری نہیں ۔(۳۲۱)۔(۳) اگر مخاطب کو بات پہونچ چکی ہے تو دوبارہ کہنا فرض نہیں ۔فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو اسلام کی دعوت پہونچ چکی ہے تو قتال سے پہلے دعوت دینا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے یہ بات البحر الرائق (۵/۷۵)،فتاویٰ شامی (۴/۱۲۹)، فتح القدیر(۵/۴۴۵) اور دیگر فتاویٰ میں مرقوم ہے اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے عبارات نقل نہیں کی گئیں۔

تداعی کی بحث کا خلاصہ حسبِ ذیل ملاحظہ فرمایئے:

(۱) ذکر کے لیے دعوت دینا اور ایک جگہ جمع ہونا مباح کے درجے میں ہے اور مباح کے لیے تداعی دارالعلوم کراچی کے فتوے کی روشنی میں جائز ہے۔

(۲) اگر اس جمع ہونے کو مندوب کا درجہ دیا جائے تو بقولِ علامہ شامیؒ نفل نماز کے لیے جمع ہونا بھی احیاناً جائز ہے اور ہم نے بہت سارے مندوبات کی مثالیں دیں جن کے لیے جمع ہونا جائز ہے۔ خود جلسہ اور دستار بندی جو میرے خیال میں مندوب کے درجہ میں ہے اس کے لیے اجتماع اکابرؒ سے ثابت ہے اور جلسہ دستار بندی کو صرف مجلس وعظ کہنا سمجھ میں نہیں آتا اس لیے کہ یہ جلسہ وعظ کے علاوہ بہت ساری چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

(۳) بعض اکابرؒ نے جوامر مندوب کے لیے تداعی کو ممنوع فرمایا (فتاویٰ رشدیہ، ص ۲۷۲) وہ اس اجتماع میں بہت سارے خلافِ شرع امور شامل ہونے کی وجہ سے نیز اس کو لازم اور ضروری سمجھنے کی وجہ سے یا اس میں زیادہ ثواب سمجھنے کی وجہ سے ممنوع فرمایا۔ ورنہ امداد الفتاویٰ میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے فتوی میں ذکر ولادتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتماع کو درست فرمایا جب کہ بدعاتِ مروجہ سے خالی ہو۔ (امداد الفتاویٰ: ۶/ ۳۲۷)۔

امدادالمفتین میں ہے:

محفل میلاد میں اگر کوئی تاریخ معین اور ضروری نہ سمجھی جائے، شیرینی اور روشنی وغیرہ کو ضروری نہ سمجھے، روایات غلط نہ پڑھیں، نظم پڑھنے والے بے ریش لڑکے نہ ہوں اور گانے کی طرح نہ پڑھیں، اسی طرح اور دوسری رسوم و بدعات سے خالی ہو تو مضائقہ نہیں۔ (امدادالمفتین:۲/۱۸۴، از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ)۔

اگر بلا تعین یوم کے جمع ہو کر ختمِ قرآن کریں یا کلمہ طیبہ اور ایصالِ ثواب اس کا کریں تو جائز ہے اکثر علماء کے نزدیک اگر چہ علامہ مجدالدین فیروز آبادی ایصالِ ثواب کے اجتماع کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص۱۵۶)۔

یاد رہے کہ جو تعین یوم ممنوع ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تعین کو ثواب و سنت یا ضروری سمجھے ورنہ آسانی کے لیے تعین یوم ممنوع نہیں۔

فتاویٰ رشدیہ میں مذکور ہے کہ مجلس مولود اور ایصالِ ثواب وغیرہ کے قیود دراصل مباح ہیں اگر ان کو سنت یا ضروری جانے تو بدعت و تعدی ہے اور اس کے بغیر اباحت کے درجے میں ہیں، ہاں ہم کو عوام کی عادت سے محقق ہو گیا ہے کہ وہ لوگ ضروری اور سنت جانتے ہیں اس لیے ہم منع کرتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص۱۴۰، انتہی بخلاصتہ)۔

مروجہ مجالس ذکر پر اعتراض اور جواب:

اشکال (۲): ذکر کی یہ خاص ہیئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، ذکر کے کسی فرد کو مخصوص کرنا بدعت ہے، اور زیادت فی الدین ہے نہ کہ مباح ومسکوت عنہ اور بدعت کا ارتکاب غیر مقصودی درجہ میں رہ کر بھی جائز نہیں نیز اپنی طرف سے دوام کے ساتھ کیفیات کو معین کر لینا بدعت ہے نیز فرماتے ہیں کہ جس کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہو اس میں اپنی طرف سے قیود لگانا بدعت ہے نیز کسی ہیئت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہونا اور محدث ہونا بدعت ہے؟

الجواب: اگر یہ اعتراضات ان حضرات کی طرف سے ہوتے جو تصوف کے ڈھانچے کو نہیں مانتے تو موجبِ تعجب نہ ہوتا لیکن یہ اعتراضات ان حضرات کی طرف سے وارد کئے جاتے ہیں جو تصوف کی موجودہ شکل وصورت کو مانتے ہیں اور یہ بات بدیہی ہے کہ تصوف کے اوراد و وظائف اور ان کی ہیئت وشکل وکیفیات زمانہ نبوت سے منقول نہیں، کیا بارہ تسبیح اور خاص شکل میں چارزانو بیٹھنا اور لا الہ الا اللہ کو دو مرتبہ پڑھنا پھر الا اللہ چار مرتبہ پڑھنا پھر اللہ اللہ چھ مرتبہ ڈبل پڑھنا اور ایک تسبیح سنگل پڑھنا پھر مراقبہ پھر اس کی کچھ مدت کے بعد اسم ذات کے ذکر کو حسبِ استطاعت

بڑھانا کیا یہ زمانہ نبوت سے ثابت ہے؟ ہرگز نہیں ۔ (ملاحظہ ہو شریعت وطریقت از حضرت حکیم الامت تھانویؒ ص۲۹۳،۲۹۴)۔

اگر کوئی سلفی یہ کہے کہ ان اوراد کا مذکورہ بالا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے بدعت ہے تو ہم اس کو زمانہ نبوت سے کیسے ثابت کریں گے، چنانچہ سلفیوں نے یہ اعتراضات کئے ہیں، اوران کی کتابوں اور فتاویٰ میں مذکور ہیں:۔

" فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية و الإفتاء " میں مذکور ہے: **الطرق الصوفية جميعها يغلب عليها البدعة ومخالفة الشرع فيجب الابتعاد عن تلك الطرق.** اس پر شیخ بن باز شیخ عبدالرزاق عفیفی شیخ عبداللہ غدیان کے دستخط ہیں۔(ص ۲۶۹، ۲۷۰/ ۲).

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ حضور علیہ اسلام سے اسمائے مفردہ معینہ جیسے " **الله**" و"**حي**" و " **قيوم**" کا ورد ثابت نہیں ہے۔(ص ۲۸۰/ ۲).

نقشبندیہ قادریہ وغیرہ کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

فكل ذلك لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم قولاً ولاعملاً ولا عرف من خلفائه الراشدين ولاسائر صحابته رضي الله عنهم بل هو من محدثات الأمور لأن تلك الأذكار لم يثبت منها شيء عن النبي صلى الله عليه وسلم فيما أوحي إليه. (ص ۲۸۵،۲۸۸/ ۲).

اس تقریر کی روشنی میں تو ہمارے سب اکابرؒ مبتدع بن جاتے ہیں اس کے جواب میں ہمارے حضرات فرماتے ہیں کہ ہم ان اوراد واشغال کی خاص ترکیب وشکل

وتعداد کو دین نہیں سمجھتے ہیں بلکہ دین پر چلنے کا ایک وسیلہ یا مصلحت ہے، مقصود نہیں، اس لیے اس میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے، تصوف کا ہر ایک سلسلہ دوسرے سے الگ وجدا ہے، لیکن ایک سلسلہ والے دوسرے کو بدعت وناجائز نہیں کہتے بلکہ اس کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، ہمارے بزرگوں میں سب سے بڑے فقیہ اور محتاط بزرگ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اشغالِ صوفیہ بطورِ معالجہ کے ہیں سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے جیسے اصل علاج ثابت ہے مگر شربت بنفشہ حدیث صریح سے ثابت نہیں ایسا ہی سب اذکار کی اصل ہیئت ثابت ہے، جیسا توپ بندوق کی اصل ثابت ہے اگر چہ اس وقت میں نہ تھی سو یہ بدعت نہیں، ہاں ان ہیئات کو سنت وضروری جاننا بدعت ہے۔ (فتاویٰ رشیدہ مع تالیفاتِ رشیدیہ، ص۱۹۴، ادارہ اسلامیات لاہور).

تذکرۃ الرشید میں ہے:

اشغالِ مشائخ کی قیود وتخصیصات جو کچھ ہے اصل سے بدعت ہی نہیں... گویا قیود مامور بہ ہوئیں نہ بدعت۔ (تذکرۃ الرشید، ص۱۲۱، ادارۂ اسلامیات).

حضرت تھانویؒ اشرف الجواب میں فرماتے ہیں: جو بات قرآن وحدیث اجماع قیاس چاروں میں سے ثابت نہ ہو اس کو دین سمجھ کر کیا جائے وہ بدعت ہے۔ (اشرف الجواب:۲/۲۴)۔

اگر کوئی ضروری کہدے تو بجا ہے، کیونکہ حصولِ مقصود بغیر اس کے دشوار ہے۔ (تذکرۃ الرشید، ص۱۲۱).

(حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے تھے کہ آج کل اگر کوئی یہ قسم کھائے کہ میں کسی فقیہ کو ضرور دیکھوں گا وہ اس وقت تک اپنی قسم سے سبکدوش نہ ہوگا جب تک مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی زیارت نہ کرے۔ (مجالس حکیم الامت، ص۸۳).)

حضرت حاجی امداداللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں: کہ صوفیائے کرام نے جو اشغال لکھے ہیں ان کی اصل صرف اتنی ہے کہ ان کے ذریعہ جمعیتِ خاطر حاصل ہوجائے، وساوس وخیالات سے قلب فارغ ہوجائے، ان اشغال کی جزئیات تو سنت سے ثابت نہیں، مگراس کی اصل سنت سے ثابت ہے نماز میں جو نمازی کے سامنے سترہ کھڑا کرنے کا حکم ہے اس کا مقصد بھی جمعیتِ خاطر ہے، ان اشغال کو اگر کوئی شخص طاعتِ مقصودہ سمجھ بیٹھے تو وہ بدعت ہوجائیں گے، جیسے زکام بخار وغیرہ میں گل بنفشہ پینا اگر کوئی اس کو طاعتِ مقصودہ سمجھنے لگے تو وہ بھی بدعت ہوجائے گا۔ (مجالس حکیم الامت، ص۷۴، ۷۵).

قیودات اور تخصیصات کو اگر ضروری اور سنت نہ سمجھا جائے اور نہ کرنے والوں پر نکیر بھی نہ کی جائے تو اصل کے اعتبار سے مباح ہیں، ہاں ہمارے اکابرؒ نے بریلویوں کی مجالس مثلاً مجلس مولود، مجلس عرس وغیرہ پر اس وجہ سے بدعت کا حکم لگایا ہے کہ وہ حضرات سنت اور ضروری سمجھ کر کرتے ہیں، اور نہ کرنے والوں پر وہابی ہونے کا الزام لگاتے ہیں، بلکہ عوام الناس اور جہال کے عقائد تک متاثر ہوچکے ہیں، جب کہ اکابر ومشائخؒ کی مجالس ذکر میں یہ بات نہیں ہوتی، ھذا ھو الفرق فافھم وتدبر۔

ملاحظہ ہو قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرِ مکیؒ کی طرف منسوب ''رسالہ ہفت مسئلہ'' کے بارے میں معترض کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اب رہے تین مسئلے قیودِ مجلس مولود اور قیودِ ایصالِ ثواب اور عرس بزرگان دین کا کرنا سو اس میں وہ خود (حضرت حاجی صاحبؒ) لکھتے ہیں کہ دراصل یہ مباح ہیں،

اگر ان کو سنت یا ضروری جانے تو بدعت وتعدی حدود اللہ تعالیٰ اور گناہ ہے اور بدون اس کے کرنے میں وہ اباحت لکھتے ہیں ہم لوگ منع کرتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ ان کو رسوم اہل زمانہ سے خبر نہیں کہ یہ لوگ ان قیود کو ضروری جانتے ہیں لہذا باعتبارِ اصل کے مباح لکھتے ہیں اور ہم لوگوں کو عادتِ عوام سے محقق ہو گیا ہے کہ یہ لوگ ضروری اور سنت جانتے ہیں لہذا ہم بدعت کہتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص:۱۴۹)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں بدعت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کو دین دین سمجھ کر اختیار کرے اگر معالجہ سمجھ کر اختیار کرے تو بدعت کیسے ہوسکتا ہے، پس ایک احداث للدین ہے اور ایک احداث فی الدین ہے احداث للدین سنت ہے اور احداث فی الدین بدعت ہے۔ (تحفۃ العلماء: ۲/۱۴۰، فقہ حنفی کے اصول وضوابط، الباب السادس سنت کی تعریف)۔

جب صوفیہ حضرات کے دوسرے قیودات بدعت نہیں تو آواز کو آواز سے ملانا بھی دل لگانے اور ذوق وشوق پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے یہ بھی بدعت نہیں، ہاں اگر اس کو حکمِ شرعی اور مقصود سمجھا جائے تو بدعت ہو جائے گا، بدعت للدین میں کوئی حرج نہیں بدعت فی الدین ناجائز ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث (من احدث...الخ) میں جس چیز کی ممانعت فرمائی ہے وہ احداث فی الدین ہے، لیکن دین کے احکام کو بروئے کار لانے کے لیے جن ذرائع ووسائل کی ضرورت پیش آئے اس کا حدیث وقرآن میں منصوص یا مذکور ہونا ضروری نہیں، وہ ہر زمانے میں ہر کام کی مناسبت سے اختیار کئے جاسکتے ہیں، جیسے اس زمانے میں حج کے لیے ہوائی جہاز اور جہاد کے لیے ٹینک اور بم

کا استعمال ہے کہ اس کو احداث فی الدین نہیں کہہ سکتے، بلکہ احداث للدین کہا جائیگا، وہ جائز ہے۔

اسی طرح جمعیتِ خاطر اور قطعِ وساوس کے لیے ذکر میں جہر یا اشغالِ صوفیہ میں سے کوئی شغل اختیار کرنا بھی احداث فی الدین نہیں بلکہ للدین ہے۔ (مجالس حکیم الامت، ص ۸۵).

فجر کی نماز میں زیادتی بدعت ہے لیکن آواز پہنچانے کے لیے لاؤڈ سپیکر کو استعمال کرنا بدعت نہیں، روزہ کو عشاء تک ضروری سمجھنا بدعت ہے لیکن روزے میں ایئر کنڈیشن لگانا بدعت نہیں بلکہ روزے کو آسان بنانے کے لیے ہے، ذکر کے الفاظ ومفہوم میں تبدیلی بدعت ہے لیکن ذکر میں دل لگانے کے لیے کبھی کبھی آواز ملانے کی تدبیر بدعت نہیں، جہاد کے مفہوم میں تبدیلی بدعت ہوگی لیکن اس کے لیے آلات واسباب کی تبدیلی بدعت نہیں۔

حضرت مولانا مفتی تقی صاحب نے تحریر فرمایا کسی ایسی ہیئت کو زیادہ ثواب کا موجب سمجھنا جو صحابہ کرام سے منقول نہیں اور جو شخص اس ہیئت کو اختیار نہ کرے اسے برا سمجھنا بدعت ہے جس سے احتراز کرنا چاہیئے۔ (فتاویٰ عثمانی ۱/۱۴۰، مکتبہ معارف القرآن).

ہمارے دوست واحباب آواز ملانے کو زیادہ ثواب کا موجب نہیں سمجھتے دل لگانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں جو بزرگ آواز نہیں ملاتے تھے، ان کا دل بغیر آواز ملانے کے لگتا تھا اور ذوق وشوق پیدا ہوتا تھا اب تنزل کا زمانہ ہے کبھی کبھی خوب دل لگانے کے لیے آواز ملاتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ذکر کو مقصود سمجھنا اور مطلق زیادت

عدد کو زیادتِ اجر کا ثواب سمجھنا اور اوضاع وضربات وجلسات کو از قبیل مصالح طبیہ سمجھنا بدعت نہیں، اور خود ان کو قربات سمجھنا بدعت ہے۔ (بوادر النوادر، ص ۷۷۹، ادارۂ اسلامیات).

حضرت تھانویؒ ''التکشف'' میں فرماتے ہیں بہت سے ذاکرین کہ ایک جگہ جمع ہوکر ذکر کرنے سے دل چسپی ذکر میں اور تعاکسِ انوار قلوب میں اور نشاط اور ہمت کا بڑھنا اور سستی کا دفع ہونا اور مداومت میں سہولت وغیرہ منافع حاصل ہوتے ہیں، اس کو ذکر حلقہ کہتے ہیں۔ (التکشف عن مہمات التصوف، ص ۲۷۳، کتب خانہ مظہری).

یہ عبارت ذکر جہری میں آواز ملانے کو بھی شامل ہے کیونکہ وہ باعثِ نشاط ہے اور آواز سے آواز ملانے کو ضروری اور لازم سمجھنے کی بات تو عجیب معلوم ہوتی ہے جب ذکر کے لیے اجتماع ہی کبھی ہے تو التزام کہاں دوام بھی نہیں، اکثر تو مریدین ومتوسلین اپنا اپنا ذکر کرتے ہیں، ہاں کبھی کبھی جمع ہوجاتے ہیں بلکہ آواز ملانا بھی اتفاقی ہے اگر کوئی نہ ملائے تو اس پر کسی نے انکار نہیں کیا یہ آواز ملانا ایسا ہے جیسے دو تین نعت خواں بیک آواز نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہوں جو ذوق بڑھانے کے لیے ہوتا ہے کوئی ضروری چیز تھوڑی ہے۔

حضرت مولانا مفتی حمید اللہ خان صاحب مفتی جامعہ اشرفیہ تحریر فرماتے ہیں:
بعض حضرات نغمہ کو نغمہ میں ملانے پر تنقید کرتے ہیں تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس کو صوفیائے کرام عبادت یا ضروری نہیں سمجھتے کہ جس کو ممنوع یا بدعت قرار دیا جائے بلکہ یہ ذوق پیدا کرنے کی ایک تدبیر ہے جیسا کہ صوفیائے کرام کے بعض دوسرے اشغال واعمال اس قبیل میں سے ہیں، جن کا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی اس عبارت میں ذکر موجود ہے جو میرے فتوے میں ہے۔ (ذکر بالجہر کا شرعی حکم، ص ۳۸۰، ۳۷۹، از حافظ نثار احمد الحسینی).

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

فهذا الذكر الشريف إن كان خالياً من التخصيصات و القيود، فلا كلام في دخوله تحت الحدود ، وإن كان مقارناً لها مع إباحتها، فإن اعتقد كونها لازماً أو مقصوداً كان من المحدثات، وإن لم يعتقد كونها قربة لكن أوهمه كان مشابهاً بالبدعات ويمنع عنهما منع المنكرات بتفاوت بالمنع بتفاوت الدرجات، فمن ظن بالفاعل هذا الاعتقاد أو إيهام الفساد أدخل اعتياده في محظور الالتزام، ومن ظن به خلوه عنهما أدخل اعتياده في سائغ الدوام، والذي يشاهد حال العوام من تشنيعهم على التاركين والملام أشد منه على تارك الأحكام، يرجح تتبع المانع بلا كلام .(خطبات الاحکام ،ص ۱۱۵).

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر اگر تخصیصات اور قیود سے خالی ہو تو وہ حدودِ شریعت میں داخل ہے اور اگر مباح قیود و تخصیصات پر مشتمل ہو اور ان قیود کو لازم اور مقصود سمجھیں تو بدعت ہے اور اگر ان کو ثواب نہ سمجھیں لیکن ثواب سمجھنے کا شبہ اور گمان ہو تو بدعت کے ساتھ مشابہ ہیں، تو اگر ان تخصیصات کے کرنے والے پر یہ گمان ہو کہ تخصیص کو مقصود و لازم سمجھتا ہے تو یہ تخصیص ممنوع میں داخل ہے اور اگر تخصیصات کے کرنے والے پر یہ گمان ہو کہ وہ ان کو مقصود نہیں سمجھتا تو یہ حدِ جواز میں داخل ہے۔ ترجمہ ختم ہوا۔

یاد رہے کہ اجتماعی ذکر میں آواز کی معیت بعض مشائخ کے یہاں کبھی کبھی حصولِ لذت اور دل لگانے کے لیے ہوتی ہے اس کو مقصود اور لازم کوئی بھی نہیں سمجھتا،

لہذا بیک آواز نہ پڑھنے والوں پر نکیر نہیں کرتے بلکہ ان کو قابلِ احترام سمجھتے ہیں، اس کو یوں سمجھ لیں جیسے بعض نعت خواں مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی ساتھ پڑھتے ہیں لیکن نعت شریف بیک آواز پڑھنے کو کوئی بھی مقصود نہیں سمجھتا بلکہ اس کو لوگ سببِ لذت و سرور سمجھتے ہیں۔

درمنثور کی ایک روایت سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی ذکر کی مجلس پسندیدہ ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس مجلس میں شریک ہوئے اور تعریف فرمائی۔

ملاحظہ ہو درمنثور میں ہے:

وأخرج أحمد في الزهد، عن ثابت قال: "كان سلمان في عصابة يذكرون الله، فمر النبي صلى الله عليه وسلم، فكفوا، فقال: ما كنتم تقولون ؟ قلنا: نذكر الله، قال: فإني رأيت الرحمة تنزل عليكم فأحببت أن أشاركم فها. ثم قال: الحمد لله الذي جعل في أمتي من أمرت أن أصبر نفسي معهم. (الدرالمنثورفی التفسیرالمأثور:٥/٣٨٢).

وأيضاً رواه الحاكم في المستدرك ،(١/١٥٩/٤١٩، كتاب العلم) وقال: هذا حديث صحيح ولم يخرجاه وقد احتجا بجعفر بن سليمان فأما أبو سلمة سيار بن حاتم الزاهد فإنه عابد عصره وقد أكثر أحمد بن حنبلؒ الرواية عنه ـ ووافقه الذهبي .

(وفيه الخضر بن ابان الهاشمي ضعفه الحاكم،وتكلم فيه الدارقطني، كما في لسان الميزان وميزان الاعتدال).

شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس جونپوری صاحب فرماتے ہیں:

حضراتِ صوفیہ نے ذکر کی جو صورتیں وتعداد وغیرہ ذکر کی ہیں یہ امراضِ قلب کے ازالہ اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کے ذرائع ہیں اور صدیوں کے مجربات ہیں اگر کسی کو اس کے بغیر کسی اور صورت سے یا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حالت حاصل ہوجائے تو اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اصل تو اعمالِ مسنونہ ہیں جیسے مریض جسمانی کا علاج دواؤں سے کیا جاتا ہے، مضرات سے بچایا جاتا ہے، لیکن اصل چیز جن سے بدن کو قوت حاصل ہوگی وہ مقویات واغذیہ ہیں، اور حضراتِ صوفیہ نے ذکر کی جو خاص صورتیں تجویز کی ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کا دل میں دھیان جمانے کے لیے ہیں...

اجتماعی ذکر میں صورتِ اجتماعیہ مطلوب نہیں ہے بلکہ اجتماع کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رغبت وشوق کا پیدا ہونا مقصود ہے اور مزید یہ ہے کہ بعض مشائخ ذکر کے وقت قلبِ مرید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ طبیعت لگ جاوے اور مرشد کی معیت میں سب کا ایک ساتھ ذکر کرنا مرشد کی توجہ کی تحصیل میں معین ہے۔ جیسے مکتب کے حافظ سارے بچوں کو ایک ساتھ پڑھاتے ہیں اور سب پر نظر رکھتے ہیں لیکن یہ چیزیں مقصود نہیں ہیں، اسی لیے اجتماع کے فوت ہونے کی صورت میں بھی سالکین تنہائی میں اپنے معمولات پورے کرتے ہیں۔ (نوادر الفقہ ،ص ۱۸۲،۱۸۳).

بیک آواز سے ذکر کرنے کے متعلق حضرت مفتی نظام الدین مفتی دار العلوم دیوبند کا تفصیلی فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض صوفیہ اور مشائخ حلقہ کراتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکرین شیخ کے قریب حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں

پھر شیخ ذکرلا الہ الا اللہ کہتا ہے اس کے ساتھ ساتھ سب ذاکرین ایک آواز سے ذکر کرتے ہیں گاہ بگاہ وہ شیخ اس پر توجہ ڈالتا ہے اس کی وجہ سے ان کے اوپر ایک خاص حالت وکیفیت طاری ہوتی ہے، کیا اس طریقہ پر ذکر کرانا اور کرنا ثابت ہے اگر سلف سے ثابت نہیں تو اس صورت میں ایسا کرنا مفید اور جائز ہے یا نہیں؟ تفصیل سے مع نظائر کے جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب۔ وباللہ التوفیق:۔ اور اشغال اور اذکار کی طرح یہ بھی ایک طریقہ ذکر وعلاج ہے اس سے بھی ایسی کیفیت پیدا ہوسکتی ہے جس کے ذریعہ سے باری تعالیٰ و عز اسمہ کی محبتِ مطلوبہ کی تحصیل آسان ہو ذکر منفرداً ومجتمعاً خواہ سراً یا جہراً اور توجہ کا القاء جائز وثابت ہے اس لیے اس کا مجموعہ بھی جائز وثابت ہونے میں کلام نہ ہوگا، البتہ اس کو واجب یا سنت کہنا یا قرار دینا یا اسی میں حصر کرنا درست نہ ہوگا۔

پس اگر شیخ کامل جو مکائدِ نفس اور طریق اصلاح سے واقف ہو اور اس کی محبتِ مطلوبہ کی تحصیل کے لیے یہ طریقہ استعمال کریں تو کوئی وجہ اعتراض نہیں ہے رہ گیا ذکر منفرداً ومجتمعاً تو اس کے لیے مندرجہ ذیل روایت بھی کافی ہیں:۔

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه وأبي سعيد رضي الله عنه قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايقعد قوم يذكرون الله إلا حفتهم الملائكة و غشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وذكرهم الله فيمن عنده . رواه مسلم. (مشکوٰۃ شریف:۱۹۶).

(۲) وعند حديث طويل قالوا: المفردون يارسول الله! قال: الذاكرون الله كثيراً والذاكرات . رواه مسلم. (مشکوٰۃ شریف).

(۳) عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا: وما ریاض الجنة قال: حلق الذکر ، رواہ الترمذی. (مشکوٰۃ شریف ۱۹).

(۴) عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أفضل الذکر لا إلہ إلا اللّٰہ وأفضل الدعاء الحمد للّٰہ . (مشکوٰۃ شریف، ص ۲۰۱).

اسی کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ملا لیجئے جس کو مشکوٰۃ، ص ۵۳۵، بروایت بخاری و مسلم کے نقل کیا ہے یہ گھوڑے کی سواری پر قادر نہ تھے، گر جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر اپنے داستِ مبارک سے مارا اور سوار کرایا اس کے بعد سے کبھی گھوڑے سے نہ گرتے تھے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی واقعہ یاد کر لیجئے جس کو وہ خود نقل فرماتے ہیں:

" فبسطت نمرة لیس علي ثوب غیرها حتی قضی النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم مقالتہ ثم جمعتها إلی صدري فوالذي بعثہ بالحق ما نسیت من مقالتہ ذلک إلی یومي هذا. (بخاری ومسلم (مشکوٰۃ شریف: ۵۳۵) .

اور اسی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ملا لیجئے جس کو حدیث: **" لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیہ من نفسہ ومالہ ووالدہ وولدہ أو کما قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم"** کے تحت محدثین نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مال واولاد سے تو زیادہ محبت آپ کی دیکھتا ہوں لیکن اپنی جان سے

زیادہ نہیں دیکھتا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینہ پر دستِ مبارک سے ٹھونکا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "الآن یا رسول اللّٰہ "یعنی ہاں اب یا رسول اللہ آپ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ پانے لگا، اس روایت کو اشعۃ اللمعات نے بھی نقل کیا ہے یہ سب توجہ نہیں تو اور کیا ہے، علماء نے توجہ باطنی کی بہت سے طرق تفصیل سے نقل فرمائے ہیں ان کو مطالعہ فرمائے امید ہے کہ خلجان رفع ہو جائے گا۔(منتخباتِ نظام الفتاویٰ:۲/۴۰۴۔۴۰۶،قاضی پبلشرز)۔

نیز حضرت گنگوہیؒ نے مناجات بیک آواز پڑھنے کو جائز فرمایا۔ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: باہم آواز ملا کر چند آدمیوں کو خدا کی یا حضرت کی شان میں غزلیں پڑھنا درست ہے یا منع ہے؟

جواب: اس طریق سے مناجات یا مدح پڑھنا بشرطیکہ کوئی فتنہ کا خوف نہ ہو، نہ قید کسی وقتِ خاص کی ہو، نہ مضمون خلافِ شرع ہو، نہ کسی دوسرے کی نماز یا ذکر میں حرج ہوتا ہو، نہ پڑھنے والے کی نماز قضا ہو جانے یا جماعت رہ جانے کا خوف ہو، الغرض تمام مفاسدِ شرعیہ سے خالی ہو تو مباح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔(فتاویٰ رشیدیہ:۵۵۷)۔

اشکال: بعض حضرات فرماتے ہیں بدعت بدعت ہے اگر چہ غیر مقصود ہو، لہذا یہ کہنا کہ مقصود سمجھ کر کرے تو بدعت ہے اور غیر مقصود سمجھے تو بدعت نہیں ہے یہ درست نہیں ہے؟

الجواب: جب کوئی چیز غیر مقصود محض وسیلہ کے طور پر سمجھ کر کی جائے تو وہ

بدعت نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ذکر کو مقصود سمجھنا اور مطلق زیادت عدد کو زیادتِ اجر کا ثواب سمجھنا اور اوضاع وضربات وجلسات کو از قبیل مصالح طبیہ سمجھنا بدعت نہیں، اور خود ان کو قربات سمجھنا بدعت ہے۔(بوادر النوادر، ص ۷۷۹، ادارۂ اسلامیات)۔

اشکال: حضرت گنگوہیؒ کے فتوے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں ذکر جہری کرنا گو جائز بھی ہو لیکن مسجد میں اس کا نہ ہونا مستحسن ہے۔ ملاحظہ ہو ہم سوال اور جواب دونوں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: صوفیائے کرام جو بعد نمازِ مغرب مساجد میں حلقہ کرتے ہیں اور کودتے چلاتے ہیں اور ہوحق کرتے ہیں کہ جس سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور مسجد میں شور وغل پڑ جاتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض علماء نے مسجد میں رفع صوت اگرچہ بذکر ہو مکروہ لکھا ہے، لہذا مسجد میں اس کا نہ ہونا مستحسن ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ تماشا گاہِ عوام ہو جائے... اگرچہ ذکر بجہر یا بکاء اور نالہ مسجد میں جائز بھی ہو۔(فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۵۷۹-۵۸۰)۔

الجواب: حضرت گنگوہیؒ خود مسجد میں ذکر جہری فرماتے تھے۔ تذکرۃ الرشید میں مرقوم ہے: آخر خود ہی اٹھے وضو کیا اور مسجد میں تشریف لائے ایک گوشہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اپنے کام میں مشغول تھے دوسرے گوشہ میں آپ جا کر کھڑے

ہوئے بہ نیتِ تہجد نوافل ادا کئے اور ذکر نفی واثبات بالجہر شروع کردیا۔ (تذکرۃ الرشید)۔
اس واقعہ میں حضرت گنگوہیؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی موجودگی میں مسجد میں ذکر جہری فرمایا۔

مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب مدظلہ نے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے حوالہ سے نقل فرمایا: گنگوہ کی خانقاہ کے پاس ہی ایک تالاب تھا جس کی دوسری طرف ایک مسجد تھی اس مسجد میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کا اپنے تلامذہ و متعلقین کے ساتھ قیام تھا رات کو نصفِ شب کے بعد سے خانقاہ سے بھی ذکر جہری شروع ہوجاتا اور حضرت مولانا یحییٰ صاحب والی مسجد سے بھی۔ (مجالس ذکر جہری، ص: ۳۰)۔
حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: اقول: اس میں اقوال بہت مختلف ہیں فیصلہ وہ ہے جو شامیؒ نے حاشیہ حموی سے امام شعرانیؒ کا قول نقل کیا ہے:

" أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوس جهرهم على نائم أومصل أوقارى.
(جواهر الفقه: ۳/۱۳۲، للمفتي محمدشفيع صاحبؒ).

" الهدية العلائية لطلاب المكاتب الابتدائية " میں علامہ علاء الدین الشامی فرماتے ہیں:

ويستحب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوس جهرهم على نائم. (ص: ۲۳۱).
فتاویٰ ہندیہ میں بھی مسجد کے آداب میں یہ مذکور ہے کہ بغیر ذکر اللہ کے مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔ (عالمگیری: ۵/۳۲۱)۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت گنگوہیؒ اور دیگر فقہاء مسجد میں ذکر جہری کے قائل تھے۔ ہاں سدِ باب کے طور پر اور بعض دوسرے عوارض کی وجہ سے کبھی منع فرماتے تھے جیسے سوال میں مذکور ہے کہ مسجد میں حلقہ کرتے ہیں اور کودتے چلاتے ہیں اور ہوحق کرتے ہیں جس سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور مسجد میں شوروغل پڑ جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

حضرت تھانویؒ نے آداب المساجد کی تقریظ میں تحریر فرمایا ہے اور جنہوں نے علی الاطلاق منع کیا ہے غالب یہ ہے کہ سدِ باب کے طور پر ہے۔(جواہر الفقہ :۱۳۲/۳)۔

احادیث میں مجالس ذکر سے مراد تعلیم وتعلم کی مجالس کا اعتراض اوراس کا جواب:۔

اشکال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ جہاں ذکر کے لیے اجتماع وارد ہے وہاں مجالس علم مراد ہیں اور بیہقی، امام نوویؒ وغیرہ کے حوالے بھی پیش کرتے ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ذکراللہ کبھی کبھی علم کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن عام طور پر ذکراللہ کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں ان سے مراد اصطلاحی و عرفی ذکر ہے، جب فرشتے مجالسِ ذکر کو گھیر لینے کے بعد واپس جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہاں سے آئے ہو، تو فرشتے کہتے ہیں ہم ان لوگوں کے ہاں سے آئے ہیں جو تسبیح تحمید وتکبیر میں مشغول ہیں روایت کے الفاظ ملاحظہ ہو:

"**یسبحونک ویکبرونک ویحمدونک**". (رواہ البخاری: ۲/ ۹٤۸).

اس روایت سے مجالس ذکر ہی مراد ہیں، مجالس علم مراد نہیں، اس حدیث کے ذیل میں علامہ کرمانی تحریر فرماتے ہیں: **فیہ شرف أصحاب الأذکار وأھل**

التصوف الذين يلازمونها ويواظبون عليها . (حاشية البخاری : ۱۵، ۲/ ۹٤۸).
اوراس حدیث پر حافظ ابن حجرؒ نے لمبی تعلیق لکھنے کے بعد تحریر فرمایا ہے جس کے ایک حصہ کو بخاری شریف کے حاشیہ میں نقل کیا گیا ہے؛ " **ويؤخذ من مجموع هذه الطرق المراد بمجالس الذكر وأنها التي تشتمل على مجالس ذكر الله تعالىٰ بأنواع الذكر الواردة من تسبيح وتكبير وغيرهما وعلى تلاوة كتاب الله سبحانه تعالىٰ وعلى الدعاء بخيرى الدنيا والآخرة، و فى دخول قراءة الحديث النبوى ومدارسة العلم الشرعي ومذاكرته و الاجتماع على صلاة النافلة في هذه المجالس نظر، والأشبه اختصاص ذلک بمجالس التسبيح والتكبير ونحوهما والتلاوة حسب، وإن كانت قراءة الحديث ومدارسة العلم والمناظرة فيه من جملة ما يدخل تحت مسمى ذكر الله تعالىٰ**. (فتح الباری : ۱۱/ ۲۱۲، کتاب الدعوات).

یاد رہے کہ بخاری کا حاشیہ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے لکھا اور آخری پانچ پاروں کا حاشیہ جس میں یہ حدیث واقع ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تحریر فرمایا، گویا حضرت نانوتویؒ بھی مذکورہ بالا مضمون سے متفق ہیں، آخری پاروں کے محشی حضرت نانوتویؒ ہیں یہ بات حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے لامع کے مقدمہ میں لکھی اور " الکنز المتواری : ۱/ ٤۷٤" پر موجود ہے۔

امام نوویؒ نے ایک حدیث کے ذیل میں لکھا ہے: " **فيه جواز حلق العلم والذكر**". (حاشیہ مسلم :۲/ ۲۱۷).
امام نوویؒ بھی علم کے حلقوں کو ذکر کے حلقوں سے الگ سمجھتے ہیں اور مشہور حدیث: ''إن

شرائع الإسلام قد كثرت علي فأخبرني بشيء أتشبث به قال: لايزال لسانك رطباً من ذكر الله". سے بھی ذکر معروف مراد ہے، وہ صحابی کہاں مدرس تھے؟

مولانا عبدالحی لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں: **وتأويل الذكر بمذاكرة العلم وآلاء اللّٰه بعيد ولايجوز حمل اللفظ على خلاف المتبادر**. (سباحة الفكر في مجموعة رسائل اللكنويؒ :۳/۳٦).

سب محدثین نے ابوابِ علم کو الگ اور ابوابِ ذکر کو الگ بیان فرمایا گویا دونوں کا جدا ہونا ان کے ہاں مسلمات میں سے تھا، ہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کے پیش نظر بعض محدثین نے مجالس علم کو بھی اس میں شامل فرمایا جیسے وتر معروف وتر کو کہتے ہیں ہاں کبھی کبھی صلاۃ اللیل کو بھی کہتے ہیں۔

لغت میں ذکراللہ کے معنی اللہ کا ذکر کرنا اس کی تعریف کرنا نام لینا ہے۔ (القاموس الوحید:۳/۵۰۲).

اورآیتِ کریمہ: ﴿**يذكرون اللّٰه قياماً وقعوداً وعلى جنوبهم**﴾ (سورة آل عمران، الآية: ۱۹۱). سے بھی بظاہر ذکرعرفی مراد ہے، ذکر علمی نہیں۔

اشکال: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ذکر کے حلقوں سے علم کے حلقے مراد ہیں اس لیے کہ علم کے لیے حلقے ہوتے ہیں، ذکر کے لیے حلقے نہیں ہوتے؟

الجواب: (۱) حلقہ سے ہر جگہ گول دائرہ کی شکل مراد نہیں ہوتی بلکہ حلقہ کے ایک معنی مجلس بھی ہے، عرب کا محاورہ ہے:" **تعلم العلم في حلقة فلان أى في مجلس علمه**. (المعجم الوسيط، ص۱۹۳) **القاموس الوحید** میں حلقہ کے ایک معنی

جماعت اور مجلس بھی تحریر فرمائے ہیں، اگر حلقہ کا مطلب گول دائرہ ہو تو درس میں جو طلبہ صف کی شکل میں بیٹھے ہوں یا تین چار ہوں دائرہ میں نہ ہوں یا طلبہ کی کثرت کی وجہ سے جلسہ کی طرح بیٹھے ہوں تو کیا یہ علم کا حلقہ نہیں ہوگا؟ اگر وہ کہیں کہ ہم فلان حلقہ علم سے مستفیض ہوتے ہیں تو کیا یہ جھوٹ ہوگا؟

(۲) یہ بھی درست نہیں کہ ذکر کے لیے حلقہ نہیں ہوتا بلکہ بہت سی مرتبہ ذاکرین دائرہ کی شکل میں بیٹھتے ہیں، مرشد یا اس کا قائم مقام کچھ نصیحت سنا تا ہے پھر اس کے بعد ذکر کی مجلس کا آغاز ہوتا ہے۔

بدعت اور مندوب کے درمیان دائر ہونے والے عمل کے ترک کا حکم:۔

اشکال: جب بعض حضرات اجتماعی ذکر اور آواز ملانے کو بدعت کہتے ہیں تو پھر اس سے بچنا چاہئے ، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی عمل حلال وحرام اور بدعت وسنت یا مندوب میں دائر ہو جائے تو اس سے بچنا چاہئے؟

الجواب: اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی فقیہ اور مجتہد کے نزدیک سنت و بدعت یا حلال وحرام کے دونوں پہلو جمع ہو جائیں اور کسی ایک جانب کو ترجیح نہ ہو تو بدعت اور حرام کو ترجیح ہوگی اگر اس قانون کو عام کر دیں تو مذاہبِ اربعہ میں سے ہر ایک مذہب کی بیخ کنی ہو جائے گی ، اور زیادہ مکروہات ومحرمات ہی رہ جائیں گے۔

مثلاً ہاتھ میں تسبیح رکھنے کو شیخ البانی مرحوم بدعت کہتے ہیں اور اس سلسلہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں ، لیکن ہمارے تمام اکابرؒ کے ہاں تسبیح ہاتھ میں رکھنے کا معمول ہے ۔ سلفی حضرات اور ان کے مشائخ تصوف کے اشغال واعمال کو بدعت کہتے ہیں تو کیا ہم یہ کہہ کر کہ بدعت واستحباب میں مقابلہ ہو تو بدعت کے قول کو اختیار کریں گے ۔ قنوت الفجر کے بارے میں ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کی روایت مشہور ہے

انہوں نے اپنے والد سے کہا اے ابا جی! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی کیا انہوں نے فجر میں قنوت پڑھی انہوں نے کہا اے میرے پیارے بیٹے یہ بدعت ہے انتہیٰ۔ (بخلاصة مشكوٰة المصابيح مع الحواشي : ص۱۲۳، قبيل قيام شهر رمضان).

اس روایت کے باوجود شافعیہ اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ بدعت واستحباب میں مقابلہ ہے تو استحباب کو چھوڑ دیں۔

پاکستان میں موجودہ اسلامی بینکاری کے نظام کو بہت سارے علماء حرام سمجھتے ہیں لیکن اربابِ حل اپنے موقف پر قائم ہیں اربابِ حل یہ نہیں کہتے کہ حرمت وحل میں حرمت کو لے کر ہم اپنے موقف سے رجوع کرتے ہیں۔

نماز سے پہلے زبانی نیت کو بہت سارے علماء بدعت کہتے ہیں لیکن صاحبِ ہدایہ نے اس کو مستحب فرمایا ہے اور عام علماء اس کو مستحب کہتے ہیں۔

مسح الرقبہ کو ہمارے اکثر حضرات مستحب کہتے ہیں، لیکن امام نوویؒ نے اس کو بدعت کہا اور بدعت واستحباب کے تعارض میں بدعت کو نہیں لیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے "**التلخيص الحبير في تخريج الرافعي الكبير مع المجموع شرح المهذب**" میں تحریر فرمایا: **وزاد النوويؒ في موضع آخر لم يصح عن النبي صلى الله عليه وسلم فيه شيء وليس هو سنة بل بدعة، ولم يذكره الشافعيؒ ولا جمهور الأصحاب**. (التلخيص الحبير: ۱/۴۳۲).

بلکہ خود قاضیخانؒ نے فرمایا: **فليس بأدب ولا سنة** . (كبيرى ،ص۲۵).

تو کیا ہم لوگوں کو اس کے ترک کا مشورہ دیں گے، ہاں جہاں فقہاء کرام کسی فعل کے

ترک کا مشورہ دیں تو اس کو چھوڑ نا چاہیئے۔

ہدایہ میں ہے:

أما الذكر باللسان فلا معتبر به يحسن ذلك لاجتماع عزيمته. (الهداية: ١/ ٩٦).

حاشیہ میں مولانا عبدالحیؒ صاحب نے فرمایا ہے کہ اس کے بدعت ہونے سنت ہونے مکروہ ہونے مستحب ہونے میں بہت اختلاف ہے لیکن اس کو حسن قرار دیا ہے۔ (حاشیہ ۱۳).

ملا خسروؒ نے تحریر فرمایا کہ علامہ زیلعیؒ نے ابوجعفرؒ سے نقل کیا ہے کہ عوام الناس کو ذکر بالجہر سے نہیں روکنا چاہیئے امورِ خیر میں قلتِ رغبت کی وجہ سے۔ (کتاب الدرر فی شرح الغرر، ص۱۴۲).

حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں فرمایا: بلکہ عدمِ مشروعیت ذکر بالجہر کو بھی ترجیح دی جائے تب بھی عوام منع نہ کریں کہ اس بہانہ سے کچھ خیر کر گزرتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/۱۵۴).

ملا خسرو اور حضرت تھانوی نے یہ نہیں نہیں فرمایا کہ کسی فعل کے بدعت اور ندب میں دائر ہونے کی وجہ سے یہ فعل واجب الترک ہے۔

اور یہ قاعدہ کلیہ بھی نہیں ہے بلکہ فقہاء نے اس کے ساتھ مستثنیات بھی بیان کیے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

وخرجت عن هذه القاعدة مسائل:

الأولىٰ: من أحد أبويه كتابي، والآخر مجوسي، فإنه يحل

نكاحة وذبيحته، ويجعل كتابياً، وهي تقتضي أن يجعل مجوسياً ...

والثانية : الاجتهاد فى الأواني إذا كان بعضها طاهراً، وبعضها نجساً، والأقل نجس، فالتحري جائز ...

والثالثة : الاجتهاد في ثياب مختلطة بعضها نجس، وبعصها طاهر جائز، سواء كان الأكثر نجساً أو لا...

الرابعة : لوسقى شاة خمراً ثم ذبحها من ساعته فإنها تحل بلاكراهة، كذا فى البزازية، ومقتضى القاعدة التحريم...

الخامسة : أن يكون الحرام مستهلكاً فلو أكل المحرم شيئاً قد استهلك فيه الطيب، فلا فدية ...

السادسة: إذا اختلط مائع طاهر بماء مطلق فالعبرة للغالب، فإن غلب الماء جازت الطهارة به...

السابعة : لو اختلط لبن المرأة بماء أو بدواء أو بلبن شاة فالمعتبر الغاب ...

الثامنة : إذا كان غالب مال المهدي حلالاً ، فلا بأس بقبول هديته، وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام ...

التاسعة: إذا اختلطت الحمامة المملوكة بغيرالمملوكة فظاهر كلامهم أنه لاتحرم ...

العاشرة: قال فى القنية من الكراهة غلب على ظنه أن أكثر بياعات أهل السوق لاتخلو عن الفساد، فإن كان الغالب هو الحرام تنزه عن

شــراء ہ ولـكـن مـع هــذا لــو اشتــراه يـطيـب لــه ... (الاشبـاہ والنظائر: ۳۰۶/۱ـ۳۰۹، تحت القاعدة الثانية "اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام").

حضرت شیخ کے خلفاء کے اقوال سے اشکال اور جواب:۔

اشکال: بعض حضرات حضرت شیخ مولانا زکریا صاحبؒ اور ان کے اجل خلفاء کے اقوال کو ذکر اجتماعی کی نفی میں پیش کرتے ہیں اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو استدلال میں پیش کرتے ہیں؟

الجواب: ان حضرات کے عمل کو دیکھنے والے سینکڑوں لوگ بقیدِ حیات ہیں، اور ان حضرات کے اعمال واشغال میں ختم خواجگان شامل تھا اور یہ تمام سلاسل میں ہے، ختمِ خواجگان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک صاحب کہتے ہیں استغفر اللہ العظیم مثلاً سو مرتبہ پھر شرکاء سراً پڑھتے ہیں پھر کہتا ہے درود شریف سو مرتبہ پھر شرکاء سراً پڑھتے ہیں الی آخرہ،

اور یہ ختم خواجگان کا عمل حضرت تھانویؒ کے آخری خلیفہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ کے ہاں بھی معمول تھا، مولانا سلمان گھانچی صاحب جو عرصہ دراز تک ہردوئی میں مقیم رہے انہوں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا۔

" وليس الخبر كالمعاينة ".

بلکہ خود حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں ختم خواجگان کو بلا کراہت جائز تحریر فرمایا ہے، ہاں اس کا عادی بن جانا اور اس پر پابندی کروانا ٹھیک نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو: (امداد الفتاویٰ: ۲۰۵/۱).

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے جو عمل ہوا وہ اس ختمِ خواجگان سے زیادہ مشابہ ہے، حضرت شیخ اور ان کے خلفاء یہ عمل فرماتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت یا صحیح نہیں تھی یا مرجوح یا مؤول تھی نیز حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ہاں اجتماعی مجلس ذکر ہوتی تھی ہاں تان کی صورت میں نہیں ہوتی تھی حضرت نے تان اور گانے کے سر لگانے کو پسند نہیں فرمایا اور ایک شخص کی اقتداء میں آواز میں زبردستی موافقت کرنے کو پسند نہیں فرمایا بلکہ کسی کا ذکر پہلے کسی کا بعد میں ختم ہوتا تھا۔

علاوہ ازیں حضرت گنگوہیؒ نے باہم آواز ملا کر مناجات پڑھنے کو جائز فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رشیدیہ: ۵۵۷، اسلامی کتب خانہ، کراچی)۔

موقوف کو مرفوع پر ترجیح دینے کا اعتراض اور اس کا جواب:

اشکال: ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا ایک جواب یہ دیا تھا کہ یہ روایت موقوف ہے جو مرفوع کے مقابلہ میں مرجوح ہے۔ لیکن پاکستان کے ایک مولوی صاحب نے المسامیر النار یہ نامی کتاب جو مولانا سرفراز صفدر صاحبؒ اور مفتی محمد فرید صاحبؒ کے خلاف لکھی ہے اس میں لکھا ہے کہ مرفوع روایت موقوف کے مقابلہ میں اولیٰ اور اصح ہے یہ درست نہیں بلکہ متعدد جگہوں پر امام ترمذیؒ نے موقوف روایت کو مرفوع پر ترجیح دی ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: مرفوع جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل ہے موقوف کے مقابلہ میں جو صحابی کا قول وفعل ہے راجح ہے، اس کے دلائل ملاحظہ کیجئے:

مولانا عبدالحی لکھنویؒ اپنے رسالہ " **الأجوبة الفاضلة من الأسئلة العشرة الكاملة**" میں اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" **والحق في هذا المقام أن قول النبي صلى الله عليه وسلم وفعله أحق بالاتباع وقول غيره أوفعله لايساويه فى الاتباع**".

(الاجوبةالفاضلة،ص ۲۲۵).

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قواعد فی علوم الحدیث میں تحریر فرمایا ہے:

والمصرح بالسماع والوصل أولىٰ من المعنعن إذا كان من مدلس ومقطوع الرفع أرجح مما اختلف في رفعه إلا ما ليس للرأي فيه مجال فالوقف هناك كالرفع . (قواعد فی علوم الحدیث ،ص:۳۰۳).

شیخ عبدالعلی محمد بن نظام الدین الہندی نے " **فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت** " میں لکھا ہے:

فيرجح مقطوع الرفع على ما اختلف فى رفعه . (۲/۲٦٤).

اشاعت التوحید کے ایک بڑے عالمِ دین مولانا عبدالجبار صاحب نے مویشیوں کی حفاظت رات کو مالک کے ذمے اوردن کو باغات کی حفاظت باغبان کے ذمے والی روایت کے ذیل میں لکھا ہے: یہ موقوف روایت مرفوع متفق علیہ کے مقابلے میں حجت نہیں۔(التعليق الصحيح على مشكوٰة المصابيح :٤٣٦) .

دوسری جگہ مالِ مستفاد پر حولانِ حول کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے لہذا مرفوع کے مقابلے میں مرجوح ہے۔ (التعليق الصحيح على مشكوٰة المصابيح :۳۰۸) .

حضرت مدنی فرماتے ہیں: ان مرفوعاتِ صحیحہ کے مقابلے میں دارمی کی روایت کی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ (فتاویٰ شیخ السلام، ص ۶۹، مکتبہ دینیہ دیوبند)۔

شیخ عبدالالہ بن حسین العرفج نے ''مفهوم البدعة'' میں (ص ۴۲۳) پر صحیح احادیث کی روشنی میں اجتماعی ذکر کو ثابت فرما کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا درجِ ذیل جواب دیا ہے۔ مختصر عبارت ملاحظہ کیجئے:

فكل تلك الأحاديث يفيد جواز الاجتماع للذكر، وهي معارضة لأثر عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، فلا بد أن يكون لإنكاره سبب آخر غير قضية الاجتماع للذكر، وإلا فالمقدم سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم على غيره، كائناً من كان، كما قال عبد الله بن عباس رضي الله عنه: أراهم سيهلكون، أقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم، ويقول: نهى أبوبكر رضي الله عنه وعمر رضي الله عنه". (أخرجه الإمام أحمد فی مسنده، رقم: ۳۱۲۱، قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف).

وقال ابن حجرؒ: وبرة بن عبد الرحمن قال: كنت جالساً عند ابن عمر رضي الله عنه فجاءه رجل فقال: أيصلح لي أن أطوف بالبيت قبل أن آتي الموقف؟ فقال: نعم، فقال: فإن ابن عباس رضي الله عنه يقول: لاتطف بالبيت حتى تأتي الموقف، فقال ابن عمر رضي الله عنه: قد حج رسول الله صلى الله عليه وسلم فطاف بالبيت قبل أن يأتي الموقف، فبقول رسول الله صلى الله عليه وسلم أحق أن نأخذ أو بقول ابن عباس رضي الله عنه إن كنت صادقاً.

(فتح الباری: ۳/ ۴۷۸، باب من طاف بالبيت اذاقدم مكة...).

لیکن کبھی کوئی حدیث مرفوعاً اور موقوفاً دوسندوں سے مروی ہوتی ہے اور موقوف کی سند مرفوع سے اصح ہوتی ہے یا موقوف متعدد اسانید سے مروی ہوتی ہے، یا اس کے متابعات ہوتے ہیں، اس لیے اس خاص حدیث میں موقوف والی سند کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن اگر ایک مسئلہ مرفوع حدیث میں مروی ہو اور اس مسئلہ کے خلاف موقوف روایت میں مروی ہو تو وہاں مرفوع کو ترجیح ہوگی۔

ہم جامع ترمذی سے موقوف اسناد کو مرفوع پر ترجیح کی چند مثالیں ذکر کرتے ہیں کہ مسئلہ قارئین کے سامنے الم نشرح ہو جائے۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حدثنا أبوعمار الحسين بن حريث قال: حدثنا محمد بن يزيد الواسطي، عن إسماعيل بن مسلم المكي عن أبي الزبير عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الطفل لايصلى عليه ولا يرث ولايورث حتى يستهل هذا حديث قد اضطرب الناس فيه فرواه بعضهم عن أبي الزبير عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم مرفوعاً وروى أشعث بن سوار وغير واحد عن أبي الزبير عن جابر رضي الله عنه موقوفاً وكان هذا أصح من الحديث المرفوع. (رواه الترمذي: ۱/۲۰۰، ط: فيصل).

یہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مرفوعاً وموقوفاً مروی ہے اور امام ترمذیؒ نے مرفوع روایت پر موقوف کو سند کے اعتبار سے ترجیح دی ہے کیونکہ مرفوع کی سند میں اسماعیل بن مسلم المکی ضعیف ہے۔

قال أبوطالب: قال أحمد بن حنبل: إسماعيل بن مسلم المكي منكر الحديث. وقال أبوزرعة: ضعيف الحديث. (تهذيب الكمال: ۳/۲۰۱).

خلاصہ یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے یہاں مرفوع کے ضعف کی وجہ سے موقوف کوترجیح دی ہے۔

(۲) حدثنا ابن أبی عمر حدثنا سفیان بن عیینة عن أبی إسحاق عن الحارث عن علي رضی اللہ عنہ قال: یوم الحج الأکبر یوم النحر. قال أبوعیسیٰ: ولم یرفعه وهذا أصح من الحدیث الأول وروایة ابن عیینة موقوفاً أصح من روایة محمد بن إسحاق مرفوعاً . (سنن الترمذی:۱/ ۱۹۰، فیصل).

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کوموقوفاً ومرفوعاً دونوں طرح روایت کرنے کے بعد موقوف کومرفوع پرترجیح دی ہے کیونکہ مرفوع روایت میں دوطرح سے ضعف ہے(۱) محمد بن اسحاق کاعنعنہ ،اور(۲) حارث اعورکاضعف۔(التقریب:۶۰)اورطریق موقوف میں حارث اعور ہے لیکن محمد بن اسحاق کاعنعنہ نہیں۔

(۳) حدثنا ابن أبي عمر، قال:حدثنا بشربن السری ، قال: حدثنا حماد بن سلمة عن أیوب عن أبي قلابة ، عن عبد اللّٰه بن یزید عن عائشةؓ أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم کان یقسم بین نسائه، فیعدل ویقول: اللّٰهم هذه قسمي فیما أملک ، فلا تلمني فیما تملک ولا أملک. حدیث عائشةؓ هکذا رواه غیر واحد ، عن حماد بن سلمة ، عن أیوب ، عن أبي قلابة مرسلاً ، وهذا أصح من حدیث حماد بن سلمة .

قال أبوزرعة : لا أعلم أحداً تابع حماد بن سلمة علی وصله. وفي تعلیق الجامع الکبیر(۲/ ۶۱۰) رجاله ثقات علی شرط مسلم إلا أنه اختلف في وصله وإرساله والمرسل هوالصواب .

بایں وجہ امام ترمذیؒ نے مرسل کو مرفوع پر ترجیح دی ہے۔

(۴) حدثنا أبوسلمة يحيى بن خلف، ومحمد بن عبد الله بن بزيع قالا: حدثنا ابن أبي عدى، عن شعبة، عن يعلى بن عطاء عن أبيه عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لزوال الدنيا أهون على الله من قتل رجل مسلم.

حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا محمد بن جعفر قال: حدثنا شعبة عن يعلى بن عطاء عن أبيه عن عبد الله بن عمرو نحوه ولم يرفعه.

قال أبوعيسىٰ: وهذا أصح من حديث ابن عدى... وهكذا روى سفيان الثورى، عن يعلى بن عطاء موقوفاً وهذا أصح من الحديث المرفوع. (سنن الترمذی: ۱/۲۵۹، ط: فیصل).

امام ترمذیؒ نے موقوف روایت کو متعدد طرق سے روایت کرنے کے بعد موقوف کو مرفوع پر ترجیح دی ہے۔ متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث غیر معمول بہ ہونے پر اشکال وجواب:۔

اشکال:(۱) جب احناف کا مذہب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر مبنی ہے تو اس مسئلہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے انکار کو کیوں ترک کیا جارہا ہے؟

الجواب: اگر یہ موقوف روایت بالفرض ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہوتی تو پھر بھی دیگر دلائل کی وجہ سے بہت مرتبہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل یا مسلک کو ترک کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تعویذ کو مکروہ کہتے تھے: **وکان ابن مسعودؓ یکرهه** . (زادالمعاد: ٤/ ٣٥٦) جب کہ حضرت تھانویؒ نے تعویذات میں اعمالِ قرآنی تحریر فرمائی ہے۔یعنی حضرت نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس مسئلہ کو نہیں لیا۔

مزید چند مثالیں ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں:

(۱) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿**إلا ما ظهر منها**﴾ (سورة النور، الآية:). کی تفسیر ثیاب کے ساتھ مروی ہے لیکن احناف کے اصل مذہب میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو لیا گیا ہے۔**وهو الوجه والكفان** ۔(ملاحظہ ہو: روح

المعانی:۱۸/۱۴۰،۱۴۱۔الہدایۃ ۴/۴۵۸،فصل فی الوطی والنظر والمس).

(۲)﴿أولامستم النساء﴾(سورۃ النساء،الآیۃ:). کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے الملامسۃ بالید ثابت ہے لیکن مذہبِ احناف میں جماع والی تفسیر پر فتویٰ ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر ماوردی میں ہے:

أولامستم النساء، وفي هذه المسئلة قولان : أحدهما : الجماع ، وهو قول علي رضی اللہ عنہ ، وابن عباس رضی اللہ عنہ والحسنؒ وقتادةؒ ومجاهدؒ. والثاني: أن الملامسة باليد والإفضاء ببعض الجسد وهوقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ...وبه قال الشافعيؒ. (النكت والعيون ،تفسيرالماوردى :١/٤٩١،سورة الآية :٤٣).

علامہ آلوسی مفتی بغداد فرماتے ہیں:

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ...أن المراد بالملامسة مادون الجماع أى "مامستم بشرتهن ببشرتكم" وبه استدل الشافعيؒ على أن اللمس ينقض الوضوء...وذهب أبوحنيفةؒ إلى أنه لاينتقض الوضوء بالمس ولو بشهوة...و رجح بعضهم الحمل على الجماع...وهوالأوفق بمذهبنا.
(روح المعانى:٥/٤٢).

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز کے سلام میں " السلام عليكم ورحمة الله وبركاته" پڑھتے تھے اور یہ صحیح سند سے مرفوعاً ثابت ہے، مگر احناف نے وبرکاتہ کو نہیں لیا۔

ملاحظہ مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن أبي عبيدة بن عبد اللّٰه أن ابن مسعود ﷺ كان يسلم عن يمينه " السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته" وعن يساره : "السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته"، يجهربكلتيهما. (مصنف عبدالرزاق : ۲/۲۱۹/۳۱۲۹،المجلس العلمی).

صحیح ابن حبان میں ہے:

عن عبد اللّٰه "أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يسلم عن يمينه وعن يساره حتى يرى بياض خده : " السلام عليكم ورحمة اللّٰه ، السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته". (صحيح ابن حبان:٤/٢٢٣/١٩٩٠).

وقال شعيب الأرنؤوط في تعليقه على صحيح ابن حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم. (باب صفة الصلاة : ٥/٣٣٣/١٩٩٣).

(وكذا رواه الطبرانی فی معجمه الكبير: ١٠/١٢٥/١٠١٩٩ ـ وابوداودالطيالسی فی مسنده: ١/٢٣٠/٢٨٤).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

(قوله ورده الحلبی) يعنی المحقق ابن أميرحاج حيث قال فی الحلية شرح المنية بعد نقله قول النووی إنها بدعة ولم يصح فيها حديث...لكنه متعقب فی هذا فإنها جاء ت في سنن أبي داود من حديث وائل بن حجر ﷺ بإسناد صحيح . وفی صحيح ابن حبان من حديث عبداللّٰه بن مسعود ﷺ، ثم قال : اللهم إلا أن يجاب بشذوذها

وإن صح مخرجها.(فتاوی الشامی: ۱/۵۲٦، سعید).

(۴) اگر مصلی نے مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قراءت پڑھی تو قراءت میں محسوب نہیں۔ عالمگیری میں ہے:

والصحيح عن الجواب في هذا أنه إذا قرأ بما في مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ أوغيره لايعتد من قراءة الصلاة أما صلاته لاتفسد حتى لو قرأ مع ذلك شيئاً مما في مصحف العامة مقدار ماتجوز به الصلاة تجوز صلاته كذا في المحيط. (الفتاوی الهندية:۱/۸۲).

بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کو نذرِ آتش کیا تھا۔(ملاحظہ ہو: مقدمہ معارف القران:۱/۴۴،وعلوم القران وغیرہ).

حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان سے قرآن سیکھو، ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سرفہرست ہے۔

ملاحظہ ہو امام بخاریؒ اپنی سند سے روایت بیان فرماتے ہیں:

عن سليمان قال: سمعت أباوائل قال: سمعت مسروقاً قال: قال عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ إن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن فاحشاً ولامتفحشاً، وقال: إن من أحبكم إلي أحسنكم أخلاقاً وقال: استقرءوا القرآن من أربعة من عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ وسالم رضی اللہ عنہ مولى أبي حذيفة رضی اللہ عنہ وأبی بن كعب رضی اللہ عنہ ومعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ. (رواه البخاری: ۱/۵۳۱،مناقب عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ).

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تسبیح کے بارے بھی انکار ثابت ہے لیکن چونکہ روایت ضعیف ہے اس وجہ سے ہمارے تمام اکابرؒ نے تسبیح کو اختیار فرمایا کسی سے انکار منقول نہیں ہے کیونکہ صحیح روایت میں ہے:

إن لله تسعة وتسعين اسما مائة إلا واحداً من أحصاها دخل الجنة. (رواه البخاری) اس حدیث میں لفظ "احصی" ہے اس کے لغوی معنی "**العد بالحصیٰ**" ہے یعنی کنکریوں سے گننا اور شمار کرنا، (المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۲۱).

لہذا اس صحیح روایت سے تسبیح کا ثبوت ملتا ہے تو ضعیف کو ترک کر دیا اسی طرح ذکر جہری کا ثبوت صحیح روایت سے ملتا ہے اور ابن مسعودؓ کی روایت اس کے مقابلے میں مرجوح ہے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ملاحظہ ہو:

نا أسد عن جرير بن حازم، عن الصلت بن بهرام قال: "مر ابن مسعود بامرأة معها تسبيح تسبح به، فقطعه وألقاه، ثم مر برجل يسبح بحصا، فضربه برجله، ثم قال: لقد سبقتم! ركبتم بدعة ظلماً! ولقد غلبتم أصحاب محمد ﷺ علماً!. (سلسلة الأحاديث الضعيفة: ١/١١٢/٨٣).

وجوابه: ١ ـ ان الحديث منقطع، لان الصلت ما لقى ابن مسعود رضی اللہ عنہ.

٢ ـ وكان يذكر بالارجاء.

(الجامع فى الجرح والتعديل ١/ ٤٠٠ ـ لسان الميزان ٤/ ٣٢٦ ـ تهذيب التهذيب ٤/ ٣٩٧)

راوی ثقہ ہے لیکن لقاء ثابت نہیں اور مرجئیہ ہونے کی تہمت ہے۔ (فتاوی دار العلوم زکریا: ۱/ ۴۳۸، زمزم پبلشرز).

یہ ضعیف روایت تسبیح کے ترک پر دال ہے۔

تسبیحات کو دانوں پر شمار کرنے کا ثبوت

بہت ساری روایات میں تسبیحات کو تسبیح کے دانوں پر شمار کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو مستدرک حاکم میں ہے:

حدثنا علی بن حمشاد العدل ثنا هشام بن علی السدوسی ثنا شاذ ابن فیاض ثنا هاشم بن سعید عن کنانة عن صفیةؓ قالت: دخل علی رسول اللّٰه ﷺ وبین یدی أربعة آلاف نواة أسبح بهن فقال: یا بنت حیی ما هذا قلت: أسبح بهن قال: قد سبحت منذ قمت علی رأسک أکثر من هذا قلت علمنی یا رسول اللّٰه قال قولی سبحان اللّٰه عدد ما خلق من شیء . هذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاه. قال الذهبي صحیح.

(المستدرك على الصحيحين: ١/٥٤٧).

(وله شاهد من حدیث المصریین بإسناد أصح من هذا)

حدثناه إسماعیل بن أحمد الجرجانی ثنا محمد بن الحسن بن قتیبة العسقلانی ثنا حرملة بن یحییٰ أنبأنا وهب أخبرنی عمرو بن الحارث أن سعید بن أبی هلال حدثه عن عائشة بنت سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ عن أبیها أنه دخل مع النبی ﷺ علی امرأة وبین یدیها نوی أو حصی فقال: أخبرک بما هو أیسر علیک من هذا وأفضل قولی سبحان

اللّٰہ عدد ما خلق فی الأرض تسبح فقال سبحان اللّٰہ عدد مابین ذلک وسبحان اللّٰہ عدد ما ھو خالق واللّٰہ أکبرمثل ذلک والحمد للّٰہ مثل ذلک ولا إلہ إلا اللّٰہ مثل ذلک ولا قوۃ إلا باللّٰہ مثل ذلک.قال الذھبی صحیح. (المستدرك علی الصحیحین:۱/ ۵۴۸).

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا ابن علیة عن الجریری عن أبی نضرۃ عن رجل من الطفاوۃ قال:نزلت علی أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ومعہ کیس فیہ حصی أونوی فیقول:سبحان اللّٰہ،سبحان اللّٰہ، حتی إذا نفد ما فی الکیس ألقاہ إلی جاریة سوداء فجمعته ثم دفعته إلیه.(مصنف ابن أبی شیبة: ۵/۲۱۷/۷۷۴۳)

قال الشیخ محمد عوامه:الطفاوی،مجھول. (تعلیق الشیخ محمد عوامة علی المصنف:۵/۹۵ /۷۳۳۱).

أخرج الإمام أحمد فی "العلل ومعرفة الرجال"(۱۷۹۶) عن یونس بن عبید عن أمه قالت: رأیت أبا صفیة رجل من أصحاب رسول اللّٰہ ﷺ وکان جارنا ھھنا قالت: فکان إذا أصبح یسبح بالحصی.

وأیضاً أخرجه ابن سعد فی الطبقات الکبری (۷/ ۶۰، دارصادر).

وأخرج أبونعیم الأصبھانی في حلیة الأولیاء (۱/۳۸۳، ط: بیروت)

عن نعیم بن محرر بن أبی ھریرۃ عن جدہ أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أنه کان له خیط فیه ألفا عقدۃ فلا ینام حتی یسبح به .

وأیضاً ذکرہ الحافظ الذھبی فی" سیر أعلام النبلاء"(۲/۶۲۳)،

وفـي" تـذكرة الحفاظ "(١/٣٠)، و ابـن كثير فى " البداية و النهاية" (٨/ ١٢٠) وقـال: إنـه كـان له خيط فيه عشر ألف عقدة يسبح به قبل أن ينام وفي رواية ألفا عقدة فلا ينام حتى يسبح به ، وهو أصح من الذي قبله.

وعـن جـابر عن امرأة حدثته عن فاطمة بنت الحسين [بن على بـن أبـى طـالـب] أنهـا [أى فـاطمة بنت الحسين] كا نت تسبح بخيوط مـعقود فيها. (اخـرجـه ابـن سـعـد فـى الطبقات:٨/٤٧٤، و ابن عساكر فى تاريخ مدينة دمشق:٧٠/٢٢).

وفـى إسناده عبيد الله بن موسى: وهو ثقة ، شيعى، وحديثه فى الـكتب الستة . راجع : (تهـذيـب الـكـمـال: ١٩/١٦٤ـ١٧٠،و سيـراعلام النبلاء: ٩/٥٥٣ـ٥٥٦).

وامرأة مجهولة . فالحديث ضعيف.

مرقات میں ہے:

هذا أصل صحيح لتجويز السبحة لتقريره صلى الله عليه وسلم تـلـك المرأة فإنه فى معناها إذ لافرق بين المنظومة والمنثورة فيما يعد به ولايعتد بقول من عدها بدعة، وقد قال المشايخ انها سوط الشيطان.
(مرقاة المفاتيح:٥/١١٤)

مصنف ابن أبی شیبہ میں ہے:

عـن مولاة لسعد: أن سعداً كا ن يسبح بالحصى والنوى. (مصنف ابن أبى شيبة:٥/ ٢١٧/ ٧٧٤١).

شیخ البانی تسبیح لینے کو ناجائز کہتے ہیں اس مسئلہ میں ان کے اور شیخ عبداللہ الہرری الحبشی کے درمیان تحریری مباحثات ہوئے، شیخ ہرری کے اس سلسلہ میں دو رسالے مطبوع ہیں: ''التعقب الحثیث'' اور ''نصرة التعقب الحثیث علی من طعن فیما صح من الحدیث''.

اشکالات:

۱۔ منها: ان فی اتخاذ السبحة شبهة الرياء والسمعة فيجب اجتنابها وترک الاخذ بها.

جوابه: ان اتخاذها إذا كان مفضياً إلى الرياء فلا ريب فى الامتناع عنها وكذلک كل تطوع أومباح إذا أفضى إلى الرياء فهو واجب الامتناع.

ولا كلام فيه إنما الكلام إذا خلا عن هذه الشبهة لاسيما إذا اقترن به التشبه بالاجلة.

وأما فى هذا الزمان فالتسبيح علامة التاخر والتخلف عند عامة الناس فأى تفاخر يوجد فيه.

۲. منها: أنه لو كان فيه حسن ما لاتخذها النبى ﷺ وهدى أصحابه إليها وإذ ليس فليس.

وجوابه: أنه ليس كل ما لم يفعله النبى ﷺ بنفسه فهو ليس بحسن، فان ما رغب إليه، أوقرر عليه، أوعلى نظير له وجد بين يديه أيضاً حسن. (إذ لم يؤسس الجامعات ولارتب منهج الدراسات ولانظم نظام الاجازات والتخصصات). (مأخوذ من نزهة الفكرص۲۶) والتقرير أيضاً حديث وقد ثبت

تقريره للسبحة كمامر.

۳۔ ان بعض الفقهاء قد حكم على ان مطلق العد بدعة.

وجوابه: انه ليس ببدعة لان له أصلاً وهو تسبيح بعض الصحابة بالحصى. (مع تقرير رسول اللهﷺ). (الفتاوى المهمة لفضيلة الشيخ محمد صالح العثيمين ص٨٩٤)

٤ ـ قال الشيخ الالبانيؒ(كان يسبح بالحصى) موضوع. (الضعيفة: ٣/٤٧)

وجوابه: ان الأمام أحمد ذكره بسند آخر.

أخرج أحمد في الزهد: نا عفان نا عبد الواحد بن زياد عن يونس بن عبيد عن أمه قالت رأيت أبا صفية رجل من أصحاب رسول اللهﷺ وكان جارنا قالت فكان يسبح با لحصى.

(نزهة الفكرفى سبحة الذكر:ص:١١)

٥ ـ قال الألباني: مر ابن مسعودؓ بامرأة معها تسبيح تسبح به فقطعه وألقاه ثم مربرجل يسبح بحصا فضربه برجله ثم قال لقد سبقتم ركبتم بدعة ظلماً ولقد غلبتم أصحاب محمدﷺ علماً. وسنده إلى الصلت صحيح وهو ثقة من اتباع التابعين. (الضعيفة:١/١١٢)

وجوابه: ١ ـ ان الحديث منقطع لان الصلت ما لقى ابن مسعودؓ.

٢ ـ وكان يذكر بالارجاء. (الجامع فى الجرح والتعديل ١/٤٠٠ ـ لسان الميزان ٤/٣٢٦ ـ تهذيب التهذيب ٤/ ٣٩٧).

راوی ثقہ ہے لیکن ابن مسعودؓ سے لقاء ثابت نہیں اور مرجئیہ ہونے کی تہمت ہے۔

۳۔حدثنا أبومعاوية عن الاعمش عن ابراهيم قال: كان عبد الله يكره العدد ويقول ايمن على الله حسناته؟ (مصنف ابن ابی شیبة:۵/ ۲۲۰)

اس میں ریا کاری کے لئے شمار کرنے کی ممانعت ہے۔اور یہ ابن مسعودؓ کی ذاتی رائے بھی ہوسکتی ہے۔

٦۔ قال الشيخ الألبانيؒ : ان الناس قد تفننوا فی الابتداع بهذه البدعة ......وبعضهم يعدبها وهويحدثک أويستمع لحديثک. (الضعیفة:۱/ ۱۱۷)

وجوابه:ان الغفلة ليست بمخصوصة بالسبحة فقط بل تعرض كل عمل.

اکثروبیشتر تسبیح یاددہانی کا ذریعہ ہوتی ہے اس لئے اس کو ''مُذ کِّرہ'' کہتے ہیں۔

خلاصہ: تسبیح کا ثبوت بہت ساری روایات میں ملتا ہے اورعلامہ ابن تیمیہؒ کا اشکال اپنے اہلِ زمانہ پر مبنی ہے جنھوں نے اس کو اپنا شعار بنالیا تھا، ورنہ خود فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: **وأماعده بالنوى والحصى ونحوذلک فحسن،وكان من الصحابةؓ من يفعل ذلک وقد رأى النبی ﷺ أم المؤمنينؓ تسبح بالحصى،وأقرها على ذلک، وروى أن أباهريرةؓ كان يسبح به.**

وأما التسبيح بما يجعل فی نظام الخرزوغيره،فمن الناس من كرهه ومنهم من لم يكرهه ، وإذا أحسنت فيه النية فهوحسن. (فتاوی ابن تیمیه ۵۰۶/۲۲).

قال السيوطی:ولم ينقل عن أحد من السلف ولا من الخلف المنع من جواز عد الذكر بالسبحة. (المنحة فی السبحة:ص۷۔نیل الاوطار :۲/ ۳۲۸).

تسبیحات کودانوں پرشمار کرنے سے متعلق مزید تحقیق

ہمارے بعض معاصر علماء تسبیحات کودانوں پرشمار کرنے کوبدعت کہتے ہیں اوراستدلال میں درجِ ذیل روایت پیش کرتے ہیں:

أخرج الإمام أبو داود عن حميضة بنت ياسر عن يسيرة أخبرتها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أمرهن أن يراعين بالتكبير والتقديس والتهليل وأن يعقدن بالأنامل فإنهن مسئولات مستنطقات .

(ابو داود شریف : ۱/ ۲۱۷، باب التسبیح بالحصی، امدادیہ ، ملتان).

الجواب: یہ روایت ضعیف ہے اس میں حمیضہ بنت یاسر مجہولہ ہے اور ہانی بن عثمان کا تفرد ہے، سوائے ابن حبان کے کسی اور نے توثیق نہیں کی اور شیخ البانی صاحب کے قاعدہ کے مطابق یہ روایت بالکل ضعیف ہے۔اس کی مکمل تخریج ملاحظہ کیجئے:

وأيضاً أخرجه ابن أبى شيبة (۲/ ۱۶۰/ ۷۶۵۶، و۶/ ۵۳/ ۲۹۴۱۴ و ۷/ ۱۶۸/ ۳۵۰۳۸) ، **وأحمد** (۶/ ۳۷۰/ ۲۷۰۸۹) ، **وإسحاق بن راهويه** (۱/ ۱۹۸: ۱۹۹)، **و ابن سعد فى الطبقات** (۸/ ۳۱۰) ، **والدورى فى تاريخ**

يحيى بن معين (۳/۵۱)، وعبد بن حميد في المنتخب (۱۵۷۰)، والترمذی (۳۵۸۳) وابن أبي عاصم فی الأحاد والمثانی (۳۲۸۵/۷۳/٦)، وابن حبان في صحيحه(۸٤۲/۱۲۲/۳)والطبرانی فی الكبير (۱۸۰/۷٤/۲٥) والأوسط (۵۰۱٦/۱۸۲/٥)، والحاكم في المستدرک (۲۰۰۷/۷۱۳/۱)، وأبونعيم في الحلية (۶۸/۲)،والرافعی في التدوين فی اخبار قزوين (۵۲/۳)، والمزی فی تهذيب الكمال (۱٤۱/۳۰) جميعاً من طريق هانی بن عثمان عن أمه حميضة بنت ياسر عن جدتها يسيرة وكانت من المهاجرات .

والحديث صححه الذهبي مع أن الحاكم سكت عنه ، وحسنه النووي فی الأذكار والحافظ بن حجر والشيخ الألباني .

قلت: إسناده ضعيف ؛ فيه حميضة بنت ياسر قال ابن حجرفی التقريب: مقبولة ، وقال الشيخ بشار فی التحريرعلى التقريب: بل مجهولة ، فقد تفرد ابنها هانی بن عثمان الجهنی بالرواية عنها ، وذكرها ابن حبان فی الثقات (۲٤٦۳/۱۹٦/٤)، وذكرها الذهبی فی المجهولات من الميزان . (تحريرتقريب التهذيب: ٤/٤١٠/٨٥٧٠).

قال الشيخ مصطفى العدوی فی تعليقاته على مسند عبدبن حميد: ضعيف، حميصة مجهولة ، وهانی بن عثمانی لم يوثقه معتبر .

(التعليقات على مسند عبد بن حميد، رقم الحديث : ١٥٦٨).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط فی تعليقاته على مسند الإمام

أحمد: إسناده محتمل للتحسين . (۲۷۰۸۹) .

شیخ شعیب اور امام نووی وغیرہ نے ابن حجرؒ پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہا ہے لیکن تحریر التقریب میں حمیضہ کو مجہولہ کہا ہے۔ اور امام ذہبیؒ نے میزان کی مجہولات میں ذکر کیا ہے لہذا ان کی تصحیح کا اعتبار نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو: (میزان الاعتدال:۶/۲۸۰، رقم:۱۰۹۵۱).

شیخ البانی صاحب نے اس مقام پر اپنے قاعدہ کی مخالفت کی ہے جب کہ ابن حبان کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے: **توثيق ابن حبان لا يعتمد ، لأنه متساهل في التوثيق** ۔یعنی ابن حبان کی توثیق کا اعتبار نہیں کیونکہ وہ متساہل ہیں۔ اور اس جگہ اعتبار کیا ہے۔

شیخ البانی صاحب کی تصنیفات میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔ہم یہاں فقط ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں:

سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ میں ایک روایت نقل کی ہے: **" من أهل بحجة أو عمرة من المسجد الأقصى إلى المسجد الحرام ... الخ .**

اس روایت کوضعیف قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس میں ایک راویہ حکیمہ ہے ابن حبان کے علاوہ کسی اور نے توثیق نہیں کی ہے اور ابن حبان کی توثیق کے بارے میں ہم باربار تنبیہ کر چکے ہیں کہ وہ متساہل ہیں ، اسی وجہ سے ابن حجر نے توثیق نہیں کی صرف مقبولہ کہا ہے۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

قلت : وعلته عندي حكيمة هذه فإنها ليست بالمشهورة ، ولم يوثقها غير ابن حبان (۳٤/۱) **وقد نبهنا مراراً على ما في توثيقه من**

التساهل، ولهذا لم يعتمده الحافظ فلم يوثقها وإنما قال فی التقريب : مقبولة... هذا وجه الضعف عندی. (سلسلة الاحاديث الضعيفة: ۱/۲۴۸/۲۱۱).

(۲) تسبیح کے مخالفین درجِ ذیل دوسری روایت استدلال میں پیش کرتے ہیں:

أخرج الإمام أبو داود بسنده عن عبد اللّٰه بن عمرو قال: رأيت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يعقد التسبيح قال ابن قدامة : بيمينه .

(سنن ابی داود : ۱/۲۱۷، باب التسبيح بالحصی، امداديه ملتان).

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگشتِ مبارک پر شمار کرتے تھے، لہذا دانوں پر شمار کرنا ممنوع ہے۔

الجواب: اس روایت سے انگشت پر شمار کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی لیکن دانوں پر شمار کرنے کی ممانعت اس حدیث میں کہیں مذکور نہیں۔ لہذا اس کو ممنوع قرار دینا درست نہیں ہے۔ جب کہ دانوں پر شمار کرنا آثار سے ثابت ہے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر بھی شامل ہے۔

اسی وجہ سے صاحبِ تحفۃ الاحوذی نے بلا کراہت جائز لکھا ہے اور مذکورہ بالا آثار بھی استدلال میں پیش کیے ہیں اور یہ ان کی طرف سے انصاف ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

قوله (يعقد التسبيح بيده) وفی رواية أبی داود قال ابن قدامة بيمينه... فكان عقدهن بالتسبيح من هذه الحيثية أولیٰ من السبحة والحصی ويدل علی جواز عد التسبيح بالنوی والحصی حديث سعد

بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ أنـه دخـل مـع رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على امرأة وبين يديها نوى أوحصى تسبح به،الحديث وحديث صفية قالت: دخـل على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وبين يدى أربعة آلاف نواة أسبـح بهـا، أخـرجهـمـا الـتـرمـذى فيـمـا بعد. قال الشوكاني فى النيل (۲/۱۱ ۲) هـذان الـحـديثـان يـدلان عـلـى جـواز عـد التسبيح بـالنوى والـحـصـى وكـذا السبـحة لـعدم الفارق لتقريره صلى اللّٰه عليه وسلم لـلـمـرأتين على ذلك وعدم إنكاره والإرشاد إلى ما هو أفضل لاينافى الجواز وقد وردت بذلك آثار. (تحفة الاحوذی:۳۲۲/۹، دارالکتب العلمیة).

علامہ عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں:

لاتتـركـن الـذكـر فتـنسيـن مـنها وهذا أصل في ندب السبحة الـمـعـروفة وكان معروفاً بين الصحابة فقد أخرج عبد اللّٰه بن أحمد أن أبـاهريرة رضی اللہ عنہ كـان لـه خيـط فيـه ألـفـا عقدة فلا ينام حتى يسبح به وفى حـديـث رواه الديلمى نعم المذكر السبحة لكن نقل المؤلف عن بعض معاصرى الجلا ل البلقينى أنه نقل عن بعضهم أن عقد التسبيح بالأنامل أفـضل لظاهر هذا الحديث لكن محله أن أمن الغلط وإلا فالسبحة أولى وقـد اتـخـذ السبـحة أوليـاء كثيرون ورؤي بيد الجنيد سبحة فقيل له: مثـلـك يـمسـك بيـده سبـحة فقال:طريق وصلت به إلى ربي لا أفارقه وفـي رواية عنه شيء استعملناه فى البدايات لا نتركه فى النهايات أحب أن أذكـر الـلّٰـه بـقـلبـى ويدي ولساني ولم ينقل عن السلف ولا الخلف

کراھتھا ...الخ. (فیض القدیر:٤/٤٦٨، رقم: ٥٥٨٧، دارالکتب العلمیة، بیروت).

علامہ مناویؒ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ذکر مت چھوڑو تا کہ رحمت شامل رہے اور یہ معروف تسبیح کے مستحب ہونے کی اصل دلیل ہے،(یعنی ہاتھ میں تسبیح ہوگی تو ذکراللہ یادرہے گا) تسبیح اوردانوں پرشمارکرنا صحابہ کے درمیان معروف تھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ڈوراتھا اس میں دو ہزار گرہیں تھیں روزانہ سونے سے پہلے پڑھ لیا کرتے تھے، ہاں افضل غیرافضل کا کچھ فرق ہے، لیکن تعداد بڑی ہو اور غلطی کا امکان ہو تو تسبیح افضل ہے، نیز بے شمار بزرگوں نے اس کواختیار کیا ہے، متقدمین اور متأخرین میں سے کسی سے کراہت منقول نہیں...الخ۔

نیز تسبیح گھمانے میں ہاتھ استعمال ہوتا ہے اور انگلیوں کی گواہی برقرار رہے گی۔

ملاعلی قاریؒ ابن حجر سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دانوں پر تسبیح پڑھنے کی روایات کثیر تعداد میں صحابہ کرام اور بعض امہات المؤمنین سے مروی ہیں، بلکہ بعض کو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور برقرار رکھا، ہاں انگشت پر پڑھنا افضل ہے لیکن غلطی کا امکان ہو تو تسبیح افضل ہے۔

قال ابن حجرؒ: والروایات فی التسبیح بالنوی والحصی کثیرة عن الصحابة وبعض أمھات المؤمنین بل رأھا علیه السلام وأقر علیھا ...الخ . (مرقاة المفاتیح: الذکر بعد الصلاة).

محمد عبدالسلام الشقیری نے السنن والمبتدعات میں مستقل فصل "**فصل فی جواز عد التسبیح بالنوی والحصی وغیرہ**" کے نام سے قائم کی ہے اور صحابہ کرام کے آثار نقل کیے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے: (السنن والمبتدعات، ص،۲۵٦ ط: دارالفکر)۔

جو حضرات نماز کے بعد والی تسبیحات اور ہر قسم کی تسبیحات کو ہاتھوں پر گننا مسنون یا مندوب سمجھتے ہیں وہ حضرات یہ بھی بار بار فرماتے ہیں کہ عبادات میں قیاس نہیں چلتا، لیکن انگلیوں پر شمار کرنا صرف رات کے وقت سونے سے پہلے کی تسبیحات اور دس دس مرتبہ نماز کے بعد کی تسبیحات میں وارد ہے، جب ان کے نزدیک عبادات میں قیاس نہیں چلتا تو وہ نماز کے بعد ۳۳/۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ کو انگلیوں سے گننا کونسی حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔

دس دس مرتبہ والی تسبیحات کو انگلیوں پر شمار کرنے کی تصریح ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام الترمذي في سننه (٣٤١٠) بسنده عن عبد اللّٰه بن عمرو رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خلتان لايحصيهما رجل مسلم إلا دخل الجنة، إلا وهما يسير، ومن يعمل بهما قليل: يسبح في دبر كل صلاة عشراً، ويحمده عشراً، ويكبر عشراً، قال فأنا رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يعقدها بيده... الخ. وقال: هذا حديث حسن صحيح.

سونے سے پہلے کی تسبیحات کو انگلیوں پر شمار کرنے کی صراحت حدیث میں ملاحظہ ہو:

أخرج الإمام أحمد في مسنده (٦٩١٠) عن عبد اللّٰه بن عمرو عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: خصلتان أو خلتان لايحافظ عليهما رجل مسلم إلا دخل الجنة هما يسير، ومن يعمل بهما قليل، تسبح اللّٰه عشراً... وتسبح ثلاثاً وثلاثين، وتحمده ثلاثاً وثلاثين، وتكبر أربعاً وثلاثين... إذا أخذ مضجعه فذلک مائة باللسان... فلقد

رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يعقدهن بيده. قال الشيخ شعيب: إسناده حسن .

نماز کے کی ۳۳ مرتبہ والی تسبیحات میں انگلیوں پر شمار کرنے کی صراحت حدیث شریف میں کہیں مذکور نہیں ہے۔ روایت ملاحظہ ہو:

روى الإمام البخاري في صحيحه (٨٤٣) بسنده عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاء الفقراء إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فقالوا: ذهب أهل الدثور من الأموال بالدرجات العلى، والنعيم المقيم... قال: ألا أحدثكم إن أخذتم أدركتم من سبقكم ولم يدرككم أحد بعدكم، وكنتم خير من أنتم بين ظهرانيه إلا من عمل مثله تسبحون وتحمدون وتكبرون خلف كل صلاة ثلاثاً وثلاثين فاختلفنا بيننا، فقال بعضنا: نسبح ثلاثاً وثلاثين ونحمد ثلاثاً وثلاثين، ونكبر أربعاً وثلاثين، فرجعت إليه، تقول: سبحان اللّٰه، والحمد للّٰه، واللّٰه أكبر، حتى يكون منهن كلهن ثلاثاً وثلاثين .

وأخرج الإمام عبداللّٰه بن المبارك في الزهد والرقاق (١١٥٨) بسنده عن عبدالرحمن بن أبي ليلىٰ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: معقبات لايخيب فاعلهن أو قال: قائلهن تسبح خلف كل صلاة ثلاثاً وثلاثين، وتحمد ثلاثاً وثلاثين، وتكبر أربعاً وثلاثين .

خلاصہ یہ ہے کہ ۳۳ مرتبہ تسبیحات والی روایت مختلف کتبِ احادیث میں مختلف صحابہ کرام سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے، لیکن کسی روایت میں انگلیوں پر

شمار کرنے کی صراحت ہمیں نہیں ملی۔

نیز تسبیح پر شمار کرنے میں آسانی ہے اور غلطی کا امکان کم ہے، خصوصاً بڑی تعداد مثلاً: ہزار مرتبہ پڑھنے والی روایات پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ بڑی تعداد والی چند روایات ملاحظہ ہوں:

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم قال: من قال ليلة عرفة هذه العشر كلمات ألف مرة ، لم يسأل اللّٰہ شيئاً إلا أعطاه إلا قطيعة رحم أو مأثم: سبحان الذى فى السماء عرشه ، سبحان الذى فى الأرض موطئه، سبحان الذى فى البحر سبيله، سبحان الذى فى الجنة رحمته، سبحان الذى فى النار سلطانه، سبحان الذى فى الهواء روحه، سبحان الذى فى القبور قضاءه ، سبحان الذى رفع السماء، سبحان الذى وضع الأرض، سبحان الذى لا منجأ منه إلا إليه.

(اخرجه ابويعلى فى مسنده، رقم: ٥٣٨٥، وابن ابى شيبة فى مصنفه: ١٥/٣٨٧/ ٣٠٤٤٢، والفاكهى فى اخبارمكة، (٢٧٦١) .

قال حسين سليم أسد: إسناده ضعيف.

قال الهيثمي : رواه أبويعلى والطبرانى فى الكبير وفيه عزرة بن قيس ضعفه ابن معين. (مجمع الزوائد: باب فى عرفة).

وعن عبد اللّٰہ بن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم: من قال إذا أصبح سبحان اللّٰہ وبحمده ألف مرة فقد اشترى نفسه من اللّٰہ وكان فى آخر يومه عتيق اللّٰہ . (اخرجه الطبرانى فى الاوسط ، ٤/

۳۹۸۲/۲۰۳) **قال الهيثمي فيه من لم أعرفه .**

أخرج الإمام ابن سمعون (۳۰۰هـ -۳۸۷هـ) في "أماليه" (٥٦) **بسنده عن الحكم بن عطية عن ثابت عن أنس بن مالك ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى علي في يوم [الجمعة] ألف مرة ، لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة .**

قلت: إسناده ضعيف فيه: الحكم بن عطية وهو ضعيف، قد تفرد بتوثيقه ابن معين .

(وايضاً اخرجه ابن شاهين فی الترغيب في فضائل الاعمال،رقم: ۱۹،والاصبهانی فی ترغيبه ص ۲۳٤).

عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قال لا إله إلا الله وحده لاشريك له ، له الملك وله الحمد بيده الخير وهوعلى كل شيء قدير ألف مرة جاء يوم القيامة فوق كل عمل إلا عمل نبي أو رجل زاد في التهليل . (اخرجه الطبرانی فی الدعاء،رقم: ۳۳۵). **قال محشيه : إسناد حسن تفرد به الطبراني هنا.**

وعن زيد بن وهب، قال: قال لي ابن مسعود ﷺ: يا زيد بن وهب، لا تدع إذا كان يوم الجمعة أن تصلى على النبي صلى الله عليه وسلم ألف مرة ، تقول: اللّهم صَلِّ على محمد النبي الأمي صلى الله عليه . (اخرجه ابونعيم الاصبهانی فی اخبار اصبهان، رقم: ٤٠٧٣٣).

ہاں کم تعداد والی تسبیحات مثلاً دس مرتبہ،۸۰مرتبہ،۱۰۰مرتبہ وغیرہ کا انگشت پر

شمار کرنا آسان ہے اس میں تسبیح یا دانوں کی ضرورت نہیں پڑتی، پھر بھی اگر کوئی شمار کرے تو بدعت یا مکروہ نہیں ہے۔

تسبیحات کو دانوں پر شمار کرنے کے بارے میں چند روایات پہلے مذکور ہوئیں، مزید ملاحظہ کیجئے:

عن علي رضي الله عنه مرفوعاً : نعم المذكر السبحة، وإن أفضل ما تسجد عليه الأرض، وما أنبتته الأرض . (الفردوس بماثور الخطاب : ٤/٢٥٩/٦٧٦٥).

إسناده ضعيف، فيه: محمد بن هارون بن عيسى الهاشمي،قال الدارقطني: ضعيف . (كتاب الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي:٣/١٠٦/٣٢٢٧).

وقال الخطيب في التاريخ ، ٤٠٣/٧ : يتهم بالوضع .

تنبیہ: شیخ البانی نے اس جگہ محمد بن ہارون بن العباس کا ترجمہ نقل کیا ہے، لیکن صحیح راوی وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا اگر چہ ضعیف ہے۔ راجع: (سلسلۃ الضعیفہ :١/١٨٥).

وعبد الصمد بن موسىٰ الهاشمي:ضعيف. (الضعفاء لابن الجوزي:١٩٣٩).

ومحمد بن علي بن حمزة:صدوق ثقة. (الجرح والتعديل:١٢٩، والتقريب).

وعبدوس عبدالله بن محمد صدوق متقن. (سيراعلام النبلاء:١٩/٩٨).

وابن فنجويه أبو عبد اللّٰه الحسين بن محمد الثقفي:ثقة صدوق. (سيراعلام النبلاء:١٧/٣٨٤).

وابن نصرويه : كان فقيهاً ، كبيراً ، إماماً . (تاريخ دمشق:٤١/٢٥١).

وزينب بنت سليمان كانت من أفاضل النساء. (تاريخ بغداد:٣/٣٥٦).

وأم الحسن بنت جعفر بن الحسين، لم نجد من ترجمها.

تنبیہ: یہ روایت فقط تائید کے لیے پیش کی گئی ہے ورنہ پہلے دوسری صحیح روایات مذکور ہوئیں۔

أخرج الإمام أحمد في الزهد (ص١٤١) بسنده عن القاسم بن عبد الرحمن قال: كان لأبي الدرداء نوى من نوى العجوة حسبت عشراً أو نحوها في كيس وكان إذا صلى الغداة أقعى على فراشه فأخذ الكيس فأخرجهن واحدة واحدة يسبح بهن فإذا نفدن أعادهن واحدة واحدة كل ذلك يسبح بهن قال: حتى تأتيه أم الدرداء فتقول: يا أبا الدرداء إن غدائك قد حضر فربما قال: ارفعوه فإني صائم.

وأخرج ابن أبي شيبة في مصنفه (٢/٣٩٠/٧٧٤١) عن مولاة لسعد: أن سعداً كان يسبح بالحصى والنوى.

وعن أبي سعيد: أنه كان يأخذ ثلاث حصيات فيضعهن على فخذه فيسبح ويضع واحدة، ثم يسبح ويضع أخرى، ثم يسبح ويضع أخرى، ثم يرفعن ويصنع مثل ذلك، وقال: لا تسبحوا بالتسبيح صفيراً. (رواه ابن ابی شیبه، رقم: ٧٧٤٢).

أخرج الإمام أبو القاسم الجرجاني في "تاريخ جرجان" (٩٤، ط: عالم الكتب، بيروت)، فقال: أخبرني أبو سعيد أحمد بن عراق بن أحيد حدثنا أبو علي بن شعبة حدثنا أحمد بن الخليل بن عبد الله بن مهران

الحافظ حدثنا صالح بن على النوفلى حدثنا عبد اللّٰه بن محمد بن ربيعة القدامي حدثنا ابن المبارک عن سفيان الثورى عن سمى عن أبي صالح عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يسبح بالحصیٰ .

قلت : إسناده ضعيف ، فيه عبد اللّٰه بن محمد بن ربيعة القدامي قال الذهبي فى الميزان (۳/۲۰۲): أحد الضعفاء، أتى عن مالک بمصائب ، قال ابن عبدالبر : روى عن مالک أشياء انفرد بها، لم يتابع عليها. انتهى. قلت: فالحديث ضعيف، ليس بموضوع كما قال الشيخ الألباني فى الضعيفة (۱۰۰۲)، حيث قال: وهذا موضوع وآفته القدامى.

قلت: القدامى إذا روى عن مالک فهو متهم ،كما صرح به أهل النقاد ، وهنا يروي عن عبد اللّٰه بن المبارک .

وصالح بن على النوفلي، من آل ميمون من مهران ذكره أبوبكر الخلال فقال: سمعنا منه في سنة سبعين بحلب وسمعنا منه عن أبي عبد اللّٰه أيضاً مسائل وكان مقدماً على أهل حلب. (طبقات الحنابلة:۱/۱۷۵،دارالمعرفة ، بيروت).

وأحمد بن الخليل بن عبد اللّٰه بن مهران، ذكره الدارقطني فقال: ليس بالقوى،كذا قال أبوعبد اللّٰه الحاكم . راجع : (تاريخ بغداد: ۴/۱۳۴،ولسان الميزان: ۱/۴۵۳).

اشکال: (۲) بعض حضرات فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**رضيت لأمتي مارضي لها ابن أم عبد**"۔اس حدیث کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اگراس حدیث کو اپنے عموم پر رکھ لیں تو پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام مسائل میں اتفاق ہونا چاہئے اور یہ مفقود ہے جیسا کہ مسائل مذکورہ سے ثابت ہوا۔لہذا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے لوگوں کی طرح تھے اس لیے چلنے پھرنے اخلاق اطوار و عادات میں ان کی طرح بنو۔

فیض القدیر شرح الجامع الصغیر میں ہے:

"**رضيت لأمتي ما رضي لها ابن أم عبد**". **فيه محمد بن حميد الرازي وهوثقة وبقية رجاله وثقوا و إنما رضي لأمته مارضيه لها لأنه كان يشبهه في مشيه وسمته وهديه** . (فيض القديرشرح الجامع الصغير:٤/٣٣).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے انکار کو ان کی ذاتی رائے کہنے پر اشکال و جواب :۔

اشکال: (۱) بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ آپ نے یہ کیسے کہا کہ ان لوگوں کو روکنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے تھی، یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی اس لیے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے اور انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حوالہ دے کر اس عمل کو منع فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام کا یہ مسلک تھا اور بمنزلہ مرفوع ہے؟

الجواب: یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعدد جوابات میں سے ایک جواب ہے، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عمل تابعین بطورِ مصلحت، نہ بطورِ عبادت ایجاد کریں تو وہ بدعت للدین ہونے کی وجہ سے درست ہونا چاہئے، لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سدِ باب کے لیے اس کو بھی برداشت نہیں فرمایا۔

اور یہ اشکال کہ اس واقعہ پر صحابہ کرام خاموش رہے تو یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول پر اجماع ہوا یا بحکمِ مرفوع ہوا تو اس کے متعلق عرض ہے کہ جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار

ہیئتِ جدیدہ پر ہے بقول معترض صاحب کے تو اس کی زد میں تصوف کی تمام قیودات اور ہیئات آگئیں پھر تصوف کو سینے سے لگانے کی کیا ضرورت پڑی؟ جب کہ معترضین حضرات بھی تصوف کو مانتے ہیں !

کسی صحابی کا کسی مجتہد کے اجتہادی قول پر خاموش رہنا موافقت کی دلیل نہیں ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اتمام کرنے پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اختلاف رائے کا اظہار کیا تو کیا دوسرے صحابہ کی خاموشی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ موافقت کی دلیل ہے؟ ہرگز نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بظاہر " **إن الميت ليعذب ببكاء أهله عليه** ''کی روایت سے انکار فرمایا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ خاموش رہے تو کیا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خاموشی اس روایت کی نفی کی دلیل ہے،''**فقالت: والله ما حدث رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله ليعذب المؤمن ببكاء أهله عليه، ولكن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله ليزيد الكافر عذاباً ببكاء أهله عليه، وقالت حسبكم القرآن ﴿ولاتزر وازرة وزر أخرى﴾** الخ. اس کے آخر میں ہے: **والله ما قال ابن عمر** رضی اللہ عنہ **شيئاً**. (صحيح البخاري: ١/١٧٢). اس کے حاشیہ میں ہے: **قال الزين بن المنير: سكوته لايدل على الإذعان فلعله كره المجادلة** ۔(حاشیۃ البخاری: ۷)۔ملاحظہ فرمائیں یہاں خاموشی موافقت کی دلیل نہیں بلکہ بحث ومناظرہ سے اجتناب ہے،اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں بظاہر انکار کے الفاظ سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

بعض حضرات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو آواز ملانے کی ممانعت پر محمول کرتے ہیں حالانکہ اس میں سامعین کے جہر کا ذکر نہیں چہ جائیکہ آواز ملانا ہو،ایک

آدمی کا ''کبروا کذا'' کہنا ایسا ہے، جیسے کہ ختم خواجگان میں ایک شخص باآوازِ بلند کہتا ہے کہ یہ پڑھو اور سب خاموشی سے پڑھنے لگتے ہیں بنابریں ''فیکبرون'' جہر کو مستلزم نہیں۔ اسی طرح مدرسے میں طلبہ سے کہا جائے گھر چلے جاؤ اجازت ہے، ظاہر ہے کہ سب اکھٹے نہیں جائیں گے بعض پہلے جائیں گے بعض بعد میں جائیں گے، باہم امام ومقتدی کا تعلق بھی نہیں، ممکن ہے کہ تلقین کنندہ سے سامعین اپنا ذکر جلدی ختم کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو تداعی پر محمول کرنا بھی مشکل ہے اس لیے کہ اکثر روایات میں نماز کے بعد اور بعض میں پہلے کا ذکر ہے تداعی تو نماز کے لیے تھی ذکر کے لیے نہیں تھی۔

اگر روایت کو بالفرض صحیح مان لیں تب بھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عد اور شمار کرنے کے خلاف تھے۔

اس کی واضح دلیل مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا أبو معاوية عن الأعمش عن إبراهيم قال: كان عبد الله يكره العد ويقول أيمن على الله حسناته؟ (مصنف ابن ابی شیبۃ:۵/ ۲۲۰). نیز دارمی وغیرہ کی روایات میں بھی اس قسم کے الفاظ مثلاً ''**فعدوا سيآتكم**'' سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اوران کی یہ رائے جمہور کے خلاف ہے۔

اشکال (۲): بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے کو بلا چوں وچرا تسلیم کرنا چاہئے، نہ کہ یہ کہہ کر رد کیا جائے کہ یہ ان کی انفرادی رائے ہوگی، کیونکہ ایسے الفاظ مناسب نہیں ہے؟

الجواب: اس سلسلہ میں عرض ہے کہ الحمد للہ صحابہ کرام پر ہونے والے اعتراضات کے دفاع میں ہم بہت آگے ہیں اور اسی کو زندگی کا مشن سمجھتے ہیں، لیکن صحابہ کرام کی انفرادی آراء اور جمہور کا ان کو نہ لینے سے انکار ممکن نہیں۔ یہاں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت التوحید کے رکن رکین اور اکابر میں سے ایک محقق عالم دین قاضی شمس الدینؒ کے کلام کا خلاصہ نقل کروں جس میں بعض صحابہ کرام کے تفردات تحریر کیے گئے ہیں:۔

اتمام الصلوٰۃ درسفر از حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وحضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اثباتِ حرمتِ اضاعتِ بارضاعِ کبیر از حضرت عائشہ۔ عدمِ سنیتِ رمل فی الطّواف از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عدمِ اشتراط وطی زوجہ ثانی در تحلیل از سعید بن مسیّبؒ و جواز مزامیر وملاھی از ابن حزمؒ وسقوط صلوٰۃ جمعہ بصلوٰۃ عید جب جمعہ کو عید ہو از عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ و عدمِ استحسانِ حج وتمتع دریک سفر از حضرت عمر رضی اللہ عنہ وعدم سفر الی المدینۃ بارادۃ زیارۃ روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم از ابن تیمیہؒ وحضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذبیح ہونا از ابن جریر طبریؒ۔

(القول الجلی فی حیات النبی، ۵، مؤلفہ قاضی شمس الدین صاحبؒ).

نیز اگر دو حضرات کسی عمل پر متفق ہو جائیں تو اس کو بھی تفرد کہہ سکتے ہیں، حافظ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک کہتے ہیں لیکن یہ ان کا تفرد ہے، عیدین کے لیے اذان حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زیاد، مروان وغیرہ سے مروی ہے، لیکن یہ ان کا تفرد ہے۔ (معارف السنن: ۴/ ۴۲۹).

مقدمہ او جز المسالک میں ہے:

و في رواية أن المنصور قال: ضع هذا العلم ودوّن كتابا و جنّب

فیہ شدائد ابن عمر و رخص ابن عباس و شواذ ابن مسعود رضی اللہ عنہم و اقصد أوسط الأمور، وما أجمع علیه الصحابة و الأئمة. (مقدمة أوجز المسالك: ۱/۹۲ الفصل الثانی فی المؤلف،دارالقلم، دمشق).

یعنی خلیفہ منصور نے امام مالکؒ سے کہا کہ ایک کتاب لکھو اور اس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سختیوں سے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رخصتوں سے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شذوذ سے بچنا اور میانہ روی اختیار کرنا اور جس پر صحابہ اور ائمہ کا اجماع ہو اس کو اختیار کرنا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شذوذ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعض دیگر وہ مسائل جن میں احناف ان کے ساتھ موافق نہیں درج ذیل ہیں:

احناف کے نزدیک معتق ذوی الارحام اور ردعلی ذوی الفروض پر مقدم ہے، لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک ذوی الارحام معتق پر مقدم ہیں۔

قال فی الشریفیة: وقال ابن مسعودؓ هوموخرعن ذوی الأرحام .

(الشریفیة شرح السراجی،ص: ۸۱،مکتبہ نزارمصطفی مکة المکرمة).

جولوگ سمندر میں ڈوب جائیں یا آگ میں جل جائیں اور موت کا وقت معلوم نہ ہوتو احناف کے نزدیک یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں، لیکن ابن مسعودؓ کے نزدیک وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

وقال عليؓ وابن مسعودؓ: يرث بعضهم عن بعض إلا فيما ورث كل واحد عن صاحبه. (السراجی،ص:٥٦).

ولايرث بعض الأموات من بعض فی الصحيح وعليه الفتوی خلافاً

لعليؓ و ابن مسعودؓ. (شرح تحفة الملوك للعلامة ابن ملك:٢/١٩٩٤).

احناف کے نزدیک محروم حجبِ نقصان کا سبب نہیں لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک حجبِ نقصان کا سبب ہے۔ (السراجی فی المیراث،ص:٤٦،مکتبة البشری).

اسی طرح ام الاب اب کے ساتھ وارث نہیں لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک وارث ہے۔(شرح تحفة الملوك:٢/١٩٦٨).

حضرت ابن مسعودؓ تعویذ کو مکروہ فرماتے تھے،جیسے:زادالمعاد(۳۵۶/۴)میں مذکور ہے،اور ہمارے اکابر تعویذ کے جواز کے قائل ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابن مسعودؓ سے تشہد میں ''السلام علیک أیھا النبي'' کی جگہ " السلام علی النبی ''مروی ہے۔ملاحظہ کیجئے:اوجز المسالک: (۲۲۵/۳،و۲۳۹/۳).

لیکن جمہور وہی عام تشہد پڑھتے ہیں۔

کیا خیرالقرون میں سدِ باب کی ضرورت ہے اور شرالقرون میں نہیں؟

اشکال: بعض احباب فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار اگر بدعت کے خوف کی وجہ سے ہو تو جب خیرالقرون میں قیودات وتخصیصات میں بدعت کا خوف ہو اور سدِ باب کی ضرورت محسوس ہو اور قربِ قیامت میں بدعت کا ڈر نہ ہو اور نہ سدِ باب کی ضرورت محسوس ہو، یہ کیسے ممکن ہے؟

الجواب (۱): بعد والے حضراتِ صوفیہ نے توہیئات اور قیودات بیان فرمائی ہیں اور یہ چیزیں خیرالقرون میں موجود نہیں تھیں، پھر صوفیہ کی تمام قیودات و تخصیصات ناجائز اور احداث فی الدین ہونا چاہیۓ حالانکہ ہمارے اکابرؒ ان پر عامل تھے۔

ملاحظہ فرمائیں حضرت تھانویؒ نے ہر خاص وعام کے لیے دستورالعمل اس کی حالت کے مناسب بیان کیا ہے جو خیرالقرون سے تو ثابت نہیں ہے۔

حضرت تھانویؒ کی کتاب شریعت وطریقت میں ہے:

طالب کی چار قسمیں ہیں:۔

(۱)ایک عامی مشغول۔

(۲)دوسرا عامی فارغ۔

(۳)تیسرا عالم مشغول۔

(۴)چوتھا عالم فارغ۔ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور العمل خاص ہے۔

عامی مشغول کا خاص دستور العمل:۔

اول عقائد ومسائل ضرور سیکھے اور بہت اہتمام سے اس کا پابند رہے اور جونئی بات پیش آوے علماء سے پوچھے اگر ممکن ہو تو تہجد اخیر شب میں پڑھے ورنہ عشاء کے بعد ہی وتر سے پہلے کچھ نفلیں بجائے تہجد پڑھے،اور بعد پانچوں نمازوں کے یا جن کے بعد سنت نہ ہو سبحان اللہ ۱۰۰ سوبار اور لا الہ الا اللہ سوبار اور اللہ اکبر سوبار اور سوتے وقت استغفار سوبار پڑھا کرے اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے درود شریف زبان سے جاری رکھے اور اگر قرآن مجید پڑھا ہوا ہو تو روزانہ کسی قدر قرآن کی تلاوت بھی کرلیا کرے۔

عامی فارغ کا خاص دستور العمل:۔

عامی فارغ کا خاص دستور العمل بھی وہی ہے جو عامی مشغول کے لیے بیان کیا گیا مگر اتنے امور اور زائد ہیں،اگر ممکن ہو تو پیر کی خدمت میں جا پڑے اگر پیر کے پاس نہ رہ سکے تو اپنے وطن ہی میں رہے خواہ گھر میں یا کسی مسجد میں مگر جہاں تک ہو سکے خلق سے علیحدہ رہے،جب تک کوئی دنیا یا دین کی ضرورت نہ ہو مخالطت نہ کرے تنہائی میں جو اوقات اپنی ضرورت حاجت و آرام سے بچیں اس میں خواہ قرآن کی تلاوت مع

مناجاتِ مقبول خواہ نوافل خواہ درودشریف خواہ استغفار میں مشغول رہے اور اگر کچھ خواندہ ہوتو تھوڑے وقت میں دین کی کتابیں بھی جو اردو وفارسی میں ہیں کسی معتبر عالم کو دکھلا کر مطالعہ کرے جہاں شبہ رہے کسی محقق عالم سے پوچھ لے کبھی کبھی نفل روزے بھی رکھ لیا کرے۔

عالم مشغول کا خاص دستورالعمل:۔

اوقاتِ فارغہ میں کوئی وقت ایسا جس میں افکار وتشویشات سے کسی قدر خالی ہو اور معدہ پر نہ ہو نہ بھوک کا تقاضا ہو معین کر کے اس میں بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جس قدر ممکن ہو خلوت میں بیٹھ کر اسمِ ذات یعنی اللہ اللہ باوضو خفیف جہر وضرب کے ساتھ قلب کو متوجہ کر کے پڑھا کریں اور کسی وقت قرآن کریم کی تلاوت اور مناجات مقبول کی اصل عربی کی ایک منزل کا التزام رکھیں اور اگر مدرس ہیں فبہا ورنہ ایک معتد بہ وقت تدریس طلبہ علمِ دین میں ضرور صرف کریں اور گاہ گاہ ضروری احکام کا وعظ کہہ دیا کریں شیخ سے دور رہ کر شغل نہ کریں البتہ اگر وہ تجویز کرے تو مضائقہ نہیں۔

عالم فارغ کا خاص دستورالعمل:۔

چند روز جس قدر میسر ہو شیخ کی خدمت میں رہ کر مشغول ذکر رہیں اور ان کے لیے اذکار میں سے اس قدر کافی ہیں یعنی لا الہ الا اللہ دوسو بار الا اللہ چار سو بار اور اللہ اللہ بضم ہائے اول وسکون ہائے ثانی چھ سو با اور صرف اللہ سو بار یہ تیرہ تسبیح ہیں مگر اصطلاح میں بارہ کہلاتی ہیں۔

طریق ذکر دوازدہ تسبیح:۔

بعد نماز تہجد کے توبہ واستغفار، عجز وانکساری سے کرے اور ہاتھ اٹھا کے یہ دعا بحضورِ قلب پڑھے: " **اللّٰهم طهر قلبي عن غيرك ونوك قلبي بنور معرفتك** " یا اللہ یا اللہ تین بار یا سات مرتبہ تکرار کرے اور گیارہ بار استغفار اور گیارہ بار درود شریف پڑھ کر چار زانو بیٹھے، اور داہنے پاؤں کے انگوٹھے سے اور جو انگلی اس کے پاس ہے اس سے رگ کیماس کو کہ بائیں زانو کے اندر ہے محکم پکڑے اور کمر کو سیدھی رکھے پھر دل جمعی سے ہیئت اور حرمت اور تعظیم تمام کے ساتھ خوش الحانی سے ذکر شروع کرے بعد اعوذ و بسم اللہ کے باخلاص تمام تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت پڑھ کے سر کو قلب کی طرف کہ زیر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت کے واقع ہے جھکا کے کلمہ لا کو قوت اور سختی سے دل کے اندر سے کھینچے اور الہ کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر سر کو پشت کی طرف مائل کر کے تصور کر لے کہ غیر اللہ کو دل میں سے نکال کر پس پشت ڈالدیا اور دم کو چھوڑ کر لفظِ الا اللہ کو زور اور سختی سے دل پر ضرب مارے اور تصور کرے کہ عشق اور نورِ الٰہی کو دل میں داخل کیا اسی طرح اس نفی واثبات کو فکر اور ملاحظہ اور واسطے کے ساتھ دو سو بار کہے اور ذکر میں نو بار لا الہ الا اللہ اور دسویں بار محمد رسول اللہ کہے، بعد اس کے بطورِ سابق تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہے لیکن مبتدی کلمہ لا الہ میں لا معبود اور متوسط لا مقصود اور منتہی لا موجود ملاحظہ کرے اس کے بعد لمحہ دو لمحہ مراقب ہو کے تصور کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینے میں آتا ہے۔

طریق ذکر اثبات مجرد:۔

پھر دو زانو بیٹھے اور کمر سیدھی کرے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر لفظِ الا

اللہ کو زور اور سختی سے دل پر ضرب کرے اس کو چار سو بار دمادم کرے پھر بطورِ سابق تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہے اور لمحہ دو لمحہ مراقب رہے۔

طریق ذکر اسمِ ذات:۔

پھر ذکر اسمِ ذات اللہ اللہ کا کرے اس طرح سے کہ اول حرف ہائے لفظِ اللہ کو پیش اور دوسرے ہائے لفظِ اللہ کو ساکن کرے یعنی جزم دے اور آنکھیں بند کر کے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لا کر لفظِ مبارک اللہ اللہ کی دونوں ضرب جہر اور قوت سے دل پر مارے، اس ذکر اسمِ ذات دوضربی کو چھ سو بار دمادم کرے لیکن دسویں گیارہویں بار اللہ حاضری اللہ ناظری اللہ معی (ترجمہ اللہ میرے پاس ہیں اور اور مجھے دیکھ بھال رہے ہیں اور میرے ساتھ ہیں) مع ملاحظہ معنی کے کہتا رہے تا کہ کیفیت ولذت ذکر کی اور دفع غفلت وخواب حاصل ہو، بعد اس کے بطورِ سابق تین با کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہے پھر ایک ضربی اسی طرح سر کو داہنے مونڈھے کی طرف موڑ کر لفظ مبارک اللہ کو دل پر مار کر دمادم کرے بعد تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہہ کر درود شریف اور استغفار گیارہ گیارہ بار پڑھ کر دعا مانگے اور مناجات کرے۔

اس ذکر کے بعد اگر نیند کا تقاضا ہو، ذرا سو جاوے پھر بعد نمازِ صبح تلاوت قرآن مجید اور ایک منزل مناجات مقبول پڑھنے کے بعد بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جس قدر سہل ہو اسمِ ذات خفیف جہر اور معتدل ضرب سے خلوت میں بیٹھ کر کرے اور دو پہر کو قیلولہ کرے، بعد ظہر اسی طرح بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جس قدر سہولت کے ساتھ عصر سے قبل قبل ہو جاوے، اسمِ ذات کا ورد کرے، اور عصر کے بعد اگر شیخ فارغ ہو

تو مغرب تک شیخ کی خدمت میں حاضر رہے اور اگر فارغ نہ ہو یا وہاں موجود ہی نہ ہو یا اس کے قلب میں زیادہ اشتیاق نہ ہو تو جنگل باغ ندی نہر وغیرہ کی سیر کو چلا جاوے، اگر شیخ موجود ہو تو اس سے اجازت لے کر جاوے۔

ذکر جہر اور ضرب:۔

(ان مذکورہ بالا اذکار) میں خفیف سا جہر اور معتدل ضرب قلب کرے مگر جہر مقصود بالذات اور قربت فی نفسہا نہیں ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے اور حدیث میں جو وارد ہے: **انکم لاتدعون اصم و لاغائباً** (ترجمہ) بیشک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو، میرے نزدیک اسی اعتقاد کی نہی پر محمول ہے اور بعض نے جہر مفرط کو اسی کا محمل بنایا ہے جس سے دوسرے لوگ متاذی ہوں مثلاً نائمین کو تشویش ہو، اور امام ابو حنیفہؒ کے منع فرمانے کی بھی یہی توجیہات ہیں ورنہ جہر فی نفسہ جائز ہے، جیسا بخاری میں ابن عباسؓ سے رفع الصوت بالتکبیر کا علامت انصراف عن الصلوٰۃ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور سنن میں اور وتر کے بعد سبحان الملک القدوس میں رفع صوت مروی ہے معلوم ہوا کہ جہر من حیث ہو جہر اس حیثیت سے کہ وہ جہر ہے عبادت نہیں، اور اگر مقصود تو ذکر کو سمجھیں اور جہر کو کسی مصلحت سے اختیار کریں جیسے دفع خواطر وحصولِ جمعیت وغیرہ تو یہ صورت ممنوع نہیں، بشرطیکہ کوئی اور عارض مانع نہ ہو، بہر حال جہر مفرط تو مطلقاً ناجائز ہے جس سے خود کو مشقت ہو یا دوسروں کو اور جہر معتدل میں تفصیل ہے کہ اگر خود جہر کو بقصدِ ثواب اختیار کرے تو یہ بھی ناجائز اور بدعت ہے، (**إلا فیما ورد الشرع بالجهر فيه كالحج بالتلبية والجهر بتكبيرات التشريق ونحوها**) اور اگر

مقصود نفس ذکر ہو اور جہر اعتدال سے ہو اور باعتبارِ مصلحت ہو تو وہ بدعت نہیں بلکہ ایسا جہر شریعت سے ماذون فیہ بلکہ احادیث میں وارد ہے جہر میں یہ حکمت سمجھی گئی ہے کہ اس سے وساوس وخطرات ... کم آتے ہیں سو یہ فائدہ خفیف جہر سے بھی حاصل ہے اسی طرح ضرب بھی قربت نہیں ہے اس میں ایسی ہی حکمت طیبہ ہے وہ یہ کہ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت سے رقت اور رقت سے تأثر اور تأثر معین ہوتا ہے اطاعت اور محبت میں اور وہ مقاصد میں سے ہے پس ضرب ذریعہ مقصود ہونے سے مقصود بالغیر بن جاتا ہے لیکن زیادہ ضرب سے قلب میں خفقان پیدا ہونے کا ڈر ہے لہذا اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ (شریعت وطریقت، از ص ۲۹۱ تا ص ۲۹۷، بعنوان ''اقسامِ ذکر اور ان کا دستور العمل''، مرکزی ادارۂ تبلیغ دینیات، جامع مسجد دہلی)۔

الجواب (۲): خیر القرون میں اگر کوئی نئی بات اور بدعت ایجاد کرے تو بعد والے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خیر القرون کا عمل ہمارے لیے دلیل ہے لہذا یہ خیر کا عمل ہے اس لیے اس زمانے میں سدِ باب کی زیادہ ضرورت تھی۔

اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے درخت کو کٹوا دیا تھا کہ خیر القرون کا عمل آگے چل کر بدعت وشرک کی صورت اختیار نہ کرلے ورنہ حضرت عمرؓ خود تبرکات کے قائل تھے روایات میں آتا ہے کہ حضرت عباسؓ کی چھت کا پرنالہ راستہ میں گرتا تھا جس کو حضرت عمرؓ نے ہٹایا تو حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے لگایا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم میرے کندھے پر سوار ہو کر اس کو دوبارہ لگاؤ۔ (مجمع الزوائد: ۴/۲۰۶۔ ومستدرک حاکم: ۳/۴۱۰)۔

ملاحظہ ہو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

وفعله لمصلحة رآها مرجحة في ذلک الوقت فليس هو من بيان المسألة في شيء بل هو من قبيل سد ذرائع الشرک وحسم مادته. (فتح الملهم:٤/٤٢٤).

بعض حضرات نے اور بھی توجیہات فرمائی ہیں، مثلاً حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ فرماتے ہیں: کہ یہ موقوف روایت حضرت عمرؓ کا اجتہاد تھا۔ نیز اس کی سند میں انقطاع ہے اس سے استدلال کرنا بھی مشکل ہے، حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے سعودی عرب کے بادشاہ عبدالعزیز کی مجلس میں وہاں کے ایک بڑے عالم کے ساتھ اپنی گفتگو کا حوالہ دینے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

فلم يأت بجواب شاف سوى المعارضة بقصة قطع الشجرة التي رواها ابن سعد فى الطبقات من طريق نافع عن عمرؓ و هو مع كونه منقطعاً لأن نافعاً لم يدرک عمرؓ كما فى التهذيب ليس من المرفوع بل هو اجتهاد من عمرؓ . (فتح الملهم:٤/٤٢٤).

ويمكن أن يكون عمرؓ قطع الشجرة لكونه يعرف أن الشجرة المعهودة لايعرفها أحد ولأن الشجرة التي يزعمها الناس أنها شجرة الرضوان فيصلون عندها لاتصح نسبتها إلى الشجرة المعهودة. (فتح الباری :٣/٣٦٣).

فتح الباری میں ہے:

و بيان الحكمة في ذلک (يعني عدم صحة الاستناد إلى الشجرة

الـمـعهـودة) ... لو بقيت لما أمن تعظيم بعض الجهال لها حتى ربما أفضى بهم إلى اعتقاد أن لها قوة نفع أو ضر. (فتح الباری:٦/١١٨).

متروکات کے ناجائز اور ممنوع نہ ہونے پر اشکال اور جواب:

اشکال: بعض اکابرؒ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کام کو ترک کرنا اس کام کے جائز نہ ہونے یا مکروہ یا بدعت ہونے کی دلیل ہے۔

ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''مرقات شرح مشکوٰۃ'' میں فرماتے ہیں:

والمتابعة كما تكون فی الفعل تكون فی الترک فمن واظب علی فعل لم يفعله الشارع فهو مبتدع . (المرقاة: ١/ ٤١، بحوالہ راہِ سنت)۔

اسی طرح عبدالحق محدثِ دہلویؒ نے اشعۃ اللمعات میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ حضرات ترک کے مکروہ ہونے کی درجِ ذیل مثالیں پیش کرتے ہیں:

(۱) رات میں ۸ رکعت بہ یک سلام اور دن میں ۴ رکعت بہ یک سلام، اس پر زیادتی مکروہ ہے۔

(۲) فجر کی دوسنتوں کے علاوہ اذان اور نماز کے درمیان نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

(۳) عیدین سے پہلے عیدگاہ میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ سب متروکات ہیں اور ممنوعات ہیں۔

الجواب: اس کے بارے میں کچھ تحقیق پہلے آچکی ہے اب کچھ مزید تحقیق پیش خدمت ہے، جو کام متروک قصداً ہو وہ مکروہ یا ممنوع کے زمرے میں آئیگا، یا سبب اور تقاضا ہوتے ہوئے ترک کر دیا جائے تو مکروہ یا ممنوع ہوگا۔ جیسے تحیۃ المسجد کے مسنون ہونے کے باوجود صلاۃ الفجر سے پہلے نفل نہ پڑھنا۔ خانہ کعبہ کے کونوں کے استلام کے تقاضے کے باوجود رکن عراقی اور رکن شامی کا استلام نہ کرنا دلیل کراہت ہے اور جو افعال قصداً متروک نہ ہوں اور کارِ خیر میں شامل ہوں اور ان کو دین کا حصہ نہ سمجھا جائے اور ان پر اصرار نہ کیا جائے اور تارک کی ملامت نہ کی جائے تو وہ ممنوع نہیں ہوں گے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحبؒ ایک جگہ براہین قاطعہ میں تحریر فرماتے ہیں:

جو بدعت ہے وہ التزام بمعنی اصرار ہے اور جو مستحب ہے وہ دوام بلا التزام ہے۔ (ص ۶۷)۔

دوسری جگہ تحریر فرمایا: دوام التزام کو مستلزم نہیں۔ (ص ۶۵)۔

ہم یہاں سیر اعلام النبلاء للامام الذہبیؒ سے چند متروکات نقل کرتے ہیں جو متروکاتِ نبویہ ہیں مگر ممنوعات نہیں، ان کو دکتور عبدالالہ نے اپنی کتاب مفہوم البدعۃ میں نقل کیا ہے اس میں سے ہم چند واقعات نقل کرتے ہیں۔

(یاد رہے اس کتاب کے سب مسائل سے ہم متفق نہیں ہیں)۔

(۱) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ ایک لاکھ تسبیح پڑھتے تھے (۳۴۸/۲)۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہینے کے پہلے تین دن کے روزے رکھتے تھے۔ (۶۰۹/۲)۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ بارہ ہزار تسبیحات پڑھتے تھے۔ (۶۱۰/۲)۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دھاگہ تھا جس میں ۱۲ ہزار گرھیں لگی تھیں سونے سے پہلے ان پر تسبیحات پڑھتے تھے۔(۶۲۳/۲)۔

(۵) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ صبح کے بعد سورج نکلنے تک قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے تھے۔(۲۶۵/۴)۔

(۶) علی بن حسین زین العابدین ۲۴ گھنٹے میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے (۳۹۲/۴)۔

(۷) طاؤس بن کیسان اور ان کے تلامذہ اور متعلقین عصر کے بعد کا وقت تا مغرب دعا کے لیے مخصوص کرتے تھے۔(۴۸/۵)۔

(۸) علی بن عبداللہ بن عباسؓ روزانہ ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے۔(۲۵۳/۵)۔

(۹) امام احمد بن حنبل روزانہ دن رات میں تین سو رکعتیں پڑھتے تھے جب آزمائشوں نے ان کو کمزور کر دیا تو پھر ڈیڑھ سو رکعتیں پڑھتے تھے۔(۲۱۲/۵)۔

(۱۰) بقی بن مخلد ۱۳ رکعتوں میں قرآن کریم ختم کرتے تھے اور دن کے وقت سو رکعتیں پڑھتے تھے اور ہمیشہ روزے رکھتے تھے۔(۲۹۲/۱۳)۔

(۱۱) جنید بن محمدؒ روزانہ تین سو رکعتیں پڑھتے تھے اور کئی ہزار تسبیحات پڑھتے تھے۔ (۶۷/۱۴)۔

(۱۲) علامہ ابن قیمؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہؒ فرماتے تھے کہ جو شخص فجر کی سنتوں اور فجر کی فرض کے درمیان یا حی یا قیوم، لا الہ الا انت،

روزانہ پابندی سے ۴۰ مرتبہ پڑھے گا، تو ان کلمات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو شاداب اور تروتازہ رکھے گا۔ (مدارج السالکین للعلامۃ ابن القیمؒ: ۳/۲۶۴)۔

یہ سب متروکات ہیں جن حضرات نے ان کو معمول بنایا وہ خود پابندی کرتے تھے لیکن چھوڑنے والے پر انکار نہیں کرتے تھے۔

حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا: **التزام بمعنی اصرار بدعت ہے اور دوام بلا التزام مستحب ہے۔** (براہین قاطعہ، ص ۶۷)۔

حضرت مفتی فرید صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

منکرات سے خالی ختمِ خواجگان حصولِ برکت کے لیے مشائخ کا مجرب عمل ہے اور کسی امر مندوب اور مستحسن پر دوام مندوب ہے اور التزام مکروہ ہوتا ہے، **والمعروف هو الدوام لا الالتزام ، فافهم** ۔ (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۵۰۸، مسائل شتیٰ)۔

اس مسئلہ کی تفصیل مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے رسالہ " **إقامة الحجه على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة** " میں مذکور ہے۔

ایک استفتاء اوراس کا جواب:

الاستفسار: ہمارے ہاں سلفی ذہن کے لوگ ذکر جہری کے حلقوں پر معترض ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو پیش کرتے ہیں، جس کا خلاصہ بظاہر یہی ہے کہ انہوں نے ان حلقوں کو پسند نہیں فرمایا۔ہم نے آپ کی کتاب ''ذکر اجتماعی و جہری شریعت کے آئینہ میں'' پڑھ لی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر تفصیلی بحث بھی پڑھی، وہ پوری تفصیلات نہ یادھوتی ہیں اور نہ ہم ہر ایک کے سامنے بیان کر سکتے ہیں، آپ اس روایت کا کوئی مختصر جواب بتلا دیں تا کہ مختصر سوال کے مختصر جواب سے تشفی ہو جائے؟ بینوا توجروا۔

الاستبشار: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے راویوں پر کلام سے قطع نظر اس روایت کا مختصر جواب یہ ہے کہ انہوں نے شمار کرنے کا انکار کیا تھا ذکر کے حلقوں کا انکار نہیں کیا تھا۔

اس جواب کی تین دلیلیں ملاحظہ فرمائیے:

(۱) سنن دارمی میں ہے:

أخبرنا الحكم بن المبارک أنا عمر بن يحيىٰ قال: سمعت أبی يحدث عن أبيه قال: كنا نجلس على باب عبد الله بن مسعودؓ قبل صلاة

الغداة ، فإذا خرج مشينا معه إلى المسجد فجاء نا أبو موسى الأشعرى فقال :أخرج اليكم أبو عبد الرحمن بعد؟ قلنا لا ، فجلس معنا حتى خرج ، فلما خرج قمنا إليه جميعا فقال له أبو موسى:يا أباعبد الرحمن إنى رأيت فى المسجد آنفا أمرا أنكرته ولم أر والحمد لله إلا خيراً . . . الى قوله: قال: أفلا أمرتهم أن يعدوا سيئاتهم ، وضمنت لهم أن لا يضيع من حسناتهم، ثم مضى ومضينا معه حتى أتى حلقة من تلك الحلق ، فوقف عليهم فقال : **ماهذا الذى أراكم تصنعون؟ قالوا : يا أبا عبد اللّٰه حصا نعد به التكبير والتهليل والتسبيح . قال : فعدوا سيئاتكم فأنا ضامن أن لا يضيع من حسناتكم شئى** ، ويحكم يا أمة محمد ما أسرع هلكتكم ، هؤلاء صحابة نبيكم صلى الله عليه وسلم متوافرون، وهذه ثيابه لم تبل ، وآنيته لم تكسر ، والذى نفسى بيده إنكم لعلى ملة هي أهدى من ملة محمد ؟ أو مفتتحوا باب ضلالة ؟ قالوا : والله ياأبا عبد الرحمن ، ما أرادنا إلا الخير ؟ قال وكم من مريد للخير لن يصيبه ، أن رسول اللّٰه حدثنا فقال عمرو بن سلمة: رأينا عامة أولئك الحلق يطاعنونا يوم النهروان مع الخوارج . (سنن دارمی: ۱/ ۷۹).

اس روایت میں خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا انکار شمار کرنے پر تھا۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت ہے۔

حدثنا أبو معاوية ، عن الأعمش ، عن إبراهيم قال: كان عبد اللّٰه يكره العدويقول: أيمن على اللّٰه حسناته؟!. (رواه ابن ابی شيبة فی مصنفه

:٥/٢٢٠/٧٧٤٩،باب من كره عقد التسبيح،المجلس العلمی).

(۳) نا أسد عن جرير بن حازم،عن الصلت بن بهرام قال:"مر ابن مسعودؓ بامرأة معها تسبيح تسبح به، فقطعه و ألقاه، ثم مر برجل يسبح بحصا، فضربه برجله، ثم قال:لقد سبقتم! ركبتم بدعة ظلماً! ولقد غلبتم أصحاب محمد ﷺ علماً!. (سلسلة الأحاديث الضعيفة:١/١١٢/٨٣).

مذکورہ بالا تینوں روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے شمار کرنے پر نکیر فرمائی تھی، اگر چہ بعض ان میں سے ضعیف ہیں۔

اور یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتی رائے تھی جب کہ جمہور کنکریوں اور تسبیح کے دانوں پر شمار کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور امت کا اس پر تعامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کی اہمیت کی وجہ سے ذکر کو اعداد کے دائرہ میں محدود کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

اعتراضات اور جوابات کی تلخیص:

اعتراض (۱) قرآنِ کریم کی آیات سے پتہ چلتا ہے دعا اور ذکر آہستہ ہونا چاہئے؟

الجواب: پہلی آیتِ کریمہ ﴿**ادعو ربکم تضرعاً و خفیة**﴾، کے بارے میں جمہور مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ ذکر کے بارے میں۔ چنانچہ ابن کثیرؒ، علامہ آلوسی قاضی بغداد، علامہ قرطبیؒ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ حضرات نے یہی فرمایا ہے۔

بلکہ ﴿**تدعونه تضرعاً و خفیة**﴾ کی تفسیر میں مفسرین نے اعلاناً وسراً یا جہراً وسراً لکھا ہے۔ (ابن کثیر: ۲/۱۵۶، وتفسیر ابن عطیہ ۶۲۹) جس سے معلوم ہوا کہ تضرعاً جہر کو اور خفیہ سر کو شامل ہے۔

دوسری آیتِ کریمہ ﴿**واذکر ربک فی نفسک...**﴾ کے چند جوابات حسبِ ذیل ہیں۔ علامہ سیوطیؒ اور مفتی خیر الدین الرملیؒ نے تین جوابات دئے ہیں:

۱۔ یہ مکی آیت ہے مکہ مکرمہ میں جہراً تلاوت سے منع کیا گیا تھا تاکہ مشرکین سن کر گالیاں نہ دیں۔ اب یہ مانع مرتفع ہوگیا، لہذا اب ذکر جہری اور تلاوتِ جہریہ دونوں جائز ہیں، بلکہ بعض مواقع میں افضل ہیں۔ اس لیے کہ مدنی آیت میں جہر کا حکم ہے، کہ

باپ دادا کا تفاخر جہراً کرنے کی جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے جہراً کیا کرو۔ (سورۂ بقرہ).

۲۔ یہ حکم قرآنِ کریم کی تلاوت کے وقت ہے تا کہ قرآنِ کریم پر ذکر اللہ غالب نہ ہو اور قرآنِ کریم کی تعظیم برقرار رہے۔

۳۔ یہ حکم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔

یہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے فرمایا: ۴۔ اللہ تعالیٰ نے نرمی اور شفقت کے لیے یہ حکم دیا ہے فرض یا واجب کرنے کے لیے نہیں دیا۔

۵۔ اس آیتِ کریمہ میں مطلق جہر کی ممانعت نہیں ہے بلکہ جہر مفرط سے روکا گیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ علماء نے اس میں تفصیل بیان کی ہے کہ ریا کا اندیشہ ہو تو سری افضل ہے ورنہ جہری، یا کسی نمازی، نائم، قاری، علم میں مشغول شخص کو اذیت کا خطرہ ہو تو سری افضل ہے اور جہاں یہ خطرہ نہ ہو وہاں جہری افضل ہے کیونکہ جہر میں درجِ ذیل فوائد ہیں: تعلیم جاہل ہے، وحشت اور تنہائی کا دفعیہ ہے، نیند اور سستی کے لیے دافع ہے، مومن کے دل کا سرور ہے، بدعتی کو بدعت سے روکنے کا ذریعہ ہے، وغیرہ۔

"**في نفسک**" کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ تنہائی میں بیٹھے ہو تو خالی بیٹھنے سے کیا فائدہ، اس لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر عاجزی اور خوف کے ساتھ کیا کرو۔ پھر چونکہ اور کوئی وہاں موجود نہیں ہے تو زیادہ جہر کی ضرورت بھی نہیں ہلکا جہر کافی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: "**من ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي**" اس کا مطلب بھی اکیلا پن اور تنہائی ہے، یعنی لوگوں کے مجمع میں نہ ہو۔ کیونکہ اس کے بعد "**ومن ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير من منهم**" آیا ہے۔

اعتراض (۲) حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور نشیب وفراز میں بلند آواز سے تکبیر پڑھتے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے اوپر نرمی کرو، تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے تم سننے والے دیکھنے والے کو پکارتے ہو۔ معلوم ہوا ذکر آہستہ ہونا چاہئے؟

الجواب: علماء نے اس حدیث شریف کے کئی جوابات مرحمت فرمائے ہیں:

ا۔ یہ حکم مبنی بر شفقت تھا، جہر بذاتِ خود کوئی شجرۂ ممنوعہ نہیں ہے، ہاں وہ جہر جو ذاکر پر بوجھ بن جائے وہ ممنوع ہے۔

۲۔ جہر مفرط سے روکنا مقصود تھا۔ یعنی وہ جہر جو عادت کے خلاف ہو وہ ممنوع ہے،

۳۔ نشیب وفراز میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسنون نہ سمجھ لیں، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں روکا۔

اعتراض (۳) حدیث شریف میں ہے: ''ذکر سری بہتر ذکر ہے'' دوسری روایت میں ہے ''وہ ذکر جس کو فرشتے نہیں سنتے اس ذکر سے ستر گنا فضیلت رکھتا ہے جس کو فرشتے سنتے ہیں۔

الجواب: دونوں حدیثیں ضعیف ہیں، پہلی روایت میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لبیبہ ضعیف ہیں۔ (تحریر تقریب التہذیب :۳/۲۸۰، وکتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ،رقم: ۳۰۷۱، وکتاب الضعفاء للدارقطنی)۔

دوسری روایت میں محمد بن حمید اور معاویہ بن یحیی الصدفی دونوں انتہائی ضعیف ہیں۔ لہذا دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔

نیز ان دونوں حدیثوں سے جہر کا جواز معلوم ہوا کہ جب سری بہتر ہے تو جہری بھی جائز ہے پھر عدمِ جواز پر استدلال کیسے؟

اشکال: اگر کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو کہ ضعیف حدیث فضائل میں مقبول ہے؟

الجواب: اس کا ایک جواب یہ ہے صحیح روایات جو ابتدا میں مذکور ہوئیں ان پر عمل زیادہ راجح ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دونوں میں تطبیق دی جائیگی، اس طور پر کہ ذکر خفی کو اکثر مشائخ نے بہتر فرمایا ہے، البتہ بعض احوال اور اشخاص اور زمانہ کے اعتبار سے ذکر جہری کو افضل قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ مناویؒ، علامہ آلوسیؒ، علامہ شامیؒ، علامہ طحطاویؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ حضرات نے اسی طرح تطبیق دی ہے۔

اعتراض (۴): حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: "**ما أراكم إلا مبتدعين**" معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے؟

الجواب: (۱) یہ روایت سنن دارمی، مصنف عبدالرزاق اور طبرانی وغیرہ میں موجود ہے، لیکن اس کے تمام طرق ضعیف ہیں۔

سنن دارمی کی روایت میں عمرو بن یحیی ضعیف ہیں ابن معین نے ان پر کلام کیا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ابوالزعراء ضعیف ہیں، اور قیس بن ابی حازم پر بھی کلام ہے۔

طبرانی کی دوسری روایت منقطع ہے ابوالبختری کا سماع عبداللہ بن مسعودؓ سے ثابت نہیں ہے۔ طبرانی کی اور ایک روایت میں مجالد بن سعید ہے جو ضعیف ہیں۔

مصنف عبدالرزاق کی روایت بھی ضعیف اور منقطع ہے ابوالبختری کا سماع حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ سے ثابت نہیں ہے۔خلاصہ یہ ہے یہ روایت ضعیف ہے۔

منقطع اور معضل اصولیین کے نزدیک مرسل میں شامل ہیں۔اور منقطع اور مرسل میں احناف اصولیین کے پانچ مسلک ہیں۔ان میں سے پانچواں یہ ہے کہ مرسل کو قبول کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ ارسال کرنے والا ثقہ،ائمہ دین میں سے کوئی امام ہو، قرونِ ثلاثہ میں سے ہو یا بعد والوں میں سے۔اس کو محقق ابن ہمامؒ اوران کے تلمیذ ابن امیر حاجؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے،اور ہمارے ہندوستانی اکابرؒ اور محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (دراسات فی اصول الحدیث،ص ۳۸۱ تا ۳۸۶)۔

الجواب (۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے دوسری روایات میں اس کے خلاف ثابت ہے، چنانچہ ابووائل کہتے ہیں کہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ذکر اللہ سے روکتے ہیں حالانکہ جب بھی میں ان کی مجلس میں بیٹھا ان کو ذکر کرتے ہوئے پایا،تو جب راوی کا عمل اپنی پہلی روایت کے خلاف ہو تو اس کے دوسرے عمل کو ترجیح ہوگی۔ جب کہ پہلی روایت صحیح سند سے ثابت بھی نہیں ہے۔

الجواب (۳) سنن دارمی کی روایت کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی گمراہ فرقہ کے لوگ تھے جو مسلمانون کے درمیان بدعت کا رواج ڈالنا چاہتے تھے،اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سخت الفاظ میں ان کو ڈانٹا۔

الجواب (۴) شیخ حافظ الدین ابن بزاز الکردری صاحبِ فتاویٰ بزازیہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نکالنا ان لوگوں کے اس طرح مجلس لگانے کو عبادت سمجھنے کی وجہ سے تھا اور لوگوں کو بتانے کے لیے کہ ذکر کی مجلس کو عبادتِ مقصودہ

سمجھنا بدعت ہے ورنہ فی نفسہ جائز ہے۔

الجواب (۵) علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ وہ لوگ مسجد میں بہت ہی زیادہ بلند آواز سے ذکر کررہے تھے یعنی چلارہے تھے اس وجہ سے منع فرمایا کیونکہ مسجد میں چلانا مسجد کے آداب کے بھی خلاف ہے۔

الجواب (٦) شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا احادیثِ صحیحہ مرفوعہ جو ماقبل میں مذکور ہوئیں ان کو ترجیح ہوگی، اور اس موقوف ضعیف کا اعتبار نہ ہوگا۔

الجواب (۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت مضطرب بھی ہے۔اضطراب کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

الجواب (۸) جب کوئی عمل قرآن وحدیث سے ثابت ہو تو کسی صحابی کا اس کو بدعت کہنا مضر نہیں ہے۔ہاں صحابی کے قول کی مناسب تاویل کی جائے گی۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ صلاۃ الضحیٰ کو بدعت کہتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ، وبخاری، ومسلم) لیکن صلاۃ الضحیٰ بدعت نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

☆ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جنبی کے لیے تیمّم کو ممنوع سمجھتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ، وبخاری) حالانکہ جنبی کے لیے تیمّم ثابت ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مغفل نے بسم اللہ جہراً پڑھنے کو بدعت کہا ہے۔(ترمذی شریف) جب کہ شوافع دوسرے دلائل کی روشنی میں سنت کہتے ہیں۔

☆ حضرت ابو مالک الاشجعی کے والد نے قنوت فی الفجر کو بدعت کہا ہے۔(ترمذی

شریف) حالانکہ شوافع دوسرے دلائل کے پیش نظر اس کو سنت کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی صحابی کے کسی عمل کو بدعت کہنے سے وہ عمل بدعت نہیں ہوگا جب کہ اس کے سنت یا مستحب یا جواز کے دوسرے دلائل موجود ہوں، ہاں صحابی کے قول کی مناسب تاویل کی جائیگی، مثلاً یہ کہا جائے گا کہ مسجد میں مشکوک قسم کے لوگ تھے اگر اس کو جاری رکھتے تو لوگ اس کو مسجد کے اعمال میں شمار کرتے پھر آگے چل بدعت کی صورت پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

بدعت کے بارے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ فرماتے ہیں:

بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب وسنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو، اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔ (حمائل شریف، ص۷۰۲)۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو، یعنی قرآن مجید اور احادیث شریف میں اس کا ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو، اور اسے دین کا کام سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے۔ (تعلیم الاسلام، ص۲۷)۔

لیکن یہ کہنا کہ فلاں عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس لیے یہ بدعت ہے، یہ بات درست نہیں، جو کام شریعت میں مسکوت عنہ ہو وہ مباح ہے، ہاں اس کا کرنا بدعت میں شمار اس وقت ہوگا جب اس کو سنت اور شریعت کا درجہ دے کر کیا جائے۔

فقہاء اور اصولیین نے ثبوتِ احکام کے چار دلائل بیان کیے ہیں، اسی طرح حرمت کے ثبوت کے بھی چار دلائل ہیں، ترکِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دلیل خامس کے طور پر

کسی نے ذکر نہیں کیا۔ نیز حدیث میں بھی حدیثِ ترکیہ کا ذکر نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات کی چند مثالیں:

☆ ضب یعنی گوہ کا کھانا عند الشوافع۔ (متفق علیہ)۔

☆ رکعتین قبل المغرب۔ (بخاری شریف)۔

☆ کعبہ کی تعمیر، فتنہ کی وجہ سے۔ (متفق علیہ)۔

☆ صومِ داودی۔ (متفق علیہ)۔

☆ ترک الامر بالسواک عند کل وضوء وصلاۃ، مشقت کے خوف سے۔ (متفق علیہ)۔

☆ تاخیر عشا کا ترک کرنا مشقت کی وجہ سے۔ (ترمذی، احمد)۔

یہ سب متروکات ہیں لیکن ممنوعات نہیں ہیں بلکہ بعض تو ان میں سے مطلوب افعال ہیں۔

حدیث میں آتا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو حلال قرار دیا وہ تو حلال ہے اور جس کو حرام قرار دیا وہ حرام ہے اور جو مسکوت عنہ ہے وہ معاف ہے۔ (مصنف عبد الرزاق، بیہقی، حاکم)۔

ہاں مسکوت عنہ کو شریعت کا درجہ دیدیا جائے تو وہ بدعت ہوگا، جیسا کہ ہمارے علماء نے چہلم، برسی وغیرہ وفات کے بعد کے رسوم کو بدعت قرار دیا ہے کیونکہ ان کو شریعت کا درجہ دیدیا گیا ہے۔ اور مجالس ذکر اور ان کے مخصوص طرق کو کوئی بھی شریعت اور مقصد کا درجہ نہیں دیتا، یہ طرق ایسے ہیں جیسے جہاد کے لیے وسائل مثلاً تلوار، بندوق، ٹینک، ہوائی جہاز وغیرہ ان سب کا اختیار کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ شریعت نہیں ہے۔ بلکہ مصالح

کے قبیل سے ہیں۔ حاصل یہ ہے غیر دین کو دین سمجھنا بدعت ہے اور متروک کو شریعت اور سنت کا درجہ دینا بھی بدعت ہے۔

صحابہ کرام کے بعض مخصوص اعمال جو قولی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں تھے:

صحابہ کرام سے بعض ایسے اعمال ثابت ہیں جو سنت سے ثابت نہیں ہیں لیکن چونکہ وہ حضرات سنت اور شریعت کا درجہ نہیں دیتے تھے اس وجہ سے ان اعمال پر بدعت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چند مثالیں درجِ ذیل ہیں:

☆ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ذوالحجہ کے پہلے عشرہ میں بازاروں میں گشت کرتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر پڑھتے تھے۔ (بخاری شریف)۔

☆ ایک صحابی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانے سے پہلے سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ (بخاری شریف)۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حج کے تلبیہ میں اضافہ فرماتے تھے۔ (مسلم شریف)۔

☆ حضرت خبیب بن عدیؓ نے شہادت سے پہلے رکعتین پڑھی تھی۔ (بخاری و احمد)۔

☆ ایک صحابی نے رکوع کے بعد قومہ میں چند کلمات کا اضافہ کیا تھا۔ (بخاری)۔

☆ مسبوق کے لیے نماز میں شامل ہونے کا طریقہ حضرت معاذؓ نے شروع فرمایا۔ (احمد و ابو داود)۔

☆ حضرت ابو سعید الخدریؓ نے ایک سردار کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔ (بخاری و مسلم)۔

☆ حضرت خارجہ کے چچا نے مجنون کے لیے خاص طریقہ پر رقیہ پڑھا کہ تین دن سورۂ فاتحہ پڑھی اور ہر دن میں دو مرتبہ۔(احمد، ابوداود، حاکم)۔

☆ ایک صحابی نے نماز میں تشہد کے بعد یہ دعا پڑھی: **اللّٰھم إنی أسألک، بأن لک الحمد ، لا إلہ إلا أنت، بدیع السماوات والأرض، یا ذالجلال والإکرام ، یا حي یاقیوم**، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دعا سنی تو فرمایا: اس شخص نے اسم اعظم کے ذریعہ دعا کی، کہ جس سے دعا کی جائے تو وہ قبول ہوگی اور جو سوال کیا جائے وہ مل جائے گا۔(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، احمد)۔

یہ اعمال صحابہ نے از خود کئے تھے اگر چہ ان میں سے بعض اعمال حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی حیاتِ طیبہ میں صادر ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا یا برقرار رکھا۔

امام بخاریؒ ہر حدیث درج کرنے سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نفل پڑھتے تھے۔(مقدمہ جامع المسانید والسنن)۔

امام ابوحنیفہؒ فجر کی نماز عشا کے وضو سے پڑھتے تھے۔(تاریخ بغداد، سندہ ضعیف)۔

ان سب امور کو شریعت کا درجہ نہیں دیا گیا بلکہ محبت کا درجہ دیا گیا لہذا یہ بدعت نہیں ہیں۔

اشکال: فقہاء نے بعض متروکات کو بدعت میں شمار کیا ہے۔مثلاً عید سے پہلے نفل نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی۔(ہدایہ، والبحر الرائق)۔

الجواب: شیخ غماری نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کوئی کام نہ کرنا بدعت کی دلیل نہیں ہے بلکہ عبادات میں بیان کی جگہ سکوت حصر کی دلیل ہے یعنی عیدین کے آداب،

مستحبات وغیرہ قولاً وفعلاً بیان کیئے گئے ہیں اور نفل کو قولاً وفعلاً بیان نہ کرنا یہ نفل نہ ہونے کی دلیل ہے۔(حسن التفھم والدرک لمسألۃ الترک)۔

اسی طرح اذان کے آخر میں لا الہ الا اللہ کے محمد رسول اللہ کا بیان نہ کرنا اس کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔

ہاں متروکات کو سنت اور شریعت کا درجہ دینا بدعت ہے اور دین میں اضافہ ہے۔

الجواب(۲) کسی چیز کی طرف رغبتِ شرعی یا طبعی ہونے کے باوجود اس کو ترک کرنا کراہت کی دلیل ہے، جب کہ بظاہر کوئی مانع اور رکاوٹ بھی نہیں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اشراق اور چاشت کی نماز پڑھنا ثابت ہے۔(ابن ماجہ، مسلم)۔

الجواب(۹) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا روکنا احتیاط اور سدِباب کے طور پر تھا۔ یعنی لوگ اس کو مسجد کے خاص اعمال میں سے اور خاص تعداد اور طریقہ کو سنت اور کثرتِ ثواب سمجھ کر بدعت نہ شروع کردیں۔ اس کی دلیل دارمی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: " **او مفتتحوا باب ضلالة** "۔ شریعت میں اس کی بہت ساری مثالیں ہیں:

۱۔ ابتدا میں زیارتِ قبور سے منع فرمایا بعد میں اجازت مرحمت فرمائی۔(ترمذی)۔

۲۔ حضرت عمرؓ تمتع سے روکتے تھے تاکہ بیت اللہ ہمیشہ آباد رہے پھر مقصود حاصل ہوگیا تو اب بلا اختلاف جائز ہے۔(مسلم شریف)۔

۳۔ شراب کی حرمت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمایا تھا تاکہ حرمت اچھی طرح دلوں میں بیٹھ جائے پھر مقصد حاصل ہوگیا تو برتنوں کے استعمال کی اجازت دیدی۔(بخاری شریف)۔

۴۔ابتدامیں قربانی کا گوشت صرف تین دن کھانے کی اجازت تھی مصلحت کی بناپر بعد میں جب مصلحت پوری ہوگئی تو اب تین دن کے کھانے کی اور ذخیرہ اندوزی کی بھی اجازت ہے۔(ابوداود شریف)۔

۵۔حضرت حذیفہؓ موت کی خبر دینے سے منع فرماتے تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔لیکن اس ممانعت کا مطلب زمانہ جاہلیت والی خبر سے منع کرنا تھا جس میں چیخ وپکار ہوتی تھی۔(سنن ابن ماجہ شریف)۔

۶۔عید کے دن لڑکیاں دف بجاتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منع فرمایا، کیونکہ غنا مع آلاتِ موسقی کی طرف جانے کا سبب بن سکتا تھا تو سد باب کے طور پر منع کیا۔(بخاری شریف)۔

۷۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ قاتل عمد کو دائمی جہنمی سمجھتے تھے یہ سد باب کے طور پر تھا،ورنہ ایمان والا سزا پا کر ایک دن جنت میں ضرور جائیگا۔(روح المعانی)۔

۸۔حضرت عمرؓ مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع کرتے تھے۔

۹۔حضرت عمرؓ شرک وفتنہ کے سد باب کے لیے تبرکات کا انکار کرتے تھے۔جب کہ عام صحابہ کرام تبرکات کے قائل تھے۔تبرکات کی مثالیں گزر چکی ہیں۔

۱۰۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جنبی کے لیے تیمّم کو بطورِ سد باب منع کرتے تھے۔

فقال: أی عبد اللّٰہ بن مسعودؓ إنا لو رخصنا لھم فی ھذا لأوشک إذا برد علی أحدھم الماء أن یدعه ویتیمم .(صحیح البخاری:۱/ ۵۰،کتاب التیمم).

الجواب(۱۰) بعض مسائل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خاص آرا میں شامل ہیں۔ خلیفہ منصور نے جب امام مالکؒ سے کہا کہ ایک کتاب لکھواور اس میں عبداللہ بن عمرؓ کی

سختیوں سے، عبداللہ بن عباسؓ کی رخصتوں سے اور عبداللہ بن مسعودؓ کے شذوذ سے بچنا اور میانہ روی اختیار کرنا اور جس پر صحابہ کرام اور ائمہ کا اجماع ہوا سے اختیار کرنا۔ (اوجز المسالک)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعض خاص مسائل تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مخصوص مسائل جن پر احناف نے عمل نہیں کیا وہ درجہ ذیل ہیں:

☆ رکوع میں تشبیک کے قائل تھے۔ (شرح معانی الآثار)۔

☆ دو مقتدیوں کے درمیان میں کھڑے رہتے تھے۔ (شرح معانی الآثار)۔

☆ **والذکر والأنثی** کی قراءت کرتے تھے۔ (بخاری شریف)۔

☆ جنبی کے لیے تیمّم کے قائل نہیں تھے، اور صحیح بخاری شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بطورِ سد باب تھا۔

☆ ان کے نزدیک ذوی الارحام معتق پر مقدم ہیں۔ (الشریفیہ)۔

☆ ان کے نزدیک جو لوگ کسی حادثہ میں ایک ساتھ مر جائیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ (السراجی)۔

☆ ان کے نزدیک محروم حجبِ نقصان کا سبب ہے۔ (السراجی)۔

☆ بنات الابن کو ابن الابن کے ساتھ عصبہ بنانے کے قائل نہیں تھے۔ (حاشیہ سراجی)۔

☆ تشہد میں السلام علی النبی، پڑھتے تھے۔ (اوجز المسالک)۔

☆ علاماتِ قیامت میں سے دخان کو بطورِ علامت تسلیم نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کو ایک واعظ کی بات پہنچائی گئی کہ انہوں نے دخان وغیرہ کو علاماتِ قربِ قیامت میں سے بتایا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے واعظ کی سختی سے تردید فرمائی اور یہ فرمایا کہ دخان وغیرہ تو قحط سالی کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گزر چکا ہے، حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ اور تابعین نے دخان کو قربِ قیامت کی علامات میں شامل فرمایا ہے، جواب تک ظاہر نہیں ہوا اور قسطلانی نے ارشاد الساری میں فرمایا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیر کے مطابق تو دخان ایک خیالی چیز بن جائیگی، نیز دخان کا علاماتِ قربِ قیامت میں سے ہونا کتبِ احادیث میں مصرح ہے، مسلم شریف میں ہے: **لا تقوم الساعة حتى تروا عشر آيات: طلوع الشمس من مغربها والدخان ودابة الأرض. الخ.** (رواه مسلم، رقم ۲۹۰۱).

مزید ملاحظہ ہو: (ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی: ۷/۲۸۷)۔

الجواب (۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کا سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام طرق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ذکر جہری سے منع نہیں کیا تھا بلکہ جہر کا تذکرہ تو کسی روایت میں نہیں ہے، ہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے شمار کرنے کو ناپسند کر کے اس پر اعتراض کیا تھا۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، قال: كان عبد الله يكره العدد ويقول: أيمن على الله حسناته۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۵/۲۲۰)۔

مرسل صحيح، قال ابن رجب في "شرح العلل" (۱/۲۹٤، ۲۹۵): وهذا يقتضي

ترجيح المرسل على المسند، لكن عن النخعي خاصة فيما ارسله عن ابن مسعودؓ خاصة ، وقد قال أحمد في مراسيل النخعي: لا باس بها ، وقال ابن معين : مرسلات ابراهيم صحيحة الا حديث تاجر البحرين ، وحديث الضحك في الصلاة . وقال ايضاً : إبراهيم أعجب إلي من سالم والقاسم وسعيد بن المسيب۔(حاشية تهذيب الكمال للدكتور بشار عواد:۲/ ۲۳۹، مؤسسة الرسالة).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے تمام طرق کے الفاظ حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

۲۔ سنن دارمی کی روایت میں ہے: **أفلا أمرتهم أن يعدوا سيئاتهم۔** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابوموسیٰ الاشعریؓ سے فرمایا کہ آپ نے ان کو یہ نہیں کہا کہ اپنے گناہوں کو شمار کرو۔

۳۔آگے اسی روایت میں ہے: **قالوا : يا أبا عبد اللّٰه حصا نعد به التكبير والتهليل والتسبيح ، قال: فعدوا سيئاتكم** ۔لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے ابوعبداللہ ہم سنگریزے پر تکبیر تہلیل اور تسبیح پڑھتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنے گناہوں کو شمار کرو۔

۴۔طبرانی کی روایت میں ہے: **قوماً بالمسجد يقولون من سبح كذا وكذا فله كذا وكذا** ۔یعنی کچھ لوگ مسجد میں بیٹھ کر یہ کہتے تھے کہ جو شخص اتنی اتنی مرتبہ سبحان اللہ پڑھے گا اس کو اتنا اتنا اجر وثواب ملے گا۔

۵۔طبرانی میں ہے: **يقول للناس قولوا كذا وقولوا كذا** ۔ایک شخص لوگوں سے کہہ رہا تھا اتنی اتنی مرتبہ پڑھو۔

۶۔طبرانی میں ہے: **إن قوماً يقعدون من المغرب إلى العشاء يسبحون**

یقولون قولوا کذا وقولوا کذا۔ یعنی کچھ لوگ مغرب اور عشا کے درمیان میں مسجد میں بیٹھ کر یہ کہتے تھے کہ اتنی اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہو۔

۷۔طبرانی میں ہے: **اتخذوا مسجداً یسبحون فیہ بین المغرب والعشاء کذا ویھللون کذا ویحمدون کذا**۔ کچھ لوگ مغرب اور عشا کے درمیان مسجد میں بیٹھ گئے اور مسجد میں خاص تعداد میں سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ، پڑھنا شروع کردیا۔

۸۔طبرانی میں ہے: **قوماً جلوس فی المسجد ورجلاً یقول لھم: سبحوا کذا وکذا ، احمدوا کذا وکذا**۔ کچھ لوگ مسجد میں بیٹھ گئے اور ایک شخص ان سے کہہ رہا تھا سبحان اللہ پڑھو اتنی اتنی مرتبہ، الحمد للہ پڑھو اتنی اتنی مرتبہ۔

مصنف عبد الرزاق میں درجِ ذیل الفاظ ہیں:

۹۔ **یقول للناس : قولوا کذا ،قولوا کذا**۔ ایک شخص لوگوں سے کہہ رہا تھا اتنی اتنی مرتبہ پڑھو۔

۱۰۔**ان قوماً یقعدون من المغرب إلی العشاء یسبحون یقولون: قولوا کذا**۔ کچھ لوگ مغرب اور عشا کے درمیان میں مسجد میں بیٹھ کر کہہ رہے تھے اتنی اتنی مرتبہ تسبیح پڑھو۔

مذکورہ بالا تمام طرق کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا انکار خاص وقت (مغرب وعشا کے درمیان) میں خاص تعداد شمار کر کے خاص ثواب کی امید رکھنے پر تھا۔ اور اس کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بدعت سمجھتے تھے۔

تنبیہ: قابل غور بات یہ ہے کہ حرمین میں عید کے دن نمازِ فجر سے اشراق تک

مؤذن بلند آواز سے تکبیر پڑھتا ہے اور سب لوگ اس کے ساتھ مل کر پڑھتے ہیں اور مسجد میں ایک شوروغل برپا ہو جاتا ہے، خصوصاً مصری لوگ بہت زیادہ چلا کر پڑھتے ہیں، اس پر علما نکیر نہیں کرتے ، ورنہ یہ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کی روشنی میں سب سے افضل مسجد میں بدعت کا عمل ہوگا!

اعتراض (۵) ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ بعض علما نے فرمایا کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے؟

الجواب: ملا علی قاریؒ نے خود دوسری جگہ لکھا ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ مرقات میں دوسری جگہ نقل فرماتے ہیں:

بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ ریا سے بچے کیونکہ ذکر جہری میں بہت سارے فوائد ہیں: (۱) دین کا اظہار ہے۔ (۲) سننے والوں کے لیے تعلیم ہے۔ (۳) سننے والوں کو غفلت سے بیدار کرنا ہے۔ (۴) جہاں تک ذکر کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک ذکر کی برکت پہنچتی ہے۔ (۵) دوسرے کو خیر کی دعوت دینے کے لیے۔ (۶) تاکہ ہر تر وخشک چیز اس کی گواہی دے۔ (مرقات)۔

دوسری جگہ حلق الذکر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی جگہ مساجد ہیں۔ (مرقات)۔

ہاں اوپر والی عبارت میں صرف بعض علما کا قول بیان کرنا مقصود تھا۔

اعتراض (۶) ذکر کی مجالس کے لیے تداعی درست نہیں ہے جیسے فقہاء نے نفل کے لیے تداعی کو مکروہ قرار دیا ہے؟

الجواب: امر مباح یا امر مندوب کے لیے تداعی اور اعلان جائز ہے۔ اور اس کی

بہت ساری مثالیں موجود ہیں:

☆ مدرسہ کے افتتاح کی تقریب، مدرسہ کا داخلہ، مدرسہ کا نصاب، مدرسہ کی چھٹیاں، امتحانات سب کے لیے اعلانات ہوتے ہیں۔

☆ دستار بندی کے جلسے یا اجتماع کے لیے تداعی ہوتی ہے، اور دارالافتاء دار العلوم کراچی کے فتوے کے اعتبار سے یہ جائز ہے اور مباح ہے ممنوع تداعی میں داخل نہیں ہے۔ اور ہمارے ناقص خیال میں مباح نہیں بلکہ کارِ خیر ہونے کی وجہ سے مندوب ہے یعنی **ما ترجح فعله على تركه** میں داخل ہے، ہاں اس پر اصرار کرنے اور سنت سمجھنے سے ممنوع ہو جائیگا۔

☆ اہم شخصیات کی وفات پر قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کے لیے علماء جمع ہوتے ہیں۔ ہمارے اکابر اس میں شامل ہوتے تھے یہ بھی مباح یا امر مندوب کے لیے تداعی ہے۔

☆ حضرت تھانویؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ محفل میلاد جب بدعات و رسومِ مروجہ سے خالی ہو تو مندوب ہے، اور یہ امر مندوب کے لیے اجتماع اور تداعی ہے۔

☆ ولیمہ، عقیقہ، طعامِ نکاح اور دیگر اقسامِ اطعمہ کے لیے تداعی ہوتی ہے، جو کہ امر مندوب یا امر مباح کے لیے تداعی ہے اور کسی نے ناجائز نہیں کہا، بلکہ ولیمہ کے لیے تداعی سے کتبِ احادیث بھری پڑی ہیں۔

☆ ختمِ بخاری کے جلسہ کو اکثر اکابر جائز اور مفید سمجھتے ہیں، اور اس کے لیے اجتماع بھی ہوتا ہے۔

☆ شیخ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے جب فتح الباری کی تکمیل فرمائی تو بڑے علماء کی

دعوت فرمائی۔

☆ شیخ محمد عابد سندھیؒ نے فتح الباری کو ایک جلد میں اور صحاحِ ستہ کو ایک جلد میں لکھا تھا تو اظہارِ خوشی میں بڑے علماء کی دعوت فرمائی۔

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے لامع الدراری کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ تداعی اگر ثواب اور دین سمجھ کر ہو تو مکروہ ہے اور اگر آسانی کے لیے ہو تو مکروہ اور قبیح نہیں ہے۔

☆ بخاری، مسلم کی روایت میں ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت مجالس ذکر کو تلاش کرتی ہے اور مجلس ذکر ملتی ہے، تو پکار کر کہتے ہیں، **هلموا إلى حاجاتكم**۔ تم اپنی حاجات کی طرف آؤ۔ یہ تداعی ہے، اور اس حدیث کی روشنی میں محبوب عمل ہے، کیونکہ فرشتے من جانب اللہ مامور ہوتے ہیں۔

☆ مجالس ذکر میں اصل مقصود وعظ ونصیحت ہوتی ہے، اور ذکر تابع ہوتا ہے، تو تداعی اور اعلان وعظ ونصیحت کے لیے ہوا نہ کہ ذکر کے لیے۔

☆ فقہاء نے صرف نفل نماز کے لیے تداعی کو ممنوع لکھا ہے اور اس میں بھی علامہ شامیؒ نے کبھی کبھار اجتماع کو جائز لکھا ہے۔

☆ مدارس کے سالانہ جلسے، سیرۃ النبی کے جلسے، عظمتِ صحابہ کانفرنس، فقہی کانفرنس، بزرگوں کی کسی علاقہ میں آمد پر جگہ جگہ اجتماعات یہ سب مندوبات میں داخل ہیں، یہ فرض نہیں کہ نہ کرنے والوں کو تارک فرض کہا جائے اور یہ اور یہ اجتماعات اور ان کے لیے تداعی اور اعلانات ہوتے رہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی وعظ ونصیحت کے لیے جمعرات کو مقرر فرمایا تھا۔ **كان عبد الله يذكر الناس في كل**

خمیس ۔(صحیح بخاری شریف، کتاب العلم) اکابرؒ نے جس تداعی کو منع کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اجتماع کو عبادت سمجھ کر نہ کرنے والوں پر نکیر کی جائے یا اس کو حد سے زیادہ اہمیت دی جائے جیسے میلاد النبی کے اجتماع کے بارے میں بریلوی مکتبِ فکر کا رویہ ہے۔

☆ صلاۃ کسوف جماعت کے ساتھ مستحب ہے اور اس کے لیے "**الصلاۃ جامعۃ**" کا اعلان فقہاء لکھتے ہیں۔ درمختار اور شامی میں ہے: **وینادی: "الصلاۃ جامعۃ" لیجتمعوا أی إن لم یکونوا اجتمعوا . بحر.** (فتاوی الشامی: ۲/۱۸۲، سعید). اس سے معلوم ہوا کہ مندوب کے لیے احیاناً اعلان ہوسکتا ہے ہاں نفل نماز کے معنی میں انفراد ہے غنیمت وہ مال ہے جو سب مجاہدین کو دیا جائے اور نفل وہ انعام ہے جو انفرادی طور پر دیا جائے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر کسی امر مباح یا مندوب کے لیے تداعی اور اعلان ہوتا ہو اور اس اجتماع کو مصلحت اور منفعت یا اس میں آسانی سمجھتے ہوں اس کو عبادت وثواب یا سنت اور ضروری نہیں سمجھتے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اعتراض (۷) ذکر کی یہ خاص ہیئت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، نیز شریعت نے جس کو مطلق چھوڑا ہو اس میں اپنی طرف سے قیودات لگانا بدعت ہے؟

الجواب: یہ اعتراض اگر سلفی حضرات کی طرف سے ہوتا تو کوئی تعجب خیز بات نہیں ہوتی، لیکن یہ اعتراض ان حضرات کی طرف سے ہو رہا ہے جو تصوف کی موجودہ شکل و

صورت کو تسلیم کرتے ہیں۔

کیا تصوف کے اوراد، وظائف اوران کی کیفیات ، بارہ تسبیح خاص نوعیت کے ساتھ وغیرہ وغیرہ، یہ سب زمانہ نبوت سے ثابت ہیں؟ ہرگز نہیں۔ سلفی حضرات ان تمام چیزوں کو بدعت کہتے ہیں، اس اعتبار سے تو ہمارے تمام اکابرؒ مبتدع بن جاتے ہیں۔

لیکن اس کے جواب میں ہمارے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ہم ان اوراد واشغال کی خاص ترکیب وشکل اور تعداد کو دین یا زیادہ ثواب کا باعث نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ دین پر چلنے کا ایک وسیلہ یا مصلحت سمجھتے ہیں جو مقصود بالذات نہیں۔

اس بارے میں اکابرؒ کی عبارات اور حوالے ماقبل میں پیش کیے گئے ہیں، اعادہ و تکرار موجبِ کلفت ہے، صرف ایک نئے حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ کو تصوف اوراس کے اعمال کے بارے میں بدعت ہونے کا شبہ تھا (خصوصاً ذکر اجتماعی وجہری ضرب کے ساتھ) تو حضرت رائے پوری قدس سرہ نے بہترین توجیہ فرمائی اوران کے تمام اشکالات رفع دفع ہوگئے، اس توجیہ کا ایک حصہ حسبِ ذیل درج ہے:

حضرت رائے پوریؒ نے ارشاد فرمایا:

بس سلوک کے جن اعمال واشغال پر آپ کو بدعت ہونے کا شبہ ہے ان سب کی نوعیت بھی یہی ہے ان میں سے کوئی چیز بھی مقصود سمجھ کر نہیں کی جاتی بلکہ یہ سب نفس کے تزکیہ اور تحلیہ کے لیے کیا کرایا جاتا ہے جو دین میں مقصود اور مامور بہ ہے۔

مثلاً یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اس کا اور اس کی رضا کا دھیان فکر رہنا اوراس کی طرف سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا، یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں،

اور قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل ہی نہیں ہوتا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دین کی تعلیم وتربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیتیں بھی آپ کی صحبت ہی سے حاصل ہوجاتی تھیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے صحابہ کرامؓ کی صحبتوں میں بھی یہ تاثیر تھی لیکن بعد میں احوال کے زیادہ بگڑ جانے اور استعدادوں کے ناقص ہوجانے کی وجہ سے اس مقصد کے لیے کاملین کی صحبت بھی کافی نہیں رہی، تو دین کے اس شعبہ کے اماموں نے ان کیفیات کے حاصل کرنے کے لیے صحبت کے ساتھ ذکر وفکر کی کثرت کا اضافہ کیا اور تجربہ سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔ اسی طرح بعض مشائخ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے احوال کا تجربہ کر کے ان کے نفس کو توڑنے اور شہوات کو مغلوب کرنے اور طبیعت میں لینت پیدا کرنے کے لیے ان کے واسطے خاص خاص قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کیے۔ اسی طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لیے اور طبیعت میں رقت اور یکسوئی پیدا کرنے کے لیے ضرب کا طریقہ نکالا گیا ہے۔ تو ان میں سے کسی چیز کو بھی مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور اسی لیے مقصد حاصل ہوجانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑادی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ طریق اپنے اپنے زمانہ کے حالات اور اپنے تجربوں کے مطابق ان چیزوں میں ردوبدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں اب بھی کرتے رہتے ہیں، بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کے لیے ان کے خاص حالات اور ان کی استعداد کے مطابق الگ الگ اعمال واشغال تجویز کردیتا ہے اور بعضے ایسی اعلیٰ استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنھیں اس طرح کا کوئی ذکر وشغل کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ ان کو یوں ہی نصیب فرمادیتا ہے۔

اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کو صرف علاج اور تدبیر کے طور پر ضرورۃً کیا کرایا جاتا ہے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ فرماتے ہیں: ان بزرگ کی اس تقریر اور توضیح سے میرا وہ ذہنی خلجان تو دور ہو گیا۔ (ماخوذ از ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ جون ۲۰۰۹ء)۔

ہمارے حضراتِ اکابرؒ آواز ملانے کو زیادہ ثواب کا موجب نہیں سمجھتے بلکہ دل لگانے اور ذوق پیدا کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔

بلکہ مستدرکِ حاکم کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر اجتماعی کی مجلس پسندیدہ ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے، اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس مجلس میں شریک ہوئے اور تعریف فرمائی۔ (مستدرکِ حاکم: ۱/۱۵۹/۴۱۹)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ کے تفصیلی فتوے کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اگر اس کو واجب یا سنت نہ قرار دیا جائے تو درست ہے۔

اشکال: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہیؒ کے فتویٰ سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد میں ذکر جہری اگرچہ جائز ہے لیکن مستحسن نہیں ہے؟ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۷۹)۔

الجواب: ۱۔ حضرت گنگوہیؒ نے خود مسجد میں حاجی صاحب کی موجودگی میں ذکر جہری فرمایا۔ (تذکرۃ الرشید)۔

۲۔ گنگوہ کی مسجد میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ اپنے متعلقین کے ساتھ نصفِ شب کے بعد سے ذکر جہری فرماتے تھے۔ (مجالس ذکر جہری)۔

۳۔ باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ میں مرقوم ہے کہ مسجد میں اجتماعی وانفرادی ذکر جہری کا

سوال کیا گیا تو حضرت نے فرمایا بندہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ درست ہے، اس جواب پر مہتمم جامع مسجد سہارنپور مولانا مفتی ابوالحسن کے دستخط ہیں، اورانہوں نے درج ذیل عبارت کا اضافہ فرمایا:

وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفاً و خلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها، إلا أن يشوش جهرهم على نائم أومصل أوقارئ، انتهى، رد المحتار ۔اس جواب پر مفتی عنایت الٰہی ،مفتی محمد مراد و مفتی محمد صدیق احمد مہتمم مدرسہ اسلامیہ کاندھلہ ومفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی وغیرہ حضرات کے دستخط ہیں۔

اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کی یہ عبارت بھی مرقوم ہے: **وقد استنبط الجهر في الذكر من قوله تعالىٰ : ﴿ ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾.** (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ،ص ۴۲۱)۔

معلوم ہوا کہ حضرت گنگوہیؒ کا بعدوالافتویٰ مسجد میں بہ چند شرائط اجتماعی ذکر جہری کے استحباب کا ہے۔

۴۔ دیگر حضرات نے بھی مسجد میں ذکر اجتماعی وجہری کو مستحب قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ علاء الدین بن العلامہ الشامیؒ نے الهدية العلائیہ میں مستحب لکھا ہے، اور فتاویٰ ہندیہ میں، جواہر الفقہ وغیرہ میں استحباب والاقول منقول ہے۔

ہاں سدباب اور دوسرے عوارض کی وجہ سے کبھی منع کیا جاتا ہے جیسے حضرت گنگوہیؒ نے جس جگہ منع کیا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ مسجد میں کودتے ، چلاتے تھے اور مسجد میں شوروغل کرتے تھے۔

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا اسم گرامی: عبداللہ ۔کنیت: ابوعبدالرحمٰن، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام: ام عبد تھا، شجرۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے والد مسعود ایامِ جاہلیت میں عبداللہ بن حارث کے حلیف تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ متبحر عالم، فقیہ الامت، مجتہد، محدثِ کبیر، رئیس القراء، امام المفسرین، بنی زہرہ کے حلیف تھے۔ چھٹے نمبر پر اسلام قبول کیا تھا۔

ایامِ جاہلیت میں زمانہ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا، یہ ایک درسگاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی، وفاشعاری اور راست بازی کا سبق دیا جاتا تھا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں نعرۂ توحید بلند کیا تو اس وقت عقبہ بن معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق غار حضرت ابوبکر صدیق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے گزرے، شدتِ پیاس کی وجہ سے ان سے دودھ طلب کیا، انہوں نے دینے سے معذرت کردی کہ یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں، حضرت نے بے بیائی بکری طلب فرما کر اس کے تھنوں پر دستِ مبارک پھیرا تو اس کے تھن دودھ سے لبریز ہو گئے، تینوں حضرات نے یکے بعد دیگرے خوب سیر ہو کر دودھ نوش فرمایا، پھر آپ نے تھن سے فرمایا خشک ہو جا تو وہ اپنی اصلی حالت پر عود کر آ گیا۔

اس کرشمۂ قدرت نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دل پر بے حد اثر کیا، اور آپ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، اور اسلام میں حلقہ بگوش ہونے کے بعد وہ ہمیشہ خدمتِ بابرکت میں حاضر رہنے لگے اور لسانِ نبوت سے بلاواسطہ تعلیم شروع کر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خادمِ خاص بنالیا، یہاں تک کہ آپ صاحب الوسادۃ والنعلین سے مشہور ہو گئے۔

آپ وہ پہلے صحابی رسول ہیں جنہوں نے کفارِ قریش کے مجمع میں بآوازِ بلند سورۂ رحمٰن پڑھ کر سنائی تھی۔

مشرکین مکہ کی مسلسل ایذا رسانی اور تکالیف سے تنگ آ کر دو مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی اور آخر میں مدینہ منورہ ہجرت فرما کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مہمان ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی اور مستقل رہائش کے لیے مسجد نبوی سے متصل ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔ اور بعض روایات میں آتا ہے کہ ان کے اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی تھی۔

تمام مشہور اور اہم غزوات میں جانبازی اور جوانمردی کے ساتھ برسر پیکار رہے، غزوۂ بدر میں کفار کے سرخیل ابو جہل کو اس کے آخری سانس کے وقت ڈاڑھی پکڑ کر للکارا اور سر تن سے جدا کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلوار آپ کو بطورِ انعام عطا فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک عرصہ تک گوشہ نشینی میں رہے بالآخر ۱۵ھ میں یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں دادِ شجاعت دی۔

۲۰ھ میں خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو کوفہ کا قاضی، معلم اور غزانہ کی افسری کی حیثیت سے مقرر فرما کر اپنی ذات پر ترجیح دی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم اور روزیر بنا کر بھیجا ہے، عبداللہ بن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے، یہ دونوں حضرات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ذی عزت اصحاب میں سے ہیں جو کہ معرکہ بدر میں شریک تھے اس لیے ان کو سمعاً و طاعةً کہو اور اتباع کرو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے ابن ام عبد کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی، رحم دلی، نرمی و تلطف، عفو درگزر و چشم پوشی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دئے کہ کسی کو آپ سے شکایت پیدا نہ ہوئی۔

کوفہ سے معزول ہوتے ہی آپ بلا کسی فتنہ و انتشار کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز مقدس کی طرف عمرہ کی نیت سے روانہ ہو گئے، راستہ میں جب مقامِ ربذہ سے گزر ہوا تو دیکھا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زندگی کے آخری لمحات سے

گزر رہے ہیں تو وہاں تشریف لائے، صحابی رسول حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے تجہیز و تکفین کے متعلق ضروری ہدایات فرما کر جاں جاں آفریں کے سپرد کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وصیت کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین کر کے نمازِ جنازہ پڑھا کر سپردِ خاک کیا۔

ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے پاس پہونچے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ پہنچ کر امیر المؤمنین کو ان کی وفات کی اطلاع دی، اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور اپنی باقی زندگی وہی پر عزلت و گوشنشینی اور عبادتِ الٰہی میں بسر کی۔

۳۲ھ میں جب کہ آپ کی عمر مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکی تھی، علالت شروع ہوئی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عیادت کے لیے تشریف لائے اور آپ سے گفتگو فرمائی دورانِ گفتگو آپ نے وظیفہ کی پیش کش کی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قبول کرنے سے معذرت فرمادی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئیگا، تو حضرت نے جواب دیا میں نے انہیں ہر شب سورۂ واقعہ پڑھنے کا حکم دے دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ اور تنگ دستی کا شکار نہ ہوگا۔

یہ روایت مختلف کتبِ حدیث میں موجود ہے:

[اخرجه الحارث بن ابی اسامة فی مسنده ۱۷۸ من زوائده، وابن السنی فی عمل الیوم اللیلة ٦٧٤، وابن بشران فی الامالی ۱۰/۳۸/۱، والبیهقی فی شعب الایمان ۲٤۹۸، من طریق ابی شجاع، عن ابی ظبیة به، ورمز السیوطی فی الحامع الصغیر ۷۹٤۲ لضعفه،

وقال المناوی فی فیض القدیر٦/١ ٢٠: فیه ابوشجاع ، قال فی المیزان : نکرة لایعرف ، ثم اورد هذا الخبر من حدیثه عن ابن مسعود ، قال ابن الجوازی فی العلل : قال احمد: هذا حدیث منکر ، وقال الزیلعی تبعاً لجمع : وهومعلول من وجوه : احدها الانقطاع کما بینه الدارقطنی وغیره ، والثانی نکارة متنه کماذکره احمد ، والثالث ضعف رواته کما قاله ابن الجوزی ، والرابع اضطرابه ، وقد اجمع علی ضعفه احمد وابوحاتم وابنه والدارقطنی والبیهقی وغیرهم ، انتهی] ـ(تحقیق المقال ،ص ٦١٠).

۳۲ھ میں ساٹھ سے زیادہ برس کی عمر پا کر داعی اجل کو لبیک کہا اور اس طرح یہ علم وفضل کا سورج غروب ہوا، صحیح روایت کے مطابق امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنۃ البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں سپردِ خاک کیے گئے ۔اناللہ وانا الیہ راجعون ۔

فضائل ومناقب

خادم خاص اور ہمدم وہمراز:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خاص میں شامل تھے ،مسواک ،وضو کا پانی رکھنا، جوتہ پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا، بلم لے کر آگے چلنا یہ سب آپ کی مخصوص خدمات تھیں ،اس خدمت گزاری کے ساتھ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار بھی تھے ،مخصوص صحبتوں میں شریک کیے جاتے بلااذن تخلیہ میں حاضر ہوتے ،حتیٰ کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کثرت سے آمدورفت کی وجہ سے خاندانِ رسالت کا ایک فرد گمان کرتے تھے ۔اسی کی برکت سے آپ کو گلزارِ نبوت سے خرمنِ کمال کی خوشہ

چینی کا سب سے زیادہ موقع میسر آیا۔ یہاں تک کہ آپ کے بارے میں مشہور تھا: **إنه أقرب الناس إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم هدياً وسمتاً** ۔ وہ اپنے اخلاق وعادات کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ قریب تھے۔

قرآنِ کریم کے بڑے علماء میں آپ کا شمار:

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ” **من سره أن يقرأ القرآن رطباً كما نزل فليقرأ على قراءة ابن أم عبد** ۔ یعنی جو شخص قرآن مجید کو اس طرح پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق پڑھے۔ ایک روایت میں ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر سے زیادہ سورتیں بلاواسطہ مشافہۃً نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کی ہیں۔ **قال: واللّٰه لقد أخذت من في رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بضعاً وسبعين سورة** ۔

اور یہ بھی فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ قرآن مجید کا علم مجھ سے زیادہ کسی کے پاس ہے تو میں اس کے پاس سفر کر کے حاصل کرلوں، نیز فرمایا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے کہ جس کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب، کہاں اور کس بارہ میں اتری ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سالم رضی اللہ عنہ، معاذ رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

حدیث میں آپ کا مقام:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ نبوت میں ایک خاص تقرب حاصل تھا بنا

بریں علوم نبوت میں نہایت وسیع معلومات کے حامل تھے، ان سے بکثرت روایات منقول ہیں، آپ کی جملہ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے ان میں سے ۶۴ بخاری و مسلم میں مشترک ہیں، ان کے علاوہ ۲۱ بخاری میں ہیں اور ۳۵ مسلم میں ہیں۔ بایں ہمہ روایت میں حد درجہ محتاط تھے، چنانچہ ابوعمر شیبانی بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت میں کامل ایک سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ کا لفظ ان کی زبان سے سنا، ایک مرتبہ انہوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم میں رعشہ آ گیا اور کہنے لگے، آپ نے اس طرح یا اس کے قریب یا اس کے مشابہ فرمایا تھا۔

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں ۱۸ مہینے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہا لیکن میں نے کبھی ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے کچھ نہیں سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے قال رسول اللہ ان کی زبان سے نکل گیا، تو دیکھا ان کا تمام بدن خوف و ہراس سے عرق عرق ہو گیا پھر فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح یا اس کے مشابہ فرمایا۔

فقہ میں آپ کا مقام:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان فقہائے صحابہ میں سے ہیں جو فقہ کے مؤسس و بانی سمجھے جاتے ہیں، خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت ہی کے سنگِ اساس پر تعمیر ہوئی ہے۔ چنانچہ فقہائے احناف فرماتے ہیں:

الفقه زرعه عبد الله بن مسعود رضي الله عنه وسقاه علقمةؒ وحصده إبراهيم النخعيؒ وداسه حمادؒ وطحنه أبو حنيفةؒ وعجنه أبويوسفؒ وخبزه

محمدؒ فسائر الناس يأكلون من خبزه .

قوله : زرعه أى أول من تكلم باستنباط فروعه عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ الصحابى الجليل ، قال الإمام النووىؒ : فى التقريب وعن مسروق أنه قال: انتهى علم الصحابة إلى ستة (١) عمر رضی اللہ عنہ (٢) علي رضی اللہ عنہ (٣) وأبي بن كعب رضی اللہ عنہ (٤) وزيد بن ثابت رضی اللہ عنہ (٥) وأبى الدرداء رضی اللہ عنہ (٦) وعبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ ، ثم علم الستة إلى على رضی اللہ عنہ وعبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ .

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مخصوص تلامذہ میں سے علقمہؒ اور اسودؒ نے فقہ میں خاص شہرت حاصل کی تھی، پھر ان کے بعد ابراہیم نخعیؒ نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہاں تک کہ ان کو فقیہ العراق کا لقب ملا، ابراہیم نخعیؒ کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کا نہایت وسیع ذخیرہ تھا، جو ان کو تمام تر زبانی یاد تھا، ان سے حمادؒ نے حاصل کیا اور حماد سے منتقل ہوکر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حصہ میں آیا، جنہوں نے اپنے علم واجتہاد سے اس کو اس قدر وسعت دی کہ آج اکثر دنیائے اسلام ان کے فیوض وبرکات سے مالا مال ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا آپ پر اعتماد اور بشارتیں:

أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم مر بابن مسعود وهو يقرأ حرفاً حرفاً ، فقال: ”من سره أن يقرأ القرآن غضاً كما أنزل فليسمعه من ابن مسعود رضی اللہ عنہ . (اخرجه الامام احمد ، واسناده صحيح).

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مرفوعاً: استقرءوا القرآن من أربعة: من ابن مسعود، وأبي، ومعاذ، وسالم مولى أبي حذيفة. (اخرجہ البخاری).

عن علي رضی اللہ عنہ قال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم:" لو كنت مؤمراً أحداً عن غير مشورة لأمرت عليهم ابن أم عبد". (رواہ الترمذی، واسنادہ ضعیف).

عن أم موسى: سمعت علياً يقول: أمر رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم ابن مسعود رضی اللہ عنہ، فصعد شجرة يأتيه منها بشيء، فنظر أصحابه إلى ساق عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ، فضحكوا من حموشة ساقيه، فقال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم:" ما تضحكون ؟ لرجل عبد اللّٰہ أثقل فى الميزان يوم القيمة من أحد. (اخرجہ احمد، واسنادہ صحیح).

عن حذيفة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم: اقتدوا باللذين من بعدي أبي بكر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ، واهتدوا بهدي عمار رضی اللہ عنہ، وتمسكوا بعهد ابن أم عبد. (اخرجہ احمد، والترمذی والحاکم وصححہ ووافقہ الذہبی).

عن جعفر بن عمرو بن حريث عن أبيه قال: قال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم: قد رضيت لكم مارضي لكم ابن أم عبد". (اخرجہ الحاکم وصححہ ووافقہ الذہبی).

وعن سارة بنت عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم قال: والذى نفسى بيده أن عبد اللّٰہ أثقل فى الميزان يوم

القيمة من أحد ". (اسناده ضعيف).

عن عبد الرحمن بن يزيد قال: قلنا لحذيفة : أخبرنا برجل قريب السمت والدل برسول الله صلى الله عليه سلم حتى نلزمه، قال: ما أعلم أحداً أقرب سمتاً ولا هدياً ولا دلاً من رسول الله صلى الله عليه وسلم، حتى يواريه جدار بيته من ابن أم عبد، ولقد علم المحفوظون من أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم أن ابن أم عبد من أقربهم إلى الله زلفى . (اخرجه الترمذی ،وقال حسن صحيح).

عن علي ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنه لم يكن نبي إلا وقد أعطى سبعة نجباء رفقاء وزراء ، وإني أعطيت أربعة عشر: حمزة ، وأبوبكر ، وعمر ، وعلى ، وجعفر ، وحسن ، وحسين ، وابن مسعود ، وأبوذر ، والمقدار ، وحذيفة، وعمار ، وسلمان. (اخرجه الترمذی ، اسناده ضعيف، لضعف كثير النواء).

عن إبراهيم عن علقمة قال: كان عبد الله بشبه النبي صلى الله عليه وسلم في هديه ودله وسمته، وكان علقمة يشبه بعبد الله . (اخرجه الفسوی فی المعرفة والتاريخ ،واسناده صحيح).

عن حارثة بن مضرب قال: كتب عمر بن الخطاب ﷺ إلى أهل الكوفة :إني قد بعثت إليكم عماراً أميراً ، وابن مسعود معلماً ووزيراً ، وهما من النجباء من أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، من أهل بدر فاسمعوا لهما ، واقتدوا بهما، وقد آثرتكم بعبد الله على نفسي. (اخرجه

ابن سعد،والحاکم وصححه ووافقه الذهبی).

عن زيد بن وهب قال: كنت جالساً في القوم عند عمر إذ جاء رجل نحيف قليل، فجعل عمر ينظر إليه ويتهلل وجهه ثم قال: كنيف ملئ علماً، كنيف ملئ علماً، كنيف ملئ علماً، فإذا هو ابن مسعود رضی اللہ عنہ

(اخرجه ابن سعد).

عن حبة قال: لما قدم علي رضی اللہ عنہ **الكوفة أتاه نفر من أصحاب عبد الله فسألهم عنه حتى رأوا أنه يمتحنهم، قال: وأنا أقول فيه مثل الذي قالوا أو أفضل، قرأ القرآن فأحل حلاله وحرم حرامه، فقيه في الدين عالم بالسنة.** (اخرجه ابن سعد).

عن أبي موسى قال: لا تسألوني عن شيء ما دام هذا الحبر بين أظهركم. (اخرجه احمد).

قال الشعبي: ما دخل الكوفة أحد من الصحابة أنفع علماً ولا أفقه صاحباً من عبد الله.

(ماخوذ از سیر اعلام النبلاء، مع الحواشی،جلد ۱، وطبقات ابن سعد، جلد ۳، وسیرالصحابة،جلد ۲، والدرالمختار، ومقدمة نورالایضاح).

الغرض ان تمام مناقب وفضائل کے باوجود جمہور کے مخالف ان کے مخصوص مسائل تھے جن کے بارے میں خلیفہ منصور نے امام مالکؒ سے فرمایا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شذوذ سے بچنا۔ چنانچہ ابن فرحون نے " **الديباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب**" میں اس روایت کو نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو:

روی أبو مصعب أن أباجعفر المنصور قال لمالک : ضع للناس کتاباً ... وفي روایة أن المنصور قال له: یا أبا عبد اللّٰه ! ضع هذا العلم ودون کتاباً وجنب فیه شدائد عبد اللّٰه بن عمر رضی اللہ عنہ و رخص عبد اللّٰه بن عباس رضی اللہ عنہ وشواذ ابن مسعود رضی اللہ عنہ واقصد أوسط الأمور ، وما أجمع علیه الصحابة والأئمة . (الدیباج المذهب فی معرفة علماء اعیان المذهب،ص۱۳باب فی ذکر المؤطاو تألیفه ایاه).

یعنی خلیفہ منصور نے امام مالکؒ سے کہا کہ ایک کتاب لکھواور اس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سختیوں سے،عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رخصتوں سے اورعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شذوذ سے بچواور میانہ روی اختیار کرو،اور جس پر صحابہ کرام اورائمہ کا اجماع ہواس کو اختیار کرو،یعنی جمہور کے راستے پر چلو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے چند مخصوص مسائل حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) رکوع میں تشبیک کرنا۔(۲) دومقتدیوں کے درمیان کھڑے رہنا۔(۳) قراءت میں والذکروالانثی ، پڑھنا۔(۴) جنبی کے لیے تیمّم کا قائل نہ ہونا۔(۵) نماز کے سلام میں وبرکاتہ کا اضافہ کرنا۔(۶) تسبیح شمار کرنے کومکروہ سمجھنا۔(۷) دخان کی تفسیر میں جمہور کی مخالفت کرنا۔(۸) التحیات میں السلام علی النبی پڑھنا۔(۹) تعویذ کو مکروہ سمجھنا۔وغیرہ۔

ان کے علاوہ بعض مسائل ایسے ہیں جن پراحناف کا عمل نہیں ہے،فقہائے احناف نے اس کے خلاف دوسرے صحابہ کے قول پرفتویٰ دیا ہے۔ملاحظہ ہو:

(۱) الا ماظہر منہا کی تفسیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول احناف نے نہیں لیا۔

(۲) اولامستم النساء، کی تفسیر میں بھی احناف نے ان کا قول نہیں لیا۔

(۳) نماز میں مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قراءت کو قراءت محسوب نہیں کیا۔

نیز میراث کے چند مسائل میں بھی احناف ان کے ساتھ موافق نہیں۔ان مسائل کی تفصیل اپنے مقام پر گزر چکی ہے۔

اسی طرح ذکر اجتماعی میں تسبیحات کو شمار کرنے کے مسئلہ میں بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بشرط صحتِ اسنادِ روایت اپنی خاص رائے ظاہر فرمائی کہ ان کو شمار نہیں کرنا چاہئے یعنی شمار کے بغیر کثرت سے ذکر کرنا چاہئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مآخذ و مراجع

نمبر شمار	اسماء الکتب	اسماء المصنفین والمؤلفین	مطبع
۱	قرآن مجید	تنزیل من رب العٰلمین	
۲	تفسیر ابن کثیر	الحافظ ابن کثیر الدمشقی	مکتبہ دار السلام
۳	تفسیر القرطبی	محمد بن احمد القرطبی	دار الکتب العلمیة
۴	مدارک التنزیل	عبداللہ بن احمد النسفی	دار الفکر
۵	تفسیر ابی السعود	ابو السعود محمد العمادی الحنفی	دار الکتب العلمیة
۶	الفتوحات الالٰہیہ	سلیمان بن عمروالشافعی(الجمل)	دار احیاء التراث
۷	تفسیر روح المعانی	السید محمود الآلوسی الحنفی	مکتبة دار التراث
۸	التفسیر المظہری	القاضی محمد ثناء اللہ المظہری	بلوچستان بکڈپو
۹	الدر المنثور	جلال الدین السیوطی	دار احیاء العلوم
۱۰	تفسیر بدیع	الشیخ محمد شریف اللہ	جامعة شمس العلوم
۱۱	بیان القرآن	حکیم الامت مولانا اشرف علی	سعید کمپنی
۱۲	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع العثمانی	ادارة المعارف
۱۳	معارف القرآن	مولانا محمد ادریس الکاندھلوی	مکتبة المعارف
۱۴	الاتقان	الحافظ جلال الدین السیوطی	دار احیاء العلوم
۱۵	کشف الرحمن	مولانا احمد سعید صاحب	مکتبہ رشیدیہ
۱۶	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل البخاری	فیصل ببلیکیشنز

۱۷	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج النیسابوری	فیصل ببلیکیشنز
۱۸	سنن النسائی	احمد بن شعیب النسائی	قدیمی کتب خانہ
۱۹	سنن ابی داود	سلیمان بن اشعث السجستانی	فیصل ببلیکیشنز
۲۰	جامع الترمذی	محمد بن عیسی الترمذی	فیصل ببلیکیشنز
۲۱	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید القزوینی	قدیمی کتب خانہ
۲۲	موطا امام مالک	مالک بن أنس الاصبحی	قدیمی کتب خانہ
۲۳	طحاوی شریف	احمد بن محمد الطحاوی	سعید کمبنی
۲۴	مشکوۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ التبریزی	قدیمی کتب خانہ
۲۵	مسند احمد	احمد بن محمد بن حنبل	دار الفکر بیروت
۲۶	مسند ابی یعلی	أبو یعلی أحمد بن علی الموصلی	علوم القزآن
۲۷	مسند الطیالسی	سلیمان بن داود بن الجارود	مکتبہ حسینیہ
۲۸	مسند بزار	احمدبن عمرو البزار البصری	دار الفکر بیروت
۲۹	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد الطبرانی	موسسة الرسالة
۳۰	مسند ابی عوانة	أبوعوانة یعقوب بن إسحاق	دار المعرفة
۳۱	المستدرک	محمد بن عبد اللہ النیسابوری	دار الباز بمکة
۳۲	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان البستی	المکتبة الاثریة
۳۳	السنن الکبری	أبو بکر احمد بن حسین البیهقی	دار المعرفة
۳۴	السنن الکبری	احمد بن شعیب النسائی	دار الکتب العلمیة
۳۵	سنن الدارمی	عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی	قدیمی کتب خانہ
۳۶	سنن ابن منصور	سعید بن منصور بن شعبة المکی	دار الکتب العلمیة

۳۷	السنن الواردة فی الفتن	ابوعمرو عثمان بن سعيد الدانی	دار العاصمة
۳۸	شرح السنة	محی السنة ابو محمد البغوی	الكتب الاسلامی
۳۹	مصنف ابن ابی شيبة	عبد الله بن محمد بن أبی شيبة	ادارة القرآن
۴۰	مصنف عبد الرزاق	عبد الرزاق بن همام الصنعانی	ادارة القرآن
۴۱	رياض الصالحين	ابو زكريا محی الدين النووی	مناهل العرفان
۴۲	صحيح ابن خزيمة	محمد بن اسحاق بن خزيمة	الكتب الاسلامی
۴۳	المعجم الكبير	سليمان بن احمد الطبرانی	دار الحرمين
۴۴	المعجم الاوسط	سليمان بن احمد الطبرانی	احياء التراث
۴۵	المنتقی	عبد الله بن علی الجارود	دار الكتب العلمية
۴۶	كنز العمال	علاء الدين المتقی الهندی	موسسة الرسالة
۴۷	مشكل الآثار	علامه طحاوی	دائرة المعارف
۴۸	الادب المفرد	محمد بن اسماعيل البخاری	مكتبه رحمانيه
۴۹	الترغيب والترهيب	زكی الدين عبدالعظيم المنذری	احيار التراث
۵۰	حلية الأولياء	أبو نعيم أحمد بن عبد الله	دار الفكر بيروت
۵۱	مجمع الزوائد	علی بن أبی بكر الهيثمی	دار الكتب العلمية
۵۲	جمع الفوائد	محمد بن سليمان المغربی	مكتبة ابن كثير
۵۳	مصباح الزجاجة	احمد بن أبی بكر الوصيری	دار السلام
۵۴	موارد الظمآن	علی بن أبی بكر الهيثمی	دارالكتب العملية
۵۵	عمل اليوم والليلة	أحمد بن محمد الدينوری	حيدرآباد دكن

۵۶	تحفة المحتاج	عمر بن على الأندلسى	دار الحراء
۵۷	الزهد والرقاق	عبد الله بن المبارک المروزى	دار الكتب العلمية
۵۸	الزهد لابن حنبل	احمد بن محمد بن حنبل	دار الريان القاهرة
۵۹	نيل الاوطار	محمد بن على الشوكانى	ادارة القرآن
۶۰	شعب الايمان	ابو بكر احمد بن حسين البيهقى	دار الريان للتراث
۶۱	زاد المعاد	محمد بن ابى بكر ابن قيم الجوزية	موسسة الرسالة
۶۲	جامع المسانيد والسنن	عماد الدين ابن كثير	دار الفكر
۶۳	تحقيق المقال	المحدث لطيف الرحمن القاسمى	مكتبة الحرمين
۶۴	الفردوس بماثور الخطاب	أبو شجاع شيرويه بن شهر داد	دار الكتب العلمية
۶۵	تحفة الاشراف	يوسف بن الزكى المزى	دار الكتب العلمية
۶۶	تخريج الأحاديث والآثار	جمال الدين عبد الله بن يوسف الزيلعى	دار ابن خزيمة
۶۷	الاتحاف السنية بالأحاديث القدسية	عبدالرؤف المناوى	موسسة الرسالة
۶۸	تغليق التعليق	حافظ ابن حجر المكى	المكتب الاسلامى
۶۹	المنتظم	ابن الجوزى	مكتبة دارصادر
۷۰	الوابل الصيب	ابن قيم الجوزية	دارالكتاب العربى
۷۱	فضائل اعمال	شيخ الحديث مولانا محمد زكريا	زمزم ببلشرز

۷۲	تاریخ مدینة دمشق	ابن هبة الله الشافعي	دار الكتب العلمية
۷۳	صفة الصفوة	عبد الرحمن بن علی الجوزی	دارالمعرفة
۷۴	الطبقات الكبرى	محمد بن سعد الهاشمي	دارالكتب العلمية
۷۵	معرفة الصحابة	ابو نعيم الاصبهانی	دار الكتب العلمية
۷۶	عمدة القاری	علامه بدر الدين العينی	دار الحديث ملتان
۷۷	فتح الباری	حافظ ابن حجر العسقلانی	الكتب الاسلامی
۷۸	فتح الملهم	مولانا شبير احمد العثمانی	دار العلوم كراتشی
۷۹	جامع العلوم والحكم	عبد الرحمن ابن رجب الحنبلی	دار ابن جوزی
۸۰	فيض القدير	عبد الرؤف المناوی	دار الفكر
۸۱	المحلی	علی بن أحمد بن حزم الظاهری	دار الآفاق
۸۲	التمهيد	أبو عمر ابن عبد البر الاندلسی	علوم الآفاق
۸۳	الاستذكار	أبو عمر ابن عبد البر الاندلسی	دار الكتب العلمية
۸۴	سيرة البخاری	محمد عبد السلام المباركفوری	فاروقی كتب خانه
۸۵	ارشاد القاری	مفتی رشيد احمد	سعيد كمبنی
۸۶	ارشاد الساری	شيخ الحديث مولانا عبد الجبار	مكتبه نعمانيه
۸۷	تهذيب الكمال	جمال الدين ابوالحجاج المزی	موسسة الرسالة
۸۸	تهذيب التهذيب	حافظ ابن حجر العسقلاني	دار الكتب العلمية
۸۹	تقريب التهذيب	حافظ ابن حجر العسقلاني	الكتب الاسلامية
۹۰	لسان الميزان	حافظ ابن حجر العسقلاني	المطبوعات الاسلامية

۹۱	میزان الاعتدال	محمد بن احمد عثمان الذهبي	دار الفكر
۹۲	الكاشف	محمد بن احمد عثمان الذهبي	دار الكتب العلمية
۹۳	المغنى	محمد بن احمد عثمان الذهبي	احياء التراث
۹۴	الجامع فى الجرح والتعديل	ابو المعاطى النورى مع إخوانه	عالم الكتاب
۹۵	الكامل	ابو احمد ابن عدى الجرجانى	دار الفكر
۹۶	كتاب الضعفاء والمتروكين	العلامه ابن الجوزى	دار الكتب العلمية
۹۷	التاريخ الكبير	محمد بن اسماعيل البخارى	دارالباز بمكة
۹۸	كتاب الجرح والتعديل	الحافظ عبد الرحمن الرازى	دار الكتب العلمية
۹۹	المعجم الوسيط	ابراهيم مصطفى مع إخوانه	كتب خانه حسينيه
۱۰۰	مصباح اللغات	مولانا عبد الحفيظ بلياوى	قديمى كتب خانه
۱۰۱	القاموس الوحيد	مولانا وحيد الزمان كيرانوى	كتب خانه حسينيه
۱۰۲	لسان العرب	علامه ابن منظور	دار الباز بمكة
۱۰۳	الهدايه	على بن أبى بكر المرغينانى	شركة علمية
۱۰۴	حاشية الطحطاوى	سيداحمد الطحطاوى	ميرمحمدكتبخانه
۱۰۵	البحر الرائق	علامه ابن نجيم المصرى	المكتبة الماجدية
۱۰۶	رد المحتار	محمد أمين ابن عابدين الشامى	سعيدكمبنى
۱۰۷	شرح عقود رسم المفتى	محمد أمين ابن عابدين الشامى	مكتبه اسعدى

۱۰۸	الفتاوى الهندية	جماعة من العلماء الهند	بلوچستان
۱۰۹	فتاوى قاضي خان	حسن بن مصور الاوزجندی	بلوچستان
۱۱۰	الفتاوى البزازيه	محمد بن محمد شهاب الدين	بلوچستان
۱۱۱	نور الايضاح	حسن بن على الشرنبلالى	كتبخانه امداديه
۱۱۲	الاعتصام	ابو اسحاق الشاطبى	دار الكتب العلمية
۱۱۳	الفتاوى الخيرية	الشيخ خير الدين الرملى	آرام باغ کراچی
۱۱۴	خير الفتاوى	مولانا محمد جالندهرى	مكتبة الخير ملتان
۱۱۵	فتاوى محموديه	مفتى محمود حسن كنكوهیؒ	كتبخانه مظهرى
۱۱۶	امداد الفتاوى	حكيم الامت مولانا اشرف على	دار العلوم کراچی
۱۱۷	امداد الاحكام	مولانا ظفر احمد عثمانى	دار العلوم كراتشى
۱۱۸	تاليفات رشيديه	مولانا رشيد احمد گنگوهیؒ	اداره اسلاميات
۱۱۹	كفايت المفتى	مفتى محمد كفايت الله	دار الاشاعت
۱۲۰	فتاوى دار العلوم	مفتى محمد شفيع عثمانى	دار الاشاعت
۱۲۱	فتاوى خليلية	مولانا خليل احمد سهارنفورى	مكتبة الشيخ
۱۲۲	فتاوى عثمانى	مفتى محمد تقى عثمانى	مكتبة معارف القرآن
۱۲۳	احسن الفتاوى	مفتى رشيد احمد لدهيانوى	سعيد كمبنى
۱۲۴	عمدة الفقه	مولانا سيد زوار حسين شاه	اداره مجدد يه
۱۲۵	الحاوى للفتاوى	جلال الدين السيوطى	فاروقى كتبخانه
۱۲۶	تلبيس ابليس	العلامه ابن الجوزى	كتبخانه مجيديه

۱۲۷	رسالہ حسن التفهم والدرک	عبد الله بن محمد الغماری	مکتبة القاهرة
۱۲۸	سباحة الفكر فی الجهر بالذكر	محمد عبد الحی اللكنوی	المطبوعات الاسلامية
۱۲۹	التكشف	حكيم الامت مولانا اشرف علی	كتبخانه مظهری
۱۳۰	بوادر النوادر	حكيم الامت مولانا اشرف علی	اداره اسلاميات
۱۳۱	سيرة النعمان	مولانا شبلی نعمانی	دار الاشاعت
۱۳۲	رساله ذكر الله	ڈاکٹر محمد ظفير احمد	آئی سپیشلٹ
۱۳۳	مجالس ذكر جهری كا استحباب	مولانا عبد الحفيظ مكی	اسلامک فاؤنڈیشن
۱۳۴	اخفاء الذكر	مولانا سرفراز صفدر	مكتبه صفدرية
۱۳۵	هداية النحو	سراج الدين عثمان چشتی نظامی	قديمی كتبخانه
۱۳۶	اوضح المسالک الی الفية ابن مالک	جمال الدين بن يوسف الانصاری	داراحياء العلوم
۱۳۷	كافية	جمال الدين ابن حاجب	مكتبة خير كثير
۱۳۸	رساله مجالس ذكر	محمد اقبال (مدينه منوره)	اداره تصنيفات
۱۳۹	القول الجميل مع شرح شفاء العليل	حضرت شاه ولی الله محدث دهلویؒ	منصور بكڈپو
۱۴۰	شرح سنن ابن ماجة	الحافظ علاء الدين مغلطائی	مصطفى الباز
۱۴۱	بريقة محمودية فی شرح طريقة محمدية	محمد بن محمد مصطفى الخادمی	دار احياء كتب عربية

۱۴۲	فتاوی عزیزی	شاہ عبد العزیز محدث دھلویؒ	سعید کمپنی
۱۴۳	عمل الیوم واللیلة	احمد بن شعیب النسائی	مؤسسة الرسالة
۱۴۴	أوجز المسالک الی مؤطا مالک	شیخ محمد زکریا الکاندھلوی المدنیؒ	دار العلم دمشق
۱۴۵	المسامیر الناریة علی المقالات الفریدیة	مولانا خان بادشاہ	پشاور
۱۴۶	حاشیة تدریب الراوی	الشیخ عبد الوھاب عبداللطیف	میرمحمد کتب خانه
۱۴۷	تعلیق ابن ماجه	الدکتور بشار عواد	
۱۴۸	فتاوی دار العلوم زکریا	حضرت مفتی رضاء الحق صاحب	زمزم پبلشرز
۱۴۹	معارف السنن	علامه یوسف بنوریؒ	سعید
۱۵۰	العرف الشذی	مولانا انور شاہ کشمیریؒ	
۱۵۱	غمز عیون البصائر	العلامة سیداحمدالحموی المصریؒ	ادارة الفرآن
۱۵۲	اعلاء السنن	مولاناظفراحمد تهانویؒ	ادارة الفرآن
۱۵۳	سلسلة الأحادیث الضعیفة	الشیخ ناصر الدین الالبانی	المکتب الاسلامی
۱۵۴	المفردات فی غریب الفرآن	امام راغب اصفهانی	آرام باغ کراچی

۱۵۵	علوم الحديث	ابو عمرو ابن الصلاح	دار الفكر
۱۵۶	حاشية الدررعلى الغرر	العلامة ابوسعيدمحمدبن مصطفى الخادمى	عثمانية
۱۵۷	دررالحكام شرح غررالاحكام	منلا خسروؒ	تركية
۱۵۸	حاشية الكاشف	ابوالوفاء ابراهيم ابن العجمى	مؤسسة علوم القرآن
۱۵۹	التفسيرات الاحمدية	منلا جيون الجونفورى	نورانی کتب خانه
۱۶۰	الفتاوى السراجية	العلامه سراج الدين على بن عثمان	زمزم پبلشرز
۱۶۱	اشعة اللمعات	شيخ عبدالحق محدث دهلویؒ	کتب خانه مجيديه
۱۶۲	نظام الفتاویٰ	مفتى نظام الدين اعظمى	قاضی پبلشرز
۱۶۳	ذكربالجهركاشرعى حكم	حافظ نثار احمد الحسينى	خانقاه امداديه
۱۶۴	تفسيرخازن	علاء الدين على بن محمد البغدادى	التقدم العلمية
۱۶۵	تيسيرالكريم الرحمن	العلامة عبدالرحمن السعدى	مؤسسة الرسالة
۱۶۶	تفسيرابن عطية	عبدالحق ابن عطية الاندلسى	دارابن حزم
۱۶۷	مقدمة لسنن ابن ماجة	الدكتوربشار عواد	دارالجيل بيروت
۱۶۸	ازالة الريب	حضرت مولانا سرفراز خان صفدر	

۱۶۹	تحریر تقریب التهذيب مع المقدمة	الدكتوربشارعوادوشعيب الارنؤوط	مؤسسة الرسالة
۱۷۰	تعليق تهذيب الكمال	الدكتوربشارعواد	مؤسسة الرسالة
۱۷۱	قفوالاثر	العلامة رضى الدين الحنفى	مكتب المطبوعات الاسلامية
۱۷۲	دراسات فى اصول الحديث على منهج الحنفية	الشيخ عبدالماجد التركمانى	
۱۷۳	مقدمة فتح الملهم	مولانا شبيراحمدعثمانى	مكتبة دارالعلوم كراچى
۱۷۴	عجاله نافعه	شاه عبدالعزيز محدث دهلویؒ	
۱۷۵	مسلک ديوبندكسى فرقه كانام نهيں اتباع سنت كانام هے	مولانامفتى رفيع عثمانى	
۱۷۶	ماهنامه البلاغ		دارالعلوم كراچى
۱۷۷	حاشية البخارى	مولانا احمد على سهارنپوریؒ	فيصل پبلشرز
۱۷۸	حاشية البخارى	مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	فيصل پبلشرز

۱۷۹	الموسوعة الفقهية الكويتية		وزارة الاوقاف
۱۸۰	فقه اللغة	الامام الثعالبی	
۱۸۱	فضائل القرآن	حضرت شیخ محمدزکریاؒ	زمزم پبلشرز
۱۸۲	تذکرة الرشید	مولانا عاشق الٰهی بلند شهری	اداره اسلامیات
۱۸۳	الامام الفقیه المحدث الشیخ محمدعابدالانصاری	الشیخ سائد بکداش	
۱۸۴	مقدمة بلوغ المرام	صفی الرحمن المبارکپوری	العرفان
۱۸۵	لامع الدراری	حضرت شیخ محمد زکریا	سعید
۱۸۶	شریعت وطریقت	حکیم الامت حضرت تهانویؒ	مرکزی اداره
۱۸۷	فتاوی اللجنة الدائمة		
۱۸۸	مجالس حکیم الامت	مفتی محمد شفیع صاحبؒ	ربانی بک ڈپو
۱۸۹	تحفة العلماء	مولانا اشرف علی تهانویؒ	اداره تالیفاتِ اشرفیه
۱۹۰	فقه حنفی کے اصول وضوابط	مولانا اشرف علی تهانویؒ	زمزم پبلشرز
۱۹۱	خطبات الاحکام	مولانا اشرف علی تهانویؒ	زمزم پبلشرز
۱۹۲	نوادرالفقه	شیخ یونس سهارنپوری	اداره افادات اشرفیه

۱۹۳	الکنزالمتواری	شیخ محمدزکریاؒ	مؤسسة الخليل
۱۹۴	القاموس الوحید	مولانا وحیدالزمان کیرانویؒ	کتب خانه حسینیه
۱۹۵	التلخيص الحبير	شیخ الاسلام حافظ ابن حجرالعسقلانیؒ	المكتبة المكية
۱۹۶	شرح المنية	الشيخ ابراهيم الحلبى	سهیل اکیڈمی
۱۹۷	الاشباه والنظائر	العلامه ابن نجيم المصریؒ	ادارة القرآن
۱۹۸	فص الخواتم فيما قيل فى الولائم	علامه ابن طولونؒ	موقع الوراق
۱۹۹	الاجوبة الفاضلة	العلامه عبدالحی لکهنویؒ	دارالسلام
	التعليق الصحيح	قاضی عبدالجبارصاحب	
۲۰۰	فتاوىٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام مولاناحسین احمدمدنیؒ	مکتبه دینیه
۲۰۱	النكت والعيون	الماوردی	بيروت
۲۰۲	مقدمه معارف القرآن	مفتی محمد تقی عثمانی	کراچی
۲۰۳	تعليق الشيخ محمدعوامة على المصنف	الشيخ محمد عوامة	المجلس العلمى
۲۰۴	الفتاوى المهمة	الشيخ محمدصالح	

۲۰۵	القول الجلی فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم	قاضی شمس الدین صاحب	
۲۰۶	باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ	مولانارشید احمدگنگوھی ،جمع وترتیب مولانا نورالحسن راشد	ناشر : حضرت مفتی الھی بخش اکیڈمی
۲۰۷	التعریف باوھام من قسم السنن الی صحیح وضعیف	الشیخ محمود سعید ممدوح	داراحیاء التراث
۲۰۸	تعلیقات سنن ابی داود	شیخ شعیب الارنؤوط	الرسالۃ العالمیۃ
۲۰۹	تعلیقات المعجم الکبیرللطبرانی	عبد الجمید السلفی	مکتبۃ ابن تیمیۃ
۲۱۰	تعلیقات الجامع لشعب الایمان	عبد العلی عبدالمجید	مکتبۃ الرشد
۲۱۱	تحفۃ المحتاج	الشیخ ابن الملقن	دارحراء ،مکۃ المکرمۃ
۲۱۲	خلاصۃ الاحکام	الامام النوویؒ	مؤسسۃ الرسالۃ
۲۱۳	مفھوم البدعۃ	الشیخ عبد الالٰہ بن الحسین العرفج	بیروت
۲۱۴	براھین قاطعہ	مولانا خلیل احمد سھارنپوری	
۲۱۵	راہِ سنت	مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ	
۲۱۶	سیر اعلام النبلاء	الإمام شمس الدین الذھبیؒ	مؤسسۃ الرسالۃ

۲۱۷	مدارک السالکین	حافظ ابن قیمؒ	
۲۱۸	فتاویٰ فریدیہ	حضرت مفتی فرید صاحبؒ	
۲۱۹	اقامة الحجة علی ان الاکثار فی التعبد لیس ببدعة	علامہ عبد الحي لکھنویؒ	
۲۲۰	السراجی	سراج الدین محمد بن عبد الرشید	
۲۲۱	ارشاد الساری	الشیخ احمد القسطلانیؒ	
۲۲۲	شرح العلل	حافظ ابن رجب الحنبلیؒ	
۲۲۳	ماهنامہ الفرقان		لکھنؤ
۲۲۴	المعرفة والتاریخ	ابویوسف یعقوب الفسوی	
۲۲۵	سیر الصحابہ	مولانا شاہ معین الدین ندوی	ادارہ اسلامیات لاھور
۲۲۶	فیض الباری	علامہ انورشاہ کشمیریؒ	المجلس العلمی
۲۲۷	الدیباج المذهب فی اعیان علماء المذهب	ابراهیم بن علی الیعمری ابن فرحون المالکی	المکتبة الشاملة
۲۲۸	مجموع فتاوی ابن تیمیة	حافظ ابن تیمیةؒ	
۲۲۹	الهدیة العلائیة	علاء الدین بن العلامة الشامی	دارابن حزم
۲۳۰	فتح القدیر	علامہ ابن همامؒ	دارالفکر

۲۳۱	ماهنامه الفاروق		کراچی
۲۳۲	ماهنامه بينات		بنوری ٹاؤن
۲۳۳	مسند اسحاق بن راهويه	اسحاق بن ابراهيم الحنظلى	مكتبة الايمان المدينة المنورة
۲۳۴	تاريخ يحيى بن معين	رواية ابى الفضل العباس الدورى	موقع الوراق
۲۳۵	المنتخب من مسند عبد بن حميد	عبد بن حميد بن نصر ابو محمد	القاهرة
۲۳۶	الآحاد والمثانى	ابوبكر احمد بن عمرو الشيبانى	دارالراية ، الرياض
۲۳۷	التدوين فى اخبار قزوين	عبد الكريم بن محمد الرافعى القزوينى	دارالكتب العلمية
۲۳۸	التعليقات على مسند عبد بن حميد	الشيخ مصطفى العدوى	داربلنسية للنشر والتوزيع
۲۳۹	تحفة الاحوذى	محمد عبدالرحمن المباركفورى	دارالكتب العلمية
۲۴۰	السنن المبتدعات	الشيخ محمد عبد السلام الشقيرى	دارالفكر
۲۴۱	تاريخ بغداد	ابوبكر الخطيب البغدادى	دارالكتب العلمية
۲۴۲	الجرح والتعديل	عبدالرحمن بن ابى حاتم الرازى	دار احياء التراث
۲۴۳	تاريخ جرجان	الشيخ ابوالقاسم الجرجانى	عالم الكتب بيروت
۲۴۴	طبقات الحنابلة	ابوالحسين ابن ابى يعلى	دارالمعرفة بيروت
۲۴۵	الأمالى	ابوالحسن محمد ابن سمعون	دار البشائر الاسلامية
۲۴۶	الترغيب والترهيب	الشيخ ابوالقاسم الاصبهانى	

۲۴۷	اخبار اصبھان	الشیخ ابونعیم الاصبھانی	
۲۴۸	الترغیب فی فضائل الاعمال	ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان ابن شاھین	الریاض
۲۴۹	احکام الجنائز	الشیخ ناصر الدین الالبانی	المکتب الاسلامی
۲۵۰	کتاب الدعاء	ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	دار الکتب العلمیة
۲۵۱	أخبار مکة فی قدیم الدھر وحدیثه	ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن العباس الفاکھی ۲۱۷ھ ۔ ۲۷۵ھ	بیروت
۲۵۲	فتح اللّٰہ بخصائص الاسم اللّٰہ	حضرت مولانا موسیٰ خان روحانی صاحب	ادارة التصنیف لاھور
۲۵۳	التفسیر الکبیر	الامام فخر الدین الرازی	دار الفکر
۲۵۴	المعارف اللدنیة	مجدد الف ثانی	
۲۵۵	شمس المعارف	الشیخ احمد بن علی	
۲۵۶	الانسان الکامل	الشیخ عبدالکریم الجیلی	